

سُؤَالِ حَجَّتِ  
مَكَّةَ كِي وَا دِيوں ميں

جلد اول



حافظ محمد ادریس



ادارہ معارف اسلامی

Marfat.com

Marfat.com



## ادارہ معارفِ اسلامی

یہ ادارہ، اسلامی علوم و معارف کی تحقیق و تصنیف اور اشاعت و ترویج کے لیے قائم کیا گیا ہے۔ اس کی بنیاد دورِ حاضر کے عظیم مفکر اور قائدِ تحریکِ اسلامی مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے جولائی ۱۹۶۳ء میں رکھی تھی اور اس کا پہلا مرکز کراچی میں قائم کیا گیا تھا۔ بعد ازاں فروری ۱۹۷۹ء میں مولانا مرحوم نے لاہور کو اس کا دوسرا مستقر بنایا۔ اب کراچی اور لاہور میں ادارہ معارفِ اسلامی کے دونوں مراکز داخلی طور پر خود مختارانہ اور مقصدی اور آئینی طور پر ہم آہنگی سے حسب ذیل مقاصد کے لیے کوشاں ہیں:

□ - تحقیق اور علمی جستجو کے بعد اسلامی تعلیمات کو جدید ترین اسلوبِ اظہار کے ذریعے پیش کرنا اور تمدن، تاریخ، قانون، معیشت اور دوسرے دائروں میں جو مسائل درپیش ہیں ان کا حل اسلام کی روشنی میں تلاش کرنا۔

□ - علمائے اسلام کے تحقیقی کارناموں کا ترجمہ، ترتیب نو، تشریح و توضیح اور اشاعت، اسی طرح قدیم علمی خزانوں تک آج کے طالب علموں کی رسائی ممکن بنانا۔

□ - عالم اسلام کے موجودہ مسائل اور مستقبل کے امکانات کے بارے میں صحیح اور حقیقت پسندانہ فہم پیدا کرنے کے لیے مسلم ممالک کے بارے میں بالعموم اور پاکستان کے بارے میں بالخصوص تحقیقی کام کرنا۔

□ - اسلامی موضوعات پر دورِ حاضر کے مسلم علما کے نمایاں کارناموں کی دنیا کی اہم زبانوں بالخصوص اردو، عربی، انگریزی، فرانسیسی، جرمن اور سواحلی میں تراجم اور اشاعت کا انتظام کرنا۔

□ - عام پڑھے لکھے لوگوں میں اسلامی تہذیب و تمدن، تاریخ اور مسلم دنیا کے موجودہ مسائل کا صحیح فہم پیدا کرنے کے لیے مناسب طرز کی عام فہم کتابوں کی تیاری اور اشاعت کا انتظام کرنا۔

□ - تعلیم کو مثبت اسلامی آہنگ دینے اور اسلامی بنیادوں پر تشکیل شدہ ایک نئے نظامِ تعلیم کی راہ ہموار کرنے کے لیے مختلف مراحل کی نصابی اور امدادی کتب کی تیاری اور اشاعت کا انتظام کرنا۔



# رسولِ رحمت ﷺ

مکہ کی وادیوں میں

جلد اول

حافظ محمد ادریس

ادارہ معرفت اسلامیہ منصوہ، لاہور



M-301346



297-9921  
م 289 رس  
۱۴۰۵ھ

جملہ حقوق بحق ادارہ محفوظ ہیں

نام کتاب : رسول رحمت ﷺ مکہ کی وادیوں میں (جلد اول)  
تصنیف : حافظ محمد ادریس  
مطبع : مڈوے پرنٹرز، لاہور  
اشاعت اول : اکتوبر 2017ء (1100)  
صفحات : 408  
قیمت : 375/- روپے

باہتمام:

ادارہ معروف اسلامی ✉ منصورہ، ملتان روڈ، لاہور۔ 54790

042-35252194 ✉ 042-35252475-76,35419520-4

✉ imislami1979@gmail.com 🌐 www.imislami.org

تقسیم کنندہ:

مکتبہ معروف اسلامی ✉ منصورہ، ملتان روڈ، لاہور۔

042-35252419, 35419520-4



## فہرست

۱۷	مولانا عبدالمالک	دیباچہ
۲۱	پروفیسر محمد ابراہیم خان	تقدیم
۲۴	حافظ ساجدانور	تقریظ
۲۷	حافظ محمد ادریس	پیش لفظ

۴۲	✽ قبل اسلام کے عربی تمدن کا مرکز
۴۳	✽ حبشہ کا عروج
۴۳	✽ ذوالقرنین
۴۷	✽ تورات میں سبأ کی عظمت
۴۷	✽ نابتی حکومت
۴۸	✽ تہذیب و تمدن
۴۹	✽ سبأ کا قرآن میں تذکرہ
۵۱	✽ نبی ﷺ کے آبا و اجداد
۵۱	✽ وادی بکہ
۵۲	✽ ام القرئی کے مختلف نام
۵۳	✽ صفامروہ اور زم زم
۵۳	✽ حج کا حکم
۵۴	✽ سیدہ ہاجرہ کی عظمت
۵۵	✽ ابراہیم علیہ السلام

### حصہ اول تمہیدی مباحث

۳۴	○ دیار عرب
۳۴	✽ نسبت عالیہ کا کمال
۳۵	✽ عرب کی وجہ تسمیہ
۳۵	✽ عرب کا محل وقوع
۳۶	✽ ریگستانی پہاڑ اور برفانی چوٹی
۳۶	✽ ماخذ تاریخ
۳۷	✽ جزیرہ نمائے عرب طبعی حالت
۳۸	✽ اقوام و قبائل
۳۹	✽ بنو قحطان
۴۰	✽ قدیم عرب حکومتیں
۴۱	✽ رومیوں کا عبرت ناک انجام
۴۲	✽ سلطنت کندہ



۷۱	✽ دوسری نصیحت	۵۶	◎ چاہِ زم زم
۷۲	◎ بیت اللہ کی تعمیر	۵۶	✽ زم زم ایک معجزہ
۷۳	✽ تعمیر کعبہ عظیم سعادت	۵۷	✽ گہرائی، چوڑائی اور لمبائی
۷۳	✽ پیکرِ صبر و شکر خاتون!	۵۷	✽ موجود معدنیات
۷۴	✽ بیت اللہ کی تعمیر	۵۸	✽ فضیلت
۷۴	✽ اللہ کا پہلا گھر	۵۸	✽ یومِ حشر کی پیاس
۷۵	✽ انبیاء، بیت اللہ کے معمار	۵۹	✽ آبِ زم زم ایک زندہ جاوید معجزہ
۷۶	✽ حج اور شعائر اللہ	۶۰	✽ مکہ کا افتخار و اعزاز
۷۷	✽ بتوں کی گندگی سے بچو	۶۰	✽ آبِ زم زم پر تحقیق
۷۷	✽ دعائے خلیل اللہ ﷺ	۶۱	✽ آبِ زم زم اور عام پانی پر تحقیق
۷۸	✽ امن کا گہوارا	۶۱	✽ ایک ذاتی تجربہ
۷۹	✽ آنکھوں میں آنسو، دل میں سوز و گداز	۶۲	◎ اسماعیل ذبح اللہ ﷺ
۸۰	◎ خانہ کعبہ میں اصنام	۶۲	✽ بنو جرہم کی آمد
۸۰	✽ شیطان کی چال	۶۲	✽ ابتلائے عظیم
۸۰	✽ قدیم بت	۶۳	✽ ذبح اللہ
۸۱	✽ حضرت نوح ﷺ کی دعا	۶۳	✽ اسحاق و یعقوب کی بشارت
۸۲	✽ صفا و مروہ پر بت	۶۶	◎ حضرت اسماعیل کی ازدواجی زندگی
۸۳	✽ بتوں کا خاتمہ، شیطان کی مہلت	۶۶	✽ حضرت اسماعیل ﷺ کا بچپن
۸۳	✽ مزید بتوں کا تذکرہ	۶۷	✽ حضرت یعقوب کا نام اسرائیل
۸۴	✽ بت پرستوں کے شیطانی معیار	۶۸	✽ بنو جرہم کی مکہ آمد
۸۴	✽ سعد کا بت	۶۸	✽ پہلی شادی
۸۵	✽ ایک مشرک اور ادراکِ حق	۶۹	✽ والد کی نصیحت اور بیٹے کی اطاعت
۸۶	✽ ہبل قریش کا الہ	۷۰	✽ دوسری شادی



۱۰۵	◎ عاد و ثمود اور مدین	۸۶	✽ عزّی
۱۰۵	✽ قوموں کی بدبختی	۸۶	✽ لات
۱۰۶	✽ دعوتِ حق کی یکسانیت	۸۹	◎ بت پرستی کا تاریخی پس منظر
۱۰۶	✽ تذکیر اور یاد دہانی	۸۹	✽ بت پرست معاشرہ
۱۰۷	✽ قوم عاد کا جواب	۸۹	✽ گھر سے دعوت کا آغاز
۱۰۷	✽ قوم ثمود کا رویہ	۹۰	✽ تفصیلی مکالمہ
۱۰۸	✽ قوم شعیب کی بغاوت	۹۰	✽ جاہلانہ دھمکی اور اس کا حکیمانہ جواب
۱۰۸	✽ اہل حق و باطل کا موازنہ	۹۲	✽ ابراہیم بت شکن
۱۰۹	✽ مشرکین عرب	۹۳	✽ حضرت ابراہیم کی قوت استدلال
۱۰۹	✽ شرک جلی و خفی	۹۴	✽ نازِ نمرود اور ابراہیم حنیف
۱۱۱	◎ بنی اسرائیل میں بت پرستی	۹۴	✽ عشق اور عقل
۱۱۱	✽ حکمرانی سے غلامی تک	۹۵	✽ نوح علیہ السلام کا جانشین
۱۱۱	✽ پچھڑے کی پرستش	۹۶	✽ ایوانِ اقتدار میں بیٹھے بت کا مقابلہ
۱۱۲	✽ ہنود و یہود کی مشابہت	۹۸	◎ دعوتِ ابراہیم و محمد میں مماثلت
۱۱۳	✽ خالقِ حقیقی کی بجائے بتوں سے لگاؤ	۹۸	✽ راہِ حق کے راہی اور باطل پرست
۱۱۳	✽ صنم کدے	۹۹	✽ تمدنی حالات
۱۱۴	✽ غلامی میں بدل جاتا ہے قوموں کا ضمیر	۹۹	✽ طبقاتی تقسیم
۱۱۵	✽ ناشکرے اور باغی	۱۰۰	✽ جھوٹے خداؤں کی بھرمار
۱۱۷	✽ حضرت ہارون علیہ السلام کی برأت	۱۰۲	✽ نمرود کی وجہ تسمیہ
۱۱۷	✽ بے ضمیر قوم	۱۰۲	✽ موسوی شریعت کے آثار
۱۱۸	✽ حضرت عزیز اور حضرت مسیح کی الوہیت	۱۰۳	✽ نمرود کی نخوت
۱۱۹	✽ حضرت عزیز کی عظیم شخصیت	۱۰۳	✽ بت پرستی سے اللہ کی پناہ
۱۲۰	✽ خدائی کا مقام		



- |     |                                      |     |                                       |
|-----|--------------------------------------|-----|---------------------------------------|
| ۱۳۴ | ○ آنحضور ﷺ کا نسب                    | ۱۲۱ | ○ سیدنا الیاس کی بت شکنی              |
| ۱۳۴ | ✽ ساٹھ پشتیں                         | ۱۲۱ | ✽ حضرت الیاس اور بعل کابت             |
| ۱۳۴ | ✽ عدنان کے بعد کا نسب نامہ           | ۱۲۱ | ✽ سلام علی الیاسین                    |
| ۱۳۵ | ✽ قائدین قوم                         | ۱۲۲ | ✽ حضرت الیاس علیہ السلام              |
| ۱۳۶ | ✽ بنو قریش                           | ۱۲۲ | ✽ سیاسی اور اخلاقی زوال               |
| ۱۳۶ | ✽ تولیت کعبہ                         | ۱۲۳ | ✽ رسول حق کی وارثت                    |
| ۱۳۷ | ✽ نسب قریش                           | ۱۲۴ | ✽ اللہ کے نبی کی فریاد                |
| ۱۳۹ | ✽ قصی بن کلاب اور دارالندوہ          | ۱۲۴ | ✽ مکتوب حق بیان                       |
| ۱۴۰ | ✽ تاریخی اور یادگار خطاب             | ۱۲۵ | ✽ دوبارہ اسرائیل میں تشریف آوری       |
| ۱۴۰ | ✽ وجہ تسمیہ                          | ۱۲۵ | ✽ بعل کا مکمل تعارف                   |
| ۱۴۱ | ✽ جنگ نہیں جرگہ!                     | ۱۲۶ | ✽ انبیائے کرام کا اصلاحی کارنامہ      |
| ۱۴۲ | ✽ ہاشم ایک عظیم شخصیت                | ۱۲۷ | ✽ بعد از مرگ قدردانی                  |
| ۱۴۲ | ✽ قریش کے مامون ہونے کی اصل وجہ      | ۱۲۸ | ✽ حضرت الیاس کا انتظار                |
| ۱۴۴ | ✽ ہاشم منبع خیر                      | ۱۲۹ | ✽ الیاس اور الیاسین                   |
| ۱۴۵ | ✽ مبارک شادی                         | ۱۳۰ | ○ جاہلیت کی دیگر رسومات               |
| ۱۴۵ | ✽ ہاشم کا مدفن غزہ                   | ۱۳۰ | ✽ جانوروں کا تقدس                     |
| ۱۴۶ | ✽ چچا بھتیجے کی ملاقات               | ۱۳۱ | ✽ بحیرہ                               |
| ۱۴۶ | ✽ شبیہ الحمد سے عبدالمطلب            | ۱۳۱ | ✽ سائبہ                               |
| ۱۴۸ | ○ چاہ زم زم اور آل عبدالمطلب         | ۱۳۱ | ✽ وصیلہ                               |
| ۱۴۸ | ✽ چاہ زم زم کی بندش                  | ۱۳۱ | ✽ حام                                 |
| ۱۴۸ | ✽ قریش کی رکاوٹ اور عبدالمطلب کی منت | ۱۳۲ | ✽ تفسیر ابن کثیر                      |
| ۱۴۹ | ✽ ذبیح ابن ذبیح                      | ۱۳۲ | ✽ صحابی کا خدشہ اور رسول رحمت کا جواب |
| ۱۵۰ | ✽ اولاد عبدالمطلب                    | ۱۳۳ | ✽ کفار کی ہٹ دھرمی                    |
| ۱۵۲ | ✽ بنات عبدالمطلب                     |     |                                       |



۱۷۲ ❀ نور کی منتقلی

۱۷۲ ❀ رات گئی بات گئی

۱۷۳ ❀ تقدیر کے فیصلے

۱۷۴ ❀ بیوی کا مرحوم میاں کے لیے مرثیہ

۱۷۵ ❀ بشارت اور اللہ کی پناہ

۱۷۶ ❀ توہم کا خاتمہ

حصہ دوم  
آمنہ کا لعل

۱۷۸ ❀ ولادت باسعادت

۱۷۸ ❀ ولادت کے ایمان افروز واقعات

۱۷۹ ❀ بے مثال شان والا

۱۷۹ ❀ دادا کی مسرت

۱۸۰ ❀ خانہ کعبہ کے سائے میں اشعار

۱۸۲ ❀ رسول رحمت کے اسمائے گرامی

۱۸۲ ❀ انجیل کی گواہی

۱۸۲ ❀ احمد مجتبیٰ قرآن میں

۱۸۳ ❀ منفرد نام محمد

۱۸۴ ❀ آسمان وزمین پر قابل ستائش

۱۸۴ ❀ اسمائے گرامی

۱۸۵ ❀ آپ کے چھ پاکیزہ نام

۱۸۶ ❀ آنحضور ﷺ کی کنیت

۱۸۸ ❀ کنیت کی شہرت عام

۱۸۹ ❀ محمد نام رکھو

۱۵۲ ❀ آنحضور ﷺ کی امہات

۱۵۴ ❀ واقعہ ابرہہ

۱۵۴ ❀ ابرہہ کا عروج

۱۵۴ ❀ حبشی حکمران کے برے ارادے

۱۵۵ ❀ جعلی کعبہ

۱۵۵ ❀ جہلا کا عملِ باطل

۱۵۶ ❀ عربی حمیت

۱۵۶ ❀ لشکرِ جرار اور ہاتھی

۱۵۷ ❀ عبدالمطلب کی ابرہہ سے ملاقات

۱۵۸ ❀ دعائے خالص

۱۵۹ ❀ سیاسی، معاشی اور مذہبی مقاصد

۱۵۹ ❀ کلیسا میں غلاظت اور آتش زنی

۱۶۰ ❀ لات کے پجاری کی حماقت

۱۶۱ ❀ سردارِ قریش کی بارعب شخصیت

۱۶۱ ❀ توحید پر مبنی موقف اور اشعار

۱۶۳ ❀ ابرہہ کا انجام

۱۶۶ ❀ عذاب زدہ وادی

۱۶۶ ❀ حضور ﷺ کی تشریف آوری

۱۶۹ ❀ عام الفیل (ابرہہ حبشی کا حملہ)

۱۷۰ ❀ شجرۃ طیبہ

۱۷۰ ❀ عبد اللہ بن عبدالمطلب

۱۷۰ ❀ پر نور پیشانی

۱۷۱ ❀ مثالی رشتہ

۱۷۱ ❀ ایک مجلس میں باپ اور بیٹے کا نکاح



- |     |                                    |     |  |
|-----|------------------------------------|-----|--|
| ۲۰۳ | ✽ لخت جگر کی بازیافت               | ۱۹۰ | ◎ حلیمہ سعدیہ                            |
| ۲۰۴ | ✽ شیاطین کا شر اور اللہ کی حفاظت   | ۱۹۰ | ✽ آنحضور کی ابتدائی رضاعت                |
| ۲۰۵ | ✽ رضاعی بھائی کو بشارت             | ۱۹۰ | ✽ مبارک فیصلہ                            |
| ۲۰۶ | ✽ عظمت کا امین جوڑا                | ۱۹۱ | ✽ مایوسی امید میں بدل گئی                |
| ۲۰۶ | ✽ میری امی، میری امی               | ۱۹۱ | ✽ دل باغ باغ ہو گیا                      |
| ۲۰۷ | ✽ نبی، صدیق اور شہید               | ۱۹۲ | ✽ خشک چھاتیوں میں دودھ کا چشمہ           |
| ۲۰۷ | ✽ شیر خدا کی گواہی                 | ۱۹۳ | ✽ حلیمہ سعدیہ                            |
| ۲۰۸ | ✽ سیرت طیبہ بحر زخار               | ۱۹۴ | ✽ آمنہ کی حلیمہ کو نصیحت                 |
| ۲۰۹ | ✽ آنحضور کی رضاعی بہن              | ۱۹۴ | ✽ پرتا شیر اشعار                         |
| ۲۱۰ | ✽ صحابہ کی شان تسلیم و رضا         | ۱۹۵ | ✽ ماں کی بے مثال مامتا                   |
| ۲۱۲ | ◎ آنحضور کا رضاعی گھرانہ           | ۱۹۶ | ✽ رحمت دو عالم کا فیضان عام              |
| ۲۱۲ | ✽ تیری نسبت نے ذروں کے مقدر چمکائے | ۱۹۶ | ✽ پہلا کلام از لسان عالی مقام            |
| ۲۱۲ | ✽ سب سے بڑا انعام                  | ۱۹۷ | ✽ بکری کی شہادت                          |
| ۲۱۳ | ✽ صحابیہ رسول حلیمہ سعدیہ          | ۱۹۷ | ✽ عالم بیم ورجا                          |
| ۲۱۵ | ✽ علامہ شبلی کی تحقیق              | ۱۹۸ | ✽ رضاعی والدین اور بہن بھائی             |
| ۲۱۵ | ✽ جنت کے امیدوار                   | ۱۹۹ | ◎ معجزہ شقی صدر                          |
| ۲۱۷ | ✽ خوشی کے آنسو                     | ۱۹۹ | ✽ مکہ سے پھر بنو سعد میں                 |
| ۲۱۷ | ✽ شیماء کے اشعار                   | ۱۹۹ | ✽ ملائکہ کی آمد                          |
| ۲۱۹ | ◎ سیدہ آمنہ کا سانحہ ارتحال        | ۲۰۰ | ✽ ملائکہ کی مبارک باد                    |
| ۲۱۹ | ✽ اطمینان اور خلش                  | ۲۰۱ | ✽ میزان                                  |
| ۲۱۹ | ✽ آنکھوں کا تارا                   | ۲۰۱ | ✽ رضاعی والدین کی فکر مندی               |
| ۲۲۰ | ✽ یثرب کا سفر                      | ۲۰۲ | ✽ سایہ ابر رحمت                          |
| ۲۲۱ | ✽ بچپن کی حسین یادیں               | ۲۰۲ | ✽ گوہر نایاب کی گم شدگی پر اللہ سے التجا |



- ۲۳۸ ◉ گلہ بانی اور انبیائے کرام
- ۲۳۸ ✽ گلہ بانی شریفانہ کام
- ۲۳۸ ✽ جانور ایک نعمت بھی اور حسن بھی
- ۲۳۹ ✽ جنگل اور اس کے درختوں سے واقفیت
- ۲۴۰ ✽ قراریط؟
- ۲۴۱ ◉ حرب الفجار
- ۲۴۱ ✽ حرام مہینوں میں خون ریزی
- ۲۴۱ ✽ حضور کی جنگ میں شمولیت
- ۲۴۲ ✽ سالاران جنگ
- ۲۴۴ ◉ آنحضرت کا دوسرا سفرِ شام
- ۲۴۴ ✽ مہمان نوازی اور تنگ دستی
- ۲۴۴ ✽ ایک صائب تجویز
- ۲۴۵ ✽ شام کی جانب تجارتی سفر
- ۲۴۵ ✽ عالم ربانی کی گواہی
- ۲۴۶ ✽ تائید مزید
- ۲۴۶ ✽ غیر معمولی مشاہدات
- ۲۴۷ ✽ قافلہ خیر کی واپسی
- ۲۴۷ ✽ چار گنا معاوضہ
- ۲۵۰ ◉ خدیجہ بنت خویلد سے نکاح
- ۲۵۰ ✽ مال اور عزت
- ۲۵۰ ✽ دور روایات
- ۲۵۲ ✽ مبارک پیش کش
- ۲۲۱ ✽ یادگار گفتگو
- ۲۲۲ ✽ سیدہ آمنہ کا سانحہ ارتحال
- ۲۲۲ ✽ درّ یتیم ماں کی قبر پر
- ۲۲۳ ✽ ایک عاجزانہ وضاحت
- ۲۲۴ ✽ بڑھاپے میں جان لیوا غم
- ۲۲۵ ✽ والدین رسول اللہ کے مقامات و وفات
- ۲۲۶ ◉ عبدالمطلب کی آغوشِ محبت
- ۲۲۶ ✽ خالص کندن
- ۲۲۶ ✽ نقش پائے ابراہیم و محمد
- ۲۲۷ ✽ میرے بیٹے کو میرے پاس لاؤ
- ۲۲۸ ✽ عبدالمطلب کی رحلت
- ۲۲۸ ✽ رلا دینے والے اشعار
- ۲۳۰ ✽ دادا کی وفات پوتے کو ہمیشہ یاد رہی
- ۲۳۰ ✽ تِلْكَ الْآيَاتُ نَدَاؤُهَا بَيْنَ النَّاسِ
- ۲۳۲ ◉ ابوطالب کے زیر کفالت
- ۲۳۲ ✽ یتیم بھتیجا، رحیم چچا
- ۲۳۲ ✽ برکات و کرامات
- ۲۳۳ ✽ سردار بنو ہاشم کی مجلس
- ۲۳۴ ✽ چچا عظیم، بھتیجا عظیم تر
- ۲۳۴ ✽ اللہ کے بندے کی گواہی اور عقیدت
- ۲۳۵ ✽ مقدس کتب کے سچے پیروکار
- ۲۳۶ ✽ لعل درخشاں



- |     |  |     |  |
|-----|--|-----|--|
| ۲۶۷ | ✽ پکار کا مثبت جواب                            | ۲۵۲ | ✽ بنو عبدالمطلب کی آمد اور مبارک فیصلہ |
| ۲۶۸ | ✽ ظالم کا مقابلہ                               | ۲۵۳ | ✽ موثر خطبہ نکاح                       |
| ۲۶۹ | ✽ مظلوم کی دعائیں                              | ۲۵۳ | ✽ ایمان افروز زندگی                    |
| ۲۷۰ | ✽ وجہ تسمیہ                                    | ۲۵۵ | ○ مثالی جوڑے کی اولادِ طییبہ           |
| ۲۷۰ | ✽ قابل ذکر اور لائق تحسین کارنامہ              | ۲۵۵ | ✽ آلِ مطہرہ اور ان کی ترتیب            |
| ۲۷۱ | ✽ صحابہ و تابعین کے درمیان حلف الفضول کا تذکرہ | ۲۵۵ | ✽ بیٹوں کی مفارقت                      |
| ۲۷۲ | ✽ محبوب ترین عمل                               | ۲۵۶ | ✽ عقیقہ کی سنت                         |
| ۲۷۳ | ○ بعثت سے قبل کے اہم واقعات                    | ۲۵۷ | ✽ نہ ترک دنیا، نہ غرق دنیا             |
| ۲۷۳ | ✽ شرم و حیا کا پتلا                            | ۲۵۹ | ○ خانہ کعبہ کی تعمیر نو                |
| ۲۷۳ | ✽ پاکیزہ بچپن                                  | ۲۵۹ | ✽ سید الکونین پر نظرِ رحمت             |
| ۲۷۴ | ✽ پاکیزہ اور میٹھی نیند                        | ۲۵۹ | ✽ خانہ کعبہ از زمین تا عرش بریں        |
| ۲۷۵ | ✽ بادشاہِ یمن اور علمائے یہود                  | ۲۶۰ | ✽ مشقت اور ستر                         |
| ۲۷۵ | ✽ نبی رحمت کا حلیہ مبارک                       | ۲۶۰ | ✽ جہاز کی لکڑیاں اور تعمیر کعبہ        |
| ۲۷۶ | ✽ مقدر اپنا اپنا                               | ۲۶۱ | ✽ قرعہ اندازی                          |
| ۲۷۷ | ✽ محمدؐ مقبول نام                              | ۲۶۲ | ✽ خوش آئند فیصلہ                       |
| ۲۷۷ | ✽ علاماتِ نبوت                                 | ۲۶۲ | ✽ صادق و امین پر سب کا اتفاق           |
| ۲۷۸ | ✽ دادِ محترم کا خواب                           | ۲۶۳ | ✽ اطمینان بخش فیصلہ                    |
| ۲۷۸ | ✽ خواب کی تعبیر                                | ۲۶۴ | ✽ شیطان کی دخل اندازی                  |
| ۲۷۹ | ✽ اعلانِ نبوت                                  | ۲۶۴ | ✽ ابوطالب کی مسرت اور اشعار            |
| ۲۸۰ | ✽ خواب میں رہنمائی                             | ۲۶۵ | ✽ حطیم                                 |
| ۲۸۱ | ✽ اہل کتاب اور رسول رحمتؐ                      | ۲۶۶ | ✽ خانہ کعبہ کا بلند دروازہ             |
| ۲۸۱ | ✽ علاماتِ نبوت                                 | ۲۶۷ | ○ حلف الفضول                           |
| ۲۸۱ | ✽ حضرت عمرؓ کا جلال                            | ۲۶۷ | ✽ مظلوم کی پکار                        |
| ۲۸۲ | ✽ ایمان افروز نصیحت                            |     |  |



۳۰۲	✽ آل ابراہیم کے ہیرے	۲۸۳	✽ قدرتِ کاملہ کے کرشمے
۳۰۳	✽ حرام چیزوں کی تفصیل	۲۸۳	✽ الہامی کتب میں نبی امی کا ذکرِ خیر
۳۰۳	✽ امتیاز و اعزاز	۲۸۵	✽ رسولِ برحق اور صحابہ کرامؓ
۳۰۴	✽ مظلوم بچیوں کا سر پرست	۲۸۶	✽ انبیائے کرام سے عہدِ ربانی
۳۰۵	✽ وحی سے قبل اشاراتِ نبوت	۲۸۶	✽ اللہ کی پھٹکار
۳۰۵	✽ نورِ مجسم	۲۸۷	✽ اہل کتاب کی بدبختی
۳۰۵	✽ حضرت خدیجہؓ منجِ خیر	۲۸۸	✽ اسمِ گرامی کا اعجاز
۳۰۶	✽ بچپن کی دوستی	۲۹۰	✽ کشفاء
۳۰۶	✽ صلہ رحمی	۲۹۰	✽ اہم واقعات قبل از وحی
۳۰۷	✽ قیس بن سائب کی گواہی	۲۹۰	✽ فصیح خطبہ
۳۰۷	✽ نوجوان انصاری کی گواہی	۲۹۱	✽ عربوں کی فصاحت و بلاغت
۳۰۸	✽ بدبخت اہل کتاب کی محرومی	۲۹۱	✽ منفرد شخصیت زید بن عمرو
۳۰۹	✽ ایک کاہن جو مسلمان ہوا	۲۹۲	✽ تلاشِ حق میں سرگرداں!
۳۱۰	✽ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا واقعہ	۲۹۳	✽ ورقہ بن نوفل کا مرثیہ
<div style="border: 1px solid black; padding: 5px; display: inline-block;"> <p style="text-align: center;">حصہ سوم</p> <h2 style="text-align: center;">پیامِ ربانی</h2> </div>		۲۹۴	✽ پیغامِ توحید بذریعہ اشعار
۳۱۲	✽ غارِ حرا اور وحی	۲۹۶	✽ مزید ایمان افروز اشعار
۳۱۲	✽ ریاضت اور خلوت	۲۹۷	✽ ابراہیمؑ کا سچا پیروکار
۳۱۲	✽ جبریلؑ کی آمد اور پہلی وحی	۲۹۸	✽ ایک صحابی کی گواہی
۳۱۳	✽ عظیم انقلاب کی بنیاد	۲۹۸	✽ سلام اور اس کا جواب
۳۱۴	✽ دل کی مضبوطی بے مثال، نرمی بے نظیر	۲۹۹	✽ فرد واحد کو امت کا درجہ
۳۱۵	✽ نزولِ قرآن میں تدریج کی حکمت	۳۰۰	✽ ائمہ سیرت کا خراجِ تحسین
۳۱۵	✽ خلوت سے جلوت	۳۰۰	✽ بت شکن ابراہیمؑ حنیف
		۳۰۱	✽ حق و باطل کی کش مکش



۳۳۳	✽ جنت البقیع کا پہلا مکین	۳۱۹	◎ وحی ربانی کی کیفیات
۳۳۴	◎ قریبی رشتہ داروں کو دعوت	۳۱۹	✽ نزول قرآن اور صحیح بخاری
۳۳۴	✽ اعزہ و اقربا کو دعوت	۳۱۹	✽ ہرنی کو وحی سے نوازا گیا
۳۳۵	✽ رشتہ داروں کی ضیافت	۳۲۰	✽ مشکل ترین وحی
۳۳۵	✽ کھانے اور مشروب میں برکت	۳۲۱	✽ زوجہ محترمہ سے مکالمہ
۳۳۶	✽ اتمامِ حجت	۳۲۱	✽ عالم فاضل قریشی بزرگ
۳۳۶	✽ چچا لعین بھتیجا مکین	۳۲۲	✽ اٹھو اور پیغام پہنچاؤ
۳۳۸	✽ وعظ و نصیحت اور تربیت	۳۲۴	◎ دعوتِ حق کا آغاز
۳۴۰	◎ دعوتِ حق کا ابتدائی دور	۳۲۴	✽ ورقہ بن نوفل کا قبول اسلام
۳۴۰	✽ دارِ ارقم میں اجتماع	۳۲۵	✽ نماز کا آغاز
۳۴۰	✽ حرم میں پہلا دعوتی خطاب	۳۲۵	✽ حضرت علیؑ اور زیدؑ کا قبول اسلام
۳۴۱	✽ شمع رسالت کا پروانہ	۳۲۶	✽ حضرت ابوبکرؓ آغوش اسلام میں
۳۴۲	✽ خدمتِ اقدس میں حاضری	۳۲۶	✽ بیت اللہ میں نماز
۳۴۲	✽ مقدس بوسے	۳۲۷	✽ کوفی تاجر کی گواہی
۳۴۳	✽ نیک نہاد منہج خیر	۳۲۷	✽ سابقون فی الایمان
۳۴۳	✽ قسم کا پاس اور گھر واپسی	۳۲۸	✽ ابوبکرؓ داعی اسلام
۳۴۵	◎ کوہِ صفا پر دعوتِ حق	۳۲۸	✽ ننھا عمیرؓ اسلام کی گود میں
۳۴۵	✽ ہانکے پکارے دعوت پہنچا دو	۳۲۹	✽ غیر مشروط اطاعت
۳۴۵	✽ یاصباحہ	۳۳۰	✽ قریش کے چھ اشرار
۳۴۶	✽ داعی اور دعوت	۳۳۱	✽ خوددار ابن مسعود
۳۴۷	✽ دشمن کا جواب خود خدا کی زبانی	۳۳۱	✽ پڑھا لکھانو جوان
۳۴۷	✽ بدترین دشمنان کا تذکرہ	۳۳۲	✽ راہب کی گواہی
		۳۳۲	✽ روشن ہیرے



- |     |   |     |                                 |
|-----|---|-----|---------------------------------|
| ۳۶۶ | ✽ اللہ کی نظر میں بڑا کون؟                  | ۳۴۸ | ✽ ولید بن مغیرہ                 |
| ۳۶۷ | ✽ رضائے الہی کے طلب گار                     | ۳۴۹ | ✽ مال و اولاد کا فتنہ           |
| ۳۶۷ | ✽ ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کا مقام عالی    | ۳۵۰ | ✽ خبیث ہمسائے سوہانِ روح        |
| ۳۶۸ | ✽ معلم اور مؤذن                             | ۳۵۰ | ✽ داعیانِ دعوتِ حق              |
| ۳۶۹ | ✽ نابینا صحابی میدانِ قتال میں              | ۳۵۱ | ◎ بد بخت جوڑا                   |
| ۳۷۰ | ◎ مظلومینِ مکہ اور ابو بکرؓ کی تجارت        | ۳۵۱ | ✽ بیٹیوں کا دکھ                 |
| ۳۷۰ | ✽ ابو بکرؓ کی عظمت کو سلام                  | ۳۵۱ | ✽ حَمَلَةَ الْحَطَبِ            |
| ۳۷۰ | ✽ بلالؓ کی عزیمت اور حریت                   | ۳۵۲ | ✽ آنکھیں اندھی ہو گئیں          |
| ۳۷۱ | ✽ غلاموں اور کنیزوں کا سرپرست               | ۳۵۳ | ✽ گستاخی رسول ناقابلِ معافی جرم |
| ۳۷۲ | ✽ آیاتِ ربانی میں تحسین و رضا               | ۳۵۳ | ✽ شیروں کا گڑھ                  |
| ۳۷۳ | ✽ دکھتے انکارے اور ایمان کی حرارت           | ۳۵۴ | ✽ گستاخ کا انجام                |
| ۳۷۴ | ✽ جنتی خاندان آلِ یاسرؓ                     | ۳۵۴ | ✽ بد کرداروں کا انجام           |
| ۳۷۴ | ✽ تاریخ اسلام کی پہلی شہادت                 | ۳۵۵ | ✽ رحمت کا گہوارہ                |
| ۳۷۵ | ✽ حاکم ایلہ کا فرزند                        | ۳۵۵ | ✽ مرحبایا سختی!                 |
| ۳۷۶ | ◎ قریش کی مخالفت اور اسلام کی پیش قدمی      | ۳۵۷ | ◎ ابن ام مکتومؓ کا قبولِ اسلام  |
| ۳۷۶ | ✽ نایاب ہیرے آغوشِ اسلام میں                | ۳۵۷ | ✽ خدیجہ الکبریٰ کے ماموں زاد    |
| ۳۷۷ | ✽ شانِ سکندری سے شانِ قلندری تک             | ۳۵۷ | ✽ نابینا صحابی کی شان           |
| ۳۷۷ | ✽ آلِ جحش                                   | ۳۵۸ | ✽ مفتی محمد شفیعؒ کا حاشیہ      |
| ۳۷۸ | ✽ ہماری ماں ام حبیبہؓ                       | ۳۵۹ | ✽ موہوم اور یقینی کا فرق        |
| ۳۷۸ | ✽ قائد المہاجرین جعفر طیارؓ                 | ۳۶۰ | ✽ تکریمِ رسولؐ                  |
| ۳۷۹ | ✽ عقبہ، ولید اور ابو جہل کے گھروں میں اسلام | ۳۶۱ | ✽ ابرار و اتقیا                 |
| ۳۸۰ | ✽ بے مثال جوڑا                              | ۳۶۲ | ✽ سید مودودیؒ کا حاشیہ          |
| ۳۸۰ | ✽ عظیم فرزند اسلام ارقم!                    | ۳۶۵ | ✽ اللہ کی کتابِ حق              |



۳۹۴	✽ مشیت الہی	۳۸۱	✽ خوش بخت بناتِ اسلام
۳۹۵	✽ حکیمانہ تجویز، جاہلانہ جواب	۳۸۳	◎ ابو جہل کی جہالت اور آنحضرت کی عظمت
۳۹۶	✽ حمیتِ جاہلیہ	۳۸۳	✽ کفار اور نماز
۳۹۷	◎ کفارِ مکہ کی عصبیتِ جاہلیہ	۳۸۳	✽ رکوع اور سجود، حکم ربانی
۳۹۷	✽ معاندینِ حق کو چیلنج	۳۸۴	✽ ابو جہل کی گستاخانہ جسارت
۳۹۸	✽ کلام اللہ کا مقابلہ خلق کے بس میں کہاں	۳۸۴	✽ اللہ کے فرشتے
۳۹۹	✽ عجمی اور عربی مبین؟	۳۸۵	✽ جھوٹی پیشانی والا
۴۰۰	✽ عجمی کون تھا؟	۳۸۶	✽ مفسرین کے یادگار کارنامے
۴۰۱	✽ قرآن کی اثر آفرینی	۳۸۷	✽ اراشی اور ابو جہل
۴۰۲	✽ خاندانی عصبیت و حسد	۳۸۷	✽ میں ہوں محمد!
۴۰۲	✽ پہلی نظر	۳۸۸	✽ بز دل کہیں کا!
۴۰۳	✽ احمقانہ تمسخر	۳۸۸	✽ معجزات اور ابتلا
۴۰۵	◎ آنحضرت کی رکانہ سے کشتی	۳۸۹	✽ استقامت اور سکینت
۴۰۵	✽ دعوتِ اسلام	۳۹۰	◎ عقبہ بن ربیعہ کی آنحضرت سے ملاقات
۴۰۵	✽ پہلوان سے مقابلہ	۳۹۰	✽ کفار کی پریشانی
۴۰۶	✽ قبولِ حق	۳۹۰	✽ سودے بازی؟
۴۰۶	✽ ہادیِ اعظم کی فکرِ عظیم	۳۹۱	✽ نبی رحمت ﷺ کا جواب
۴۰۷	✽ معجزاتِ رسول	۳۹۲	✽ صداقت کا اعتراف
		۳۹۳	✽ پیش کش کا جواب



## دیباچہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔ نَحْمَدُهُ وَنُصَلِّیْ وَنُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْمِ۔ اَمَّا  
 بَعْدُ! فَقَدْ قَالَ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰی: اللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ یَجْعَلُ رِسَالَتَهُ۔  
 (الانعام ۶: ۱۲۴) ”اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ کسے اپنا رسول بنانا ہے۔“ اللہ تعالیٰ نے جسے  
 رسول بنانا ہوا سے پیدائشی طور پر نبوت و رسالت کی اہلیت عطا فرماتے ہیں۔ تمام انبیاء علیہم السلام  
 کی یہ شان ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان ان سب سے اس معاملے میں برتر ہے۔ آپ  
 امتوں کے نبی ہونے کے ساتھ ساتھ انبیاء علیہم السلام کے بھی نبی ہیں۔ آپ کو نبی الانبیا اور نبی الامم  
 کہا جاتا ہے۔ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا شق صدر جبکہ آپ حضرت حلیمہ سعدیہ کے ہاں دودھ  
 پینے کے بعد پرورش کی عمر میں تھے تاریخ انبیا کا عظیم ترین واقعہ ہے۔ اس وقت آپ بچے ہی تھے کہ  
 آپ کا شق صدر ہوا۔ یہ واقعہ اتنا ایمان افروز ہے کہ قاری اسے پڑھتے ہوئے محبوب خدا سے اپنے  
 تعلق کی حلاوت محسوس کرتا ہے۔ اس کتاب میں یہ واقعہ حوالہ جات کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

شق صدر بچپن میں بھی ہوا اور پھر بعد از نبوت و آمد وحی پر بھی اس کا ظہور ہوا۔ دوسری مرتبہ  
 معراج کے موقع پر یہ شق صدر ہوا۔ ان دونوں مواقع پر آپ کا سینہ شق کیا گیا اور پھر دل کو سینے میں  
 رکھ کر سینے کو سی دیا گیا۔ یہ بھی اس بات کی دلیل ہے کہ پیدائش کے بعد بھی آنحضور صلی اللہ علیہ  
 وسلم کو نبوت و رسالت کے عظیم منصب اور قیادت بنی نوع انسان کے لیے مزید تیار کیا گیا۔ وحی کی  
 آمد سے قبل آنجناب کے دل میں اس وقت جب آپ کی عمر چالیس سال کے قریب تھی غار حرا میں  
 تخیلے کا خیال پیدا ہوا اور آپ نے وہاں تخیلے میں ذکر الہی اور فکر و تدبر کا عمل شروع کر دیا۔ اسی  
 دوران جب آپ کا نور فطرۃ عروج کو پہنچا تو جبریل علیہ السلام نور وحی لے کر آگئے اور سورۃ العلق  
 کی ابتدائی پانچ آیات آپ کو پڑھائیں۔ گویا نور فطرۃ اس وقت پورے جو بن پہ تھا۔ جب



نورِ وحی اس پر ضو فشاں ہوا تو پھر نورِ علی نور ہو گیا۔ یہ باب بھی اس کتاب میں خوب صورت پیرائے میں قاری کی توجہ اپنی طرف مبذول کر لیتا ہے۔

اسی طرح آپ کا عظیم نسب بھی آپ کی نبوت کی دلیل ہے۔ حضرت ابراہیم خلیل اللہ اور اسماعیل ذبیح علیہما السلام کی پاکیزہ اور بلند و بالا فطرت سے نسبت نے درّ یتیم کو چار چاند لگا دیے۔ آپ عالی نسب ہیں اور اس کا اعتراف ہر ایک کو تھا اور ہے۔ پھر نسلاً بعد نسل عظیم آبا و اہمہات سے نسبت بھی آپ کی شان اور طرہ امتیاز ہے۔ کئی مواقع پر اس کا اظہار ہوتا رہا جیسے ہرقل نے حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ سے جب کہ وہ ایمان نہیں لائے تھے آپ کا مکتوب ملنے پر پوچھا: کیف نسبہ فیکم؟ یعنی تمہارے اندر اس نبی کا نسب کیسا ہے؟ انہوں نے جواب دیا: وھو فینا ذو نسب یعنی وہ ہمارے درمیان اونچے نسب والے ہیں تو ہرقل نے کہا: و کذلک الرسل تبعث فی نسب قومھا۔ اسی طرح رسول اپنی قوم کے اونچے نسب میں سے بھیجے جاتے ہیں۔

پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے درختوں اور پتھروں کا سجدہ کرنا، حدیث و سیرت کی کتب میں کثرت کے ساتھ روایت ہوا ہے۔ یہ بھی آپ کی نبوت و رسالت اور خصوصی شان و عظمت کی دلیل ہے۔ اسی طرح تعمیر کعبہ کے موقع پر جب اپنے چچا عباس کے کہنے پر آپ نے اپنی چادر اتار کر کندھے پر رکھی تو آپ بے ہوش ہو گئے۔ یہ آپ کی سیرت کا نمایاں مقام ہے کہ آپ نے شرم و حیا کی تعلیم پوری انسانیت کو دینی ہے تو نبوت سے پہلے بھی آپ کی ذات اقدس اس کا کامل نمونہ تھی۔ پھر ہر نبی نے نبوت سے پہلے بکریاں چرائی ہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اہل مکہ کی بکریاں چرائیں۔ (صحیح بخاری)۔ اس گلہ بانی کو خود آپ نے ایک خوبی اور خصوصیت انبیاء کے طور پر بیان فرمایا۔ یہ بھی آپ کی نبوت کی دلیل اور آپ کی شخصیت کی عظمت ہے۔ صاحب تصنیف نے ان تمام واقعات کا بہت خوب صورت انداز میں احاطہ کیا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت سے پہلے کوئی ایسا کام نہیں کیا جو خلاف شرع ہو۔ اس کے ساتھ بچپن سے جوانی تک آپ کی حیات طیبہ میں ایک بھی ایسا کام نظر نہیں آتا جس پر کوئی انگلی اٹھا سکے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کوہ صفا پر سب قریش کو جمع کیا اور پوچھا تم نے مجھے کیسا پایا؟ سب نے



یک زبان ہو کر کہا کہ ہم نے آپ کو صادق اور امین پایا ہے۔ یہ ہمارا بار بار کا تجربہ ہے۔ اعلان نبوت سے پہلے کفار و قریش کا یہ اقرار ان کے کفر و عناد کے خلاف بہت بڑی دلیل ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس کا صبر، عزم و ہمت اور جس مقصد کے لیے آپ کو کھڑا کیا گیا تھا، اس پر استقامت لا جواب و بے مثال ہے۔ آپ نے ہر ابتلا کا مقابلہ کیا حتیٰ کہ وہ مشن اپنی تکمیل کو پہنچ گیا جس کے لیے آپ کو کھڑا کیا گیا تھا اور سرزمین عرب میں مکمل تبدیلی آگئی۔

اس تبدیلی کو حقیقی انقلاب کا نام دیا جاسکتا ہے۔ تاریخ انسانی گواہ ہے کہ دنیا میں اس انقلاب کی مثال تاریخ کے کسی دور میں نہیں ملتی، نہ اس سے قبل، نہ اس کے بعد! اس انقلاب کا ثمرہ تھا کہ تمام معاشرہ پہلے سے بدل کر نئی اور یکسر مختلف شکل اختیار کر گیا۔ جھوٹ ختم ہو گیا، اس کی جگہ سچائی کا دور دورہ ہوا، دھوکہ اور فریب ختم ہو گیا اس کی جگہ دیانت و ہمدردی اور غم گساری و اخوت و موانست آگئی، دشمنیاں ختم ہو گئیں ان کی جگہ دوستیاں قائم ہو گئیں، معاشرے میں امن و امان قائم ہو گیا اور زمین کا ہر چپہ بد امنی اور فتنوں سے مامون ہو گیا۔ ہر کسی کی جان و مال اور عزت و آبرو محفوظ ہو گئی۔ یہ وہ انقلاب تھا جس کی دنیا منتظر تو تھی لیکن اس کی خاطر دعوت حق کو قبول کرنے کے لیے آسانی سے تیار نہ تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صبر و حکمت سے لوگوں کو دعوت دی۔ جن خوش نصیب افراد نے حق کی دعوت قبول کر لی، ان کو تسلی اور سہارا دیا۔ سب بیمار تمام بیماریوں سے شفا یاب ہو گئے کیونکہ نبی رحمت وہ نسخہ کیمیا لے کر آئے تھے جس میں ہر درد کا علاج اور ہر مرض سے شفا خود اللہ نے پیدا فرمائی تھی۔

جناب حافظ محمد ادریس صاحب کو اللہ تعالیٰ نے یہ سعادت عطا فرمائی ہے کہ وہ سیرت رسول پر اپنی مقبول و معروف کتاب رسول رحمت تلواروں کے سائے میں (پانچ جلدوں) کی تکمیل کے بعد مکی دور کی طرف متوجہ ہوئے اور رسول رحمت مکہ کی وادیوں میں کے عنوان سے کام شروع کیا جو پایہ تکمیل کو پہنچ چکا ہے۔ اس کے پہلے حصے کا مسودہ ہمارے سامنے ہے۔ اس میں جناب حافظ محمد ادریس صاحب نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جملہ حالات کریمانہ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام و اسماعیل علیہ السلام سے شروع کر کے آپ کے پورے خاندان کے حالات اور نبوت سے پہلے اور بعد کے احوال کا احاطہ فرمایا ہے۔ پہلے حصے میں آب زم زم، چاہ زم



زم، اس کی تولیت، بیت اللہ کی تعمیر اور اس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا کردار، حرب فجار اور حلف الفضول اور پھر نبوت کے بعد کے حالات، سرّی دعوت، پھر جہری دعوت۔ اس کے آگے کعبۃ اللہ میں نماز کی ادائیگی، قرآن پاک کی تلاوت، پھر عمومی دعوت اور آزمائشیں، تمام عنوانات پر سیر حاصل تحقیقی لوازمہ کتاب کے حصہ اول میں جمع کیا گیا ہے۔

اس کتاب کا دوسرا حصہ جو اس کے بعد طباعت سے مرزین ہوگا، اس کے مضامین کا بھی خاکہ تیار کیا گیا ہے۔ اس میں سفر طائف، بطن نخلہ میں پڑاؤ کرنا، قرآن کی تلاوت اور جنات کا قرآن پاک سننا اور مطعم بن عدی کے جوار میں مکہ واپس آنا۔ اس تیرہ سالہ قیام مکہ کے آخری ایام میں ہجرت حبشہ، سرزمین حبشہ کی برکات، شاہ حبشہ، نجاشی کی عظیم شخصیت بھی عنوانات کا احاطہ کیا گیا ہے۔ معجزہ شق القمر اور قریش کا اسے جادو قرار دینا، آپ کی زندگی اور رسالت کے اہم ابواب ہیں۔ ان کو نہایت خوب صورتی اور پوری تحقیق کے ساتھ کتاب میں سمودیا گیا ہے۔ پھر ہجرت سے قبل کفار قریش کا آپ کو قتل اور گرفتار کرنے کا منصوبہ اور ان کی ناکامی، غرض سیرت طیبہ کے بھی اہم گوشے خوب صورتی سے سینہ قرطاس پر منتقل کیے گئے ہیں۔ ان تمام اہم معاملات اور ہجرت مدینہ کے تذکرے پر مشتمل اس کتاب کی دوسری جلد بھی مستقبل قریب میں قارئین کے ہاتھوں میں آجائے گی۔

اللہ تعالیٰ اس مجموعہ سیرت کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نام نامی کی برکت سے زیادہ سے زیادہ با مقصد اور زیادہ سے زیادہ فیض بخش بنا دے۔ ہم جناب حافظ محمد ادریس صاحب کے لیے دعا گو ہیں کہ اللہ ان کے قلم و زبان کو مزید قوت اور تاثیر سے مالا مال کر دے تاکہ وہ دین حق کی اقامت اور اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے زیادہ سے زیادہ خدمات سرانجام دے سکیں۔ آمین یا رب العالمین!

(حضرت مولانا) عبدالمالک عنہ

۲ شعبان ۱۴۳۸ھ

مطابق ۳۰ اپریل ۲۰۱۷ء





## تقدیم

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن كَانَ يَرْجُوا اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَ  
ذَكَرَ اللَّهَ كَثِيرًا ۝ (الاحزاب ۲۱:۳۳) تحقیق تمہارے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ  
وسلم عمل کا بہترین نمونہ ہیں۔ ہر اس شخص کے لیے جو امیدوار (طلبگار) ہو اللہ کا اور آخرت  
کے دن کا اور جس نے کثرت سے اللہ کا ذکر کیا۔

انسانیت کی حقیقی کامیابی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات و سیرت مطہرہ سے رہنمائی  
حاصل کیے بغیر ممکن نہیں ہے۔ اہل ایمان پر یہ حقیقت واضح ہونی چاہیے کہ یہ کام سیرت رسول کی  
روشنی میں قرآن کے مطالعے سے ہی ممکن ہو سکتا ہے۔ محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت اور قرآن  
مجید اللہ رب العزت کا انسانیت پر بہت بڑا انعام ہے۔ مشرکین مکہ نے اس عظیم نعمت کو ناشکری اور  
کفران نعمت سے بدل ڈالا۔ اس کے نتیجے میں وہ دنیا اور آخرت میں ناکامی اور نامرادی سے  
دوچار ہوئے۔ ارشاد باری ہے:

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ بَدَّلُوا نِعْمَتَ اللَّهِ كُفْرًا وَأَحَلُّوا قَوْمَهُمْ دَارَ الْبَوَارِ ۗ جَهَنَّمَ  
يَصْلَوْنَهَا وَيَبُغُّسُ الْقَرَارِ ۗ (ابراہیم ۱۴:۲۸-۲۹) کیا تو نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا  
جنہوں نے اللہ کی نعمت کو ناشکری سے بدل ڈالا اور اپنی قوم کے لیے تباہی کے گھر کو لازم  
قرار دیا جو جہنم ہے جس میں یہ پہنچیں گے اور جلیں گے۔ اور (یہ) بہت ہی بری جائے قرار  
ہے۔

ابوالانبیا حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ہر طرح کی آزمائشوں سے گزارنے کے بعد اللہ تعالیٰ  
نے انسانیت کا امام بنایا۔ انہوں نے امامت کے حوالے سے اپنی ذریت (اولاد) کے بارے میں



استفسار کیا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جواب آیا میرا وعدہ ظالموں کے لیے نہیں۔

وَإِذْ ابْتَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ رَبُّهُ بِكَلِمَاتٍ فَأَتَتْهُنَّ ۗ قَالَ إِنِّي جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ إِمَامًا ۗ قَالَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِي ۗ قَالَ لَا يَنَالُ عَهْدِي الظَّالِمِينَ ﴿۱۲۴﴾ (البقرة ۲: ۱۲۴) اور جب تیرے رب نے ابراہیم علیہ السلام کو کئی باتوں سے آزمایا اور اس نے ان کو پورا کیا تو اللہ نے ارشاد فرمایا کہ میں تجھے انسانیت کا امام بناتا ہوں۔ آپ نے کہا کہ میری اولاد کے بارے میں کیا حکم ہے؟ فرمایا میرا وعدہ ظالموں کو نہیں پہنچے گا۔

اللہ تعالیٰ کے اس فیصلے کے مطابق انسانیت کی امامت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد کے اس حصے میں رہی جو ان کے چھوٹے فرزند حضرت اسحاق علیہ السلام کی نسل سے ہے اور جب ان لوگوں کے ہاتھوں ظلم کا صدور انتہا کو پہنچا تو امامت حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بڑے فرزند حضرت اسماعیل علیہ السلام کی نسل میں لوٹا دی گئی۔ محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی دعا کو شرف قبولیت بخشتے ہوئے قریش کے عظیم قبیلے اور مکہ مکرمہ کے مقدس شہر میں نبی اور رسول بنا کر مبعوث فرمایا، دونوں انبیاء نے اللہ سے دعا مانگی تھی:

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمُ الْبُيُوتِ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ ۗ إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿۱۲۹﴾ (البقرة ۲: ۱۲۹) اے ہمارے رب! ہماری اولاد میں ایک رسول بھیج دیجیے جو ان پر تیری آیات تلاوت کرے ان کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دے اور ان کا تزکیہ کرے۔ بے شک تو غالب اور حکمت والا ہے۔

بنی اسرائیل اس تبدیلی امامت پر بہت تلملائے، مگر اللہ کا یہ فیصلہ تو روز اول سے محفوظ تھا کہ خاتم النبیین، سید الاولین والآخرین محمد مصطفیٰ، احمد مجتبیٰ آل اسماعیل میں سے ہوں گے۔ آپ کے لیے جو دعائیں اللہ کے دونوں نے تکمیل تعمیر بیت اللہ کے وقت مانگی تھیں وہ اللہ کے ہاں مقبول تھیں۔

محترمی و مکرمی حافظ محمد ادریس صاحب نے سیرت رسول پر قلم اٹھایا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی کاوش میں برکت ڈالی اور رسول رحمت تلواروں کے سائے میں پانچ جلدوں میں مکمل

۱۶۵/۳۳



ہوگئی۔ یہ حصہ سیرت مدنی دور پر مشتمل ہے جو اس سے قبل منصفہ شہود پر آ کر مقبولیت حاصل کر چکا ہے۔ اب رسول رحمت مکہ کی وادیوں میں ان کے قلم سے تیار ہو رہی ہے جس کی پہلی جلد نذر قارئین ہے۔ یہ کام ایسے دور میں ہو رہا ہے جبکہ انسانیت کی امامت کا منصب امت محمدیہ سے ان کی سیرت رسول اور کلام الہی، قرآن مجید سے غفلت اور دوری کے نتیجے میں سنت الہی کے عین مطابق چھن چکا ہے۔ دنیا ظلم و عدوان سے بھر چکی ہے۔ انسانیت رہنماؤں کی تلاش میں ہے اور جن کو رہنما ہونا چاہیے تھا یعنی امت محمدیہ، ان کے حکمران اور لیڈران گمراہوں کے پیچھے چل پڑے ہیں، جو بے خدا تہذیب کے علم بردار ہیں۔

سیرت رسول کو عام کرنے اور اس کی روشنی میں قرآن کو سمجھنے اور اس کے مطابق انسانیت کی رہنمائی کے لیے آگے بڑھنے کا شاید یہ وقت سب سے زیادہ محتاج ہے اور یہی انسانیت کے لیے دنیا میں ظلم سے اور آخرت میں جہنم سے نجات کا واحد ذریعہ ہے۔

محترم حافظ محمد ادریس صاحب کو اللہ تعالیٰ نے سیرت رسول اور سیرت صحابہ رضی اللہ عنہم کی تحریر اور بیان کی بہترین صلاحیت سے نوازا ہے۔ اس موضوع پر ان کی تحریریں محض تاریخی واقعات نہیں بلکہ قاری کے لیے تربیت و تزکیے کا لوازمہ بھی فراہم کرتی ہیں۔ میری دعا ہے کہ اللہ ان کی صلاحیتوں کو مزید جلا بخشنے تاکہ ان کا قلم رواں دواں رہے اور اہل ایمان کے درمیان خیر پھیلتا رہے۔ آج قلمی جہاد ہی کی ضرورت ہے اور یہ اس دور کا اہم ترین تقاضا ہے۔ وما توفیقی الا باللہ۔

(سابق سینئر پروفیسر) محمد ابراہیم خان

نائب امیر جماعت اسلامی پاکستان



## تقریظ

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مطہرہ ایک ایسا خوب صورت اور معطر گلدستہ ہے جس کی تازگی کبھی ختم نہیں ہوتی اور جس کے پھول کبھی نہیں مڑ جھاتے۔ ختمی مرتبت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے سے لے کر آج تک اس موضوع پر لکھنے والے اپنی پسند اور دلچسپی کے مطابق لکھتے رہے ہیں اور تا قیام قیامت لکھتے رہیں گے لیکن اس موضوع کی وسعت کبھی ختم نہ ہوگی۔

اس موضوع کا تنوع اور ہمہ گیری اتنی وسیع اور جامع ہے کہ ہر سیرت نگار بجا طور پر یہی سمجھتا ہے کہ ابھی اس موضوع پر بہت کچھ کام کرنا باقی ہے۔ آپ کے ساتھ محبت جزو ایمان ہے اس کے بغیر ایمان کی تکمیل نہیں ہو سکتی۔ اللہ رب العزت تک بندے کی رسائی اس وقت تک ممکن نہیں جب تک وہ اتباع رسول پر کار بند نہ ہو۔ چنانچہ سیرت کا مطالعہ آپ کے ساتھ وابستگی اور محبت بڑھانے کا ایک ذریعہ اور سبب بھی ہے اور ایمان کی بالیدگی کا ذریعہ بھی۔

یوں تو آپ کی مکی اور مدنی زندگی کے حوالے سے بہت کچھ لکھا جا چکا ہے لیکن اگر نسبتاً دیکھا جائے تو مدنی زندگی پر بہت کام کیا گیا ہے، مکی زندگی کا اتنی تفصیل سے احاطہ نہیں کیا گیا۔ اس کی ایک وجہ تو ظاہر ہے کہ تدوین سیرت یا تدوین سنت کے قریب زمانہ مدنی زندگی کا تھا چنانچہ اسے بالاستیعاب بیان کر دیا گیا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مکی زندگی بنیاد تھی اور مدنی زندگی اس کی اعلیٰ وارفع تعمیر تھی چنانچہ بنیاد نظر آنے والی نہیں ہوتی۔ اس کی دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ دین اسلام کا غلبہ جو لیٰ یُظہَرَ عَلَى الدِّینِ کُلِّہ کے مصداق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقاصد بعثت میں اہم ترین ہے اور یہ اعلیٰ وارفع مقصد مدینہ منورہ میں حاصل ہو چکا تھا جب حاکمیت الہیہ کا قیام ہوا اور اللہ کی زمین پر اللہ کا نظام نافذ ہوا۔ اس کی تیسری وجہ یہ بھی ہے کہ مکہ معظمہ میں صحابہ کرام



کی تعداد بھی قلیل تھی اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے جاں نثاروں کی نقل و حرکت بھی نسبتاً محدود تھی۔ اس کے برعکس مدنی دور میں صحابہؓ کی تعداد مکہ کے مقابلے میں بہت وسعت اختیار کر گئی۔ اس دور میں آپ کے سفر و حضر، امن و حرب اور مجلس و محفل میں صحابہؓ اتنی تعداد میں ہوتے تھے کہ آپ کے ہر قول، عمل اور سنن کو روایت کرنے والے متعدد رواۃ تمام جزئیات کا احاطہ کرتے اور انہیں بیان فرماتے۔ اب نئی زندگی کو اکثر و بیشتر جب بیان کیا گیا تو تاریخی حوالوں کے ساتھ آپ کی پیدائش اور بچپن سے لے کر جوانی، رسالت پھر کفار کے مظالم اور اہل ایمان کی آزمائشوں کو اجاگر کیا جاتا رہا۔ حقیقتاً آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مکی اور مدنی زندگی دو ایسے ماڈل ہیں جو مختلف حالات میں اسلام کی مختلف حکمت عملی کے بارے میں تفصیل سے ہمیں رہنمائی فراہم کرتے ہیں۔

جن ممالک میں مسلم اقلیت ہے، وہاں یہ آبادی کس طرح کی حکمت عملی اختیار کرے گی؟

مختلف قسم کے اقلیتی اور اکثریتی معاشروں میں دعوتی انداز کیا ہوگا؟

کفار کے اکثریتی علاقوں میں سماجی تحفظ کے نظام سے کیا کچھ استفادہ کیا جاسکتا ہے؟ اور

کن چیزوں سے حکمت کے ساتھ بچا جاسکتا ہے؟

مسلم اقلیت کے قیدیوں کی رہائی اور مظلومین کی اعانت کی صورت کیا ہوگی؟

ان سوالات جیسے بہت سے اہم سوالات آج بھی سیرت کی روشنی میں دورِ حاضر کی تڑپتی،

سکتی انسانیت اور مسلم اقلیت کے لیے زندہ سوالات کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اسی طرح کئی اہم

موضوعات مدنی زندگی کی اسٹریٹجک اہمیت اور غلبہ دین کے لیے مسلمانوں کی حکمت عملی کے لیے

رہنمائی کے طلب گار ہیں۔

ہمارے بزرگ محترم حافظ محمد ادریس صاحب مدظلہ العالی خوش قسمت ہیں اور مبارکباد کے

مستحق ہیں کہ مدنی زندگی اور غزوات الرسولؐ پر تفصیلی کام کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے انہیں اس

بات کی توفیق مرحمت فرمائی کہ انہوں نے آپ کی مکی زندگی کی پہلی جلد پر کام مکمل کر لیا ہے۔ سیرت



مطہرہ پر لکھی جانے والی اردو کتابوں میں یہ ایک بہترین اضافہ ہے۔

محترم حافظ محمد ادریس صاحب مدظلہ العالی کو اللہ تعالیٰ نے سیرت کا خصوصی ذوق عطا فرمایا ہے۔ یہ ان کا پسندیدہ موضوع ہے، جس کے بیان و تحریر پر انہوں نے زندگی کا طویل حصہ صرف کیا ہے۔ سیرت سے ان کی وابستگی کا اظہار سیرت پر ان کی لکھی گئی کتابوں سے بھی ہوتا ہے اور بالخصوص کبھی سیرت پر ان کی گفتگو ہو تو سامعین کے لیے اس میں بھی وہ جذبہ اور ذوق قابل دید ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ حافظ صاحب محترم کی مساعی حسنہ کو شرف قبولیت بخشے، توفیق مزید عطا فرمائے اور ہم سب کو دین متین کی کامل خدمت کی توفیق مرحمت فرمائے۔ آمین!

حافظ ساجد انور

نائب قیم جماعت اسلامی پاکستان

۲۷ مئی ۲۰۱۷ء / ۳۰ شعبان ۱۴۳۸ھ





## پیش لفظ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَالصَّلٰوَةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ وَعَلٰی  
 اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَمَنْ تَبِعَهُ بِاِحْسَانٍ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ۔ قَالَ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰی:  
 اَلَمْ یَجِدْکَ یَتِیْمًا فَاَوْیَّکَ (الضحیٰ ۹۳: ۶) اور وَوَضَعْنَا عَنکَ وِزْرًا ۙ اور وَرَفَعْنَا لَکَ  
 ذِکْرَکَ ۙ (الم نشرح ۹۳: ۱۲ اور ۴)

نبی مہربان صلی اللہ علیہ وسلم سے عشق و محبت ایمان کا تقاضا اور رضائے الہی کے حصول کا  
 ذریعہ ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اتنی ارفع و اعلیٰ ہے کہ پوری کائنات میں ان کا کوئی ثانی  
 نہیں۔ آپ پر اللہ تعالیٰ نے اپنی تمام نعمتیں مکمل کر دیں۔ آپ انبیاء و رسل کے سردار ہیں۔ آپ پر  
 نبوت کی تکمیل ہوئی۔ اب تاریخ قیامت نہ کوئی نبی آئے گا، نہ کتاب۔ آپ ہی کی کتاب اور آپ ہی  
 کی نبوت پوری انسانیت کے لیے روشنی کا منبع ہے۔ آپ کی زندگی کا ایک ایک لمحہ مستند حوالوں کے  
 ساتھ محفوظ ہے۔ آپ ناخن کیسے کاٹتے تھے، یہ بھی راویان حدیث نے محفوظ کر دیا ہے۔ آپ کے  
 بچپن سے لے کر آخری لمحے تک بلکہ آپ کی پیدائش سے قبل کے واقعات بھی جو آپ کی عظمتوں کی  
 نشاندہی کرتے ہیں، تاریخ اور حدیث کی کتابوں میں پوری جزر سی کے ساتھ محفوظ ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات تاریخ انبیاء و رسل کا اہم ترین باب ہے۔ یہ معجزات عملاً  
 تو آپ کی بعثت کے بعد ہی ظہور پذیر ہوئے، مگر آپ کی پیدائش بلکہ پیدائش سے بھی قبل آپ کی  
 دنیا میں آمد اور آپ کی غیر معمولی شخصیت کے متعلق بے شمار واقعات اہل دنیا نے دیکھے۔ یہ سبھی  
 سیرت و تاریخ کی کتب میں موجود ہیں۔ مکی دور کی حیات طیبہ میں ان میں چند ایک ہی کا احاطہ ممکن  
 ہو سکا، اگرچہ ان میں سے ہر واقعہ ایک عظیم شہادت ہے کہ سید الرسل، خاتم النبیین کی آمد سے قبل



کائنات میں جگہ جگہ ان کی آمد کی نشانیاں رونما ہو رہی تھیں۔

حسن یوسف، دم عیسیٰ، ید بیضا داری

آنچہ خوباں ہمہ دارند، تو تنہا داری

آپ کے والد جناب عبداللہ بن عبدالمطلب کے متعلق یہ بات تاریخ کے اوراق میں ضوفشاں ہے کہ ان کی پیشانی اور چہرے پر ایک غیر معمولی نور تھا جس کی چمک عرب کی دوشیزاؤں کو خیرہ و مسحور کر دیتی تھی۔ ختمی مرتبت کے والد گرامی قدر کو جب بھی کسی عورت نے غلط کام کی دعوت دی تو انھوں نے دو ٹوک انداز میں اس کا انکار فرما دیا۔ شادی کے بعد جب اپنی اہلیہ کے پاس گئے تو اگلے دن عورتوں نے ان کے چہرے اور پیشانی کے ظاہری حسن و جمال کے باوجود روشنی کی وہ چمک غائب پائی۔ نور مبین جو پشت در پشت چلا آ رہا تھا، اب بطنِ مادر میں منتقل ہو چکا تھا۔ اس عرصے میں سیدہ آمنہ نے بے شمار خرق عادت امور کا مشاہدہ کیا۔ یہ واقعات کسی حد تک ہم نے اپنی اس کتاب میں مدون کیے ہیں۔

اس احقر العباد نے جب ہوش سنبھالا تو سب سے پہلے اللہ اور اللہ کے رسول کا نام زبان پر آیا۔ یہ والدین کی تربیت اور گھر کے ماحول کا اثر تھا۔ جوں جوں شعور حاصل ہوتا گیا، آنحضرتؐ کی حیاتِ طیبہ کے واقعات سننے کی سعادت حاصل ہوتی رہی۔ آنحضرتؐ کی حیاتِ طیبہ کے بارے میں میری ابتدائی معلومات سماعی ہیں۔ میں اس وقت نہ لکھنا جانتا تھا، نہ پڑھنا۔ عمر یہی کوئی چار، پانچ سال ہوگی۔ تایا جان مرحوم کی زبانی ہر مجلس میں آنحضرتؐ کا تذکرہ سننے کو ملتا تو جی چاہتا کہ کبھی ان کی خدمت میں حاضر ہو کر ان کی قدم بوسی کروں۔ وقت گزرتا گیا حفظ قرآن کی تکمیل ہوئی اور اس عرصے میں یہ سماعی معلومات بڑھتی رہیں۔ یہ اللہ کا خاص احسان ہے کہ دیگر واقعات میں اکثر بھول جاتا تھا، مگر آنحضرتؐ اور آپ کے صحابہ کرام کے بارے میں سنے ہوئے واقعات ناموں کے ساتھ یاد رہ جاتے تھے۔ جب سکول میں داخل ہوا اور اردو پڑھنے کی مہارت حاصل ہوئی تو ابھی پرائمری ہی میں تھا کہ آنحضرتؐ کی سیرت سے متعلق اردو کتابیں پڑھنے لگا۔ بعض اوقات گرمیوں کی



دوپہروں میں رحمۃ للعالمینؐ از قاضی سلیمان سلمان منصور پوریؒ کے چالیس پچاس صفحات پورے غور و خوض کے ساتھ پڑھتا۔ اگر کسی بات کی سمجھ نہ آتی تو بزرگوں سے پوچھتا۔ وہ اس بات پر خوش ہوتے اور رہنمائی دیتے۔

اسی عرصے میں جب میں بہت چھوٹا تھا تو تایا جان نے حکم دیا کہ مسجد میں خطاب کیا کروں۔ میں نے کیا خطاب کرنا تھا، بس یہ ان کی ہدایت تھی، جس کی تعمیل کے لیے میں نے اپنے آپ کو پیش کر دیا۔ پنجابی زبان میں دس پندرہ منٹ گفتگو کرتا اور لوگ توجہ سے سنتے۔ گفتگو کے بعد جہاں جہاں میری زبان لڑکھرائی ہوتی یا میں کسی واقعہ کو اس کے صحیح تناظر میں بیان نہ کر پاتا تو اس کی تصحیح کی جاتی۔ یہ دراصل تربیت کا وہ پہلو تھا، جس کی اہمیت بہت بعد میں مجھے معلوم ہوئی۔ رحمۃ للعالمینؐ کی پہلی جلد بار بار پڑھنے کے بعد سیرت پر حضرت مولانا نعیم صدیقی مرحوم کی کتاب محسنِ انسانیت میری رہنمائی کا ذریعہ بنی۔ اس کتاب کو پڑھنے کے دوران میرے دل میں یہ خواہش پیدا ہوئی کہ کاش میں بھی اپنے آقا کی سیرت پر کچھ لکھ سکوں۔ میں اپنے آپ سے خود ہی کہتا کہ یہ خواہش تو اچھی ہے مگر ”کیا پدی اور کیا پدی کا شور بہ“! بہر حال یہ میں اپنی دل کی کیفیتیں بلا تکلف عرض کر رہا ہوں۔ آپ سوچ رہے ہوں گے کہ یہ کوئی خواب ہے یا حقیقت، تو عرض ہے کہ آپ خواب بھی سمجھ سکتے ہیں جس کی تعبیر محض اللہ کی خصوصی رحمت اور مخلص احباب اور والدین مرحومین کی دعاؤں سے ممکن ہو سکی۔

کالج اور یونیورسٹی کے زمانے میں مولانا شبلی نعمانی اور مولانا سید سلیمان ندوی کی کتاب سیرت النبویؐ تفصیلاً پڑھنے کا موقع ملا۔ جب یونیورسٹی ہاسٹل میں تھا تو اکثر راتوں میں بیشتر وقت سیرت کی ورق گردانی میں گزر جاتا۔ سیرت آقائے دو جہاں پر کچھ لکھنے سے پہلے سوچا کہ آنحضرتؐ کے صحابہ پر مضامین لکھنے سے آغاز کیا جائے۔ پہلا مضمون حضرت زید بن حارثہؓ پر لکھا۔ یہ ہفت روزہ آئین میں چھپا اور آئین کے مدیر، مرد درویش جناب مظفر بیگ صاحبؒ نے مربیانہ شفقت کے ساتھ حوصلہ افزائی کی کہ یہ سلسلہ بہت ایمان افروز ہوگا، اسے جاری رکھا جائے۔ ان کی ترغیب



پر جو مضامین کا سلسلہ شروع ہوا، وہ میری پہلی کتاب روشنی کے مینار کی صورت میں منظر عام پر آیا۔ اس کے بعد مختلف موضوعات پر کچھ نہ کچھ لکھا، لیکن دل میں ہمیشہ خواہش یہی تھی کہ کچھ ٹوٹی پھوٹی کاوش کر کے اس جماعت میں شامل ہو جاؤں، جو روز قیامت آنحضور کے سیرت نگاروں اور مدح خوانوں پر مشتمل ہوگی۔

کام بڑا نازک اور مشکل تھا۔ عشق اپنی جگہ مگر احترام کے تقاضے اتنے عظیم اور نازک کہ سوچتا کہیں لغزش نہ کر جاؤں۔ بہر حال اللہ نے دل میں یہ بات ڈالی کہ نیت صاف اور پیش نظر اللہ کی رضا رکھو تو اللہ کی رحمت سے بعید نہیں کہ مصر کی اس خاتون کی طرح جو سوت کی اٹی لے کر خریدارانِ یوسف میں شامل ہو گئی تھی، تم بھی عاشقانِ رسول کی صف میں شمار ہو جاؤ۔ اپنے ذوق کے مطابق پہلے آنحضور کی حیاتِ طیبہ کے جہادی پہلو پر قلم اٹھایا۔ اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ پہلی جلد ۲۰ مئی ۱۹۹۱ء کو منظر عام پر آئی اور پانچویں جلد دسمبر ۲۰۱۵ء میں طبع ہوئی۔ یوں یہ کام ربع صدی میں دیگر مصروفیات کے ساتھ ساتھ پایہ تکمیل کو پہنچا۔ الحمد للہ علی ذلک۔

میں نے پانچویں جلد کی تکمیل پر اپنی اس تمنا کا ذکر کیا تھا کہ اللہ نے توفیق دی تو مکی دور پر بھی کچھ لکھوں۔ جلد پنجم میں عرض مصنف کے تحت میں نے بیم ورجا کے عالم میں لکھا تھا: ”اب دل کے اندر ایک آرزو ہے کہ ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وسلم کی مکی حیاتِ طیبہ پر مختصر انداز میں ایک ہی جلد میں سب اہم واقعات مرتب کر دوں۔ اللہ ہی جانتا ہے کہ یہ آرزو پوری ہو سکے گی یا نہیں۔ احباب سے دعاؤں کی درخواست ہے۔ اللہ کرے میری یہ کاوش جو مدنی دور کے بارے میں کی گئی ہے، رب العزت کی بارگاہِ عالیہ اور حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے دربارِ اقدس میں قبول فرمائی جائے۔ یہی اصل کامیابی ہوگی۔ وَمَا ذَلِكْ عَلَى اللَّهِ بِعَزِيزٍ۔ وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيمِ۔“

اللہ کا نام لے کر ۲۰۱۶ء کے وسط میں کام کا آغاز کر دیا۔ جسمانی و ذہنی کمزوری اور بے پناہ دیگر مصروفیات کے درمیان جو بھی وقت نکلتا، اسے اسی کام کے لیے وقف کر دیا۔ جب آنحضور صلی



اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے مآخذ قرآن مجید، حدیث مبارکہ اور سیرت کی کتابوں کی ورق گردانی کی تو بچپن میں سنے ہوئے واقعات کا منظر بھی تازہ ہوتا رہا۔ سیرت کی تمام امہات، سیرت ابن ہشام، طبقات ابن سعد، البدایہ والنہایہ، طبری، اسد الغابہ، الاصابہ، زاد المعاد، سیرت الحلبيہ، سیرت النبیؐ (شبلی نعمانی و سید سلیمان ندوی)، رحمۃ للعالمین اور دیگر کتب کی ورق گردانی میں بہت محنت صرف کرنا پڑی۔ مگر ہر قدم پر ایک عجیب لطف محسوس ہوتا، کیوں کہ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت سے متعلقہ ہر واقعہ ایمان کی بالیدگی کا ذریعہ بنتا رہا۔

الحمد للہ چھ سو صفحات کے لگ بھگ برقی کتابت کی صورت میں مسودہ مارچ ۲۰۱۷ء میں تیار ہو گیا۔ اس پر مشاورت میں طے پایا کہ کتاب کو دو حصوں میں تقسیم کیا جائے، کیوں کہ فہرست اور پیش لفظ و تقدیم کے علاوہ ایڈیٹنگ کے دوران کچھ اضافے ممکن ہیں۔ اس طرح ایک جلد میں کتاب کی ضخامت زیادہ ہو جائے گی۔ اب اس کے مطابق کتاب کی پہلی جلد نظر ثانی کے بعد طباعت کے لیے بھیجی جا رہی ہے۔ کتاب کی تیاری میں ادارے کے تمام احباب نے اپنے اپنے انداز میں کافی تعاون کیا ہے۔ کمپوزنگ کا بیشتر کام برادر محمد صدیق اور بعض حصوں کا ساجد خان نے کیا۔ راقم اپنے نوٹس اور کتب حوالہ جات کی مدد سے بولتا جاتا اور یہ حضرات ساتھ ساتھ کمپوز کرتے جاتے۔ بعد میں مسودے پر رات کو نظر ثانی اور حذف و اضافے کا کام کیا جاتا۔ الحمد للہ ایک مشکل منزل اللہ کی خصوصی رحمت اور محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے اسم گرامی کی برکات سے سر ہوئی۔

استاد گرامی قدر حضرت مولانا عبدالملک دامت برکاتہم العالیہ نے حسب سابق اس مرتبہ بھی سرپرستی فرماتے ہوئے کتاب کا دیباچہ لکھا، جو ہمارے لیے ایک اعزاز ہے۔ کتاب کی تقدیم برادر مکرم جناب مولانا پروینسر محمد ابراہیم مدظلہ العالی (نائب امیر جماعت اسلامی پاکستان) نے رقم کی، جس کے لیے ہم ان کے تہہ دل سے شکر گزار ہیں۔ اس کتاب پر برادر عزیز جناب حافظ



ساجد انور صاحب نائب قیم جماعت اسلامی پاکستان نے تقریظ لکھی ہے۔ حافظ صاحب خود اچھے لکھاری بن سکتے ہیں، اگر وہ پوری توجہ کے ساتھ یہ کام شروع کر دیں۔ ہم ان کے شکر گزار ہیں کہ انھوں نے اس سے قبل بھی ہماری کتاب رسول رحمت تلواروں کے سائے میں جلد پنجم پر ”حرفے چند“ کے عنوان سے اپنی تحریر ارسال فرمائی تھی۔ اللہ تعالیٰ ان تمام اہل علم کو صحت و عافیت کے ساتھ دین حق کی خدمت کی توفیق عطا فرمائے۔

ہم نے اس کتاب میں سیرت طیبہ کے تناظر میں چند نقشے بھی شامل کیے ہیں جو اٹلس سیرت نبویؐ از ڈاکٹر شوقی ابو خلیل مطبوعہ دارالسلام سے لیے گئے ہیں۔ امید ہے یہ قارئین کی دل چسپی اور معلومات میں اضافے کا باعث ہوں گے۔ اس موقع پر ادارہ معارف اسلامی کے تمام رفقا خصوصی شکرے کے مستحق ہیں کہ ان کا تعاون ہر قدم پر حاصل رہا۔ خاص طور پر کمپوزنگ میں محمد صدیق اور ساجد خان، حروف خوانی میں شیخ افتخار احمد اور چودھری علی احمد، بعض حوالہ جات کی تلاش میں مولانا گل زادہ شیرپاؤ، طباعت کے کام میں محمد انور گوندل صاحبان کی خدمات باعث تشکر ہیں۔ اللہ تعالیٰ سب کو بہترین اجر عطا فرمائے۔ تمام احباب گرامی سے گزارش ہے کہ جہاں کہیں کوئی تسامح محسوس کریں، ہمیں ضرور مطلع فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو رسول رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش پا پر چلنے کی سعادت عطا فرمائے۔

در دل مسلم مقام مصطفیٰؐ است

آبروئے ما ز نام مصطفیٰؐ است

حافظ محمد ادریس

نائب امیر جماعت اسلامی پاکستان

ڈائریکٹر ادارہ معارف اسلامی، منصورہ، لاہور





حصہ اول

تمہیدی مباحث



## دیارِ عرب

### نسبتِ عالیہ کا کمال

مکان کی اہمیت مکیں سے ہوتی ہے۔ جب کبھی بھی رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پر کسی نے قلم اٹھایا ہے تو آپ کے مقامِ رفیع سے نسبت کی وجہ سے اس دیار کو بھی اہمیت ملی ہے جو کافی حد تک بظاہر غیر اہم اور غیر آباد علاقہ شمار ہوتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے چٹیل پہاڑوں اور خشک ریگزاروں کے مقدر یوں چمکائے کہ پوری دنیا کی خوب صورت وادیاں اور دل ربا مناظر اس کے سامنے ہیج ہو کر رہ گئے۔ اس علاقے کو اللہ کے آخری نبی اور پوری مخلوق میں رب کائنات کے سب سے محبوب بندے جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا مولد و مسکن ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ اس علاقے پر لکھنے والوں نے جو کچھ لکھا وہ دراصل آپ ہی کی عظمت و شان کا مرہون منت ہے۔ آپ کی نسبت نے ذروں کے مقدر چمکا دیے اور بے حیثیت شتر بانوں کو دنیا کا رہبر و امام بھی بنا دیا۔ آپ کی زبان عربی مبین میں آخری کتاب نازل فرمائی جو قیامت تک غیر متبدل اور زندہ معجزہ بن کر روشنی بکھیرتی رہے گی۔

سرزمینِ عرب پر قدیم و جدید مورخین و مصنفین نے بہت کچھ لکھا ہے۔ علامہ شبلی نعمانی نے اپنی معرکہ آرا کتاب سیرۃ النبی کے پہلے حصے میں اس موضوع کو خوب نبھایا ہے۔ ہم ان کی تصنیف کے علاوہ طبقات ابن سعد، سیرت ابن ہشام، البدایۃ والنہایۃ سے استفادہ کرتے ہوئے کچھ حذف و اضافے کے ساتھ دیارِ عرب اور اس میں بسنے والی اقوام و قبائل کا تعارف نذر قارئین کر رہے ہیں۔ یہ طویل تاریخی بیانیوں کا خلاصہ ہے، اس لیے اگر اس میں قارئین تشنگی محسوس کریں تو ان سے معذرت خواہ ہیں۔



## عرب کی وجہ تسمیہ

عرب کی وجہ تسمیہ کے متعلق مختلف آرا پائی جاتی ہیں، اہل لغت کہتے ہیں کہ عرب اور اعراب کے معنی فصاحت اور زبان آوری کے ہیں اور چونکہ اہل عرب اپنی زبان آوری کے سامنے تمام دنیا کو ہیچ سمجھتے تھے، اس لیے انہوں نے اپنے آپ کو ”عرب“ اور دنیا کی باقی تمام قوموں کو عجم (ژولیدہ بیان) یعنی گونگے کہہ کر پکارا۔

بعض اہل علم و ماہرین لغت کی رائے ہے کہ عرب اصل میں عربہ تھا، قدیم اشعار میں عرب کے بجائے عربہ آیا ہے۔

ورجت باحة العربات رجًا  
ترفرق فی مناكبها الدماء  
و عربة ارض جدّ فی الشر اهلها  
كما جدّ فی شرب النقاخ ظماء  
وعربة ارض ما يحل حرامها  
من الناس الا اللوذعی الحلاحل

سرزمین عرب کے میدان تھر تھرا اُٹھے کہ اس کے اطراف و جوانب میں خون کی ندیاں بہ رہی ہیں۔

سرزمین عرب کے باسی برائی میں ایسے جری [اور اس کے شوقین ہو گئے ہیں] جیسے پیاسے لوگ ٹھنڈے میٹھے پانی کو شوق سے پیتے ہیں۔

سرزمین عرب کی حرمت کو کوئی حلت میں نہیں بدل سکتا، سوائے اس کے جو خطرناک حد تک، باغی، سرکش و شاطر اور تیز و طرار ہو۔

## عرب کا محل وقوع

قدیم تاریخی ماخذ کے بعد گزشتہ صدی کے سیرت نگاروں کے درمیان مولانا شبلی نعمانی کا



ذوقِ تحقیق قابلِ داد ہے۔ انھوں نے اس موضوع پر جو تحقیق کی ہے وہ محض قدیم مسلم تاریخ دانوں اور سیرت نگاروں تک ہی محدود نہیں انھوں نے دورِ جدید اور عالمِ مغرب کے مصنفین اور محققین استشراق سے بھی خوب استفادہ کیا ہے۔ انھوں نے ان شخصیات کے حوالہ جات دیتے ہوئے عالمانہ اور ناقدانہ نظر سے نتائج اخذ کیے ہیں۔ ان کی تحقیق کے مطابق عرب کے مغرب میں بحیرہٴ قلزم، مشرق میں خلیج فارس، جنوب میں بحر ہند ہے جبکہ شمالی حدود کے بارے میں بہت مختلف و متنوع آرا پائی جاتی ہیں۔ بعض مورخین مملکتِ حلب اور فرات تک اس کی حدود کو وسعت دیتے ہیں۔ سینا کا جزیرہ نما، جس کا نام التیہ ہے، اکثر مصنفین عرب و یورپ اس کو مصر میں شمار کرتے ہیں، جیالوجی کے اعتبار سے وہ اپنی خصوصیات کی وجہ سے عرب میں شامل ہوتا ہے۔

### ریگستانی پہاڑ اور برفانی چوٹی

عرب کا بیش تر حصہ ریگستانی اور خشک ہے، پہاڑوں کا جال تمام عرب میں پھیلا ہوا ہے۔ اکثر پہاڑ خشک اور چٹیل ہیں، جبکہ بہت کم ایسے ہیں جن پر کوئی روئیدگی نظر آتی ہے۔ سب سے بڑا اور طویل پہاڑی سلسلہ جبل السراة ہے، جو یمن سے شروع ہو کر شمال میں شام تک چلا گیا ہے۔ اس کی سب سے اونچی چوٹی آٹھ ہزار فٹ بلند اور بہت سرد ہے [اس پر سردیوں میں برف بھی پڑتی ہے، جو گرمیوں میں بھی پوری طرح نہیں پگھل پاتی]۔ اس خطہٴ زمین کے بعض حصے زرخیز اور شاداب ہیں۔ چاندی اور سونے کی کانوں کے علاوہ دیگر مختلف معدنیات کثرت سے ہیں۔ علامہ ہمدانی نے صفة جزیرة العرب میں ایک ایک کان کا محل وقوع اور حدود اربعہ واضح کر کے اس کی نشاندہی کی ہے۔ قریش کا ذریعہٴ معاش تجارت اور کاروبار تھا۔ وہ یوں تو مختلف اشیاء کی تجارت کیا کرتے تھے، مگر مورخین نے لکھا ہے کہ زیادہ تر قریش کا مال تجارت چاندی ہوتی تھی۔ برٹن نے مدین کی طلائی کانوں پر ایک خاص کتاب *Gold Mines of Median* لکھی ہے۔

ماخذ تاریخ

اسلام سے قبل عرب تاریخ کے حسب ذیل ماخذ ہیں:







۱- زمانہ جاہلیت کی بعض تصنیفات، جو یمن کے حکمرانوں یعنی سلاطین حیرہ کے کتب خانے میں محفوظ تھیں اور جو ابن ہشام کے ہاتھ آئیں اور جن کا ذکر علامہ موصوف نے اپنی کتاب التیجان میں کیا ہے۔

۲- زبانی روایات و حکایات جو زمانہ قدیم سے نسلاً بعد نسل منتقل ہوتی چلی آتی تھیں، عربوں کا حافظہ نہایت ہی قوی تھا، یہاں تک کہ آج اشعارِ جاہلیت کا جو وسیع ذخیرہ موجود ہے، اسلام کے زمانے تک زبانی ہی روایت ہوتا چلا آیا ہے۔ اس بنا پر عرب کی تاریخ کا کافی سرمایہ محفوظ تھا۔ عرب کی جو قومیں معدوم ہو چکی ہیں، مثلاً طسم، جدیس، عاد، ثمود ان کے متعلق بھی اس قدر تاریخی روایات محفوظ تھیں کہ ان کے ذریعے سے مورخین اسلام نے عرب کی تاریخ قدیم پر متعدد تصانیف مرتب کیں۔ مثلاً ہشام کلبی نے طسم، جدیس، تباعہ یمن اور دیگر سلاطین عرب پر کتب لکھیں۔ جن کا ذکر ابن الندیم نے اپنی معروف کتاب الفہرست صفحہ ۹۶ پر کیا ہے۔

۳- اشعارِ جاہلیت، جن میں اکثر سلاطین، اقوام اور عماراتِ عرب کا ذکر ہے۔ یہ اشعار صفة جزیرۃ العرب اور معجم البلدان میں کثرت سے موجود ہیں۔ انھی قدیم ماخذ سے علامہ ہمدانی نے اپنی کتاب اکلیل مرتب کی ہے، جس کا آٹھواں باب خاص سلاطین حمیر کے آثارِ قدیمہ اور حمیری کتبات پر مشتمل ہے۔

### اقوام و قبائل

عمومی طور پر مورخین نے عرب اقوام و قبائل عرب کو تین حصوں پر منقسم کیا ہے:

- ۱- عرب باندہ: یعنی عرب کے قدیم ترین قبائل جو اسلام سے بہت پہلے فنا ہو چکے تھے۔
- ۲- عرب عاربہ: بنو قحطان جو عرب باندہ کے بعد عرب کے اصلی باشندے شمار ہوتے ہیں اور جن کا اصل مسکن ملک یمن تھا۔
- ۳- عرب مستعربہ: بنو اسماعیل یعنی حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد جو جدی لحاظ سے عراق یا



فلسطین [یا مصر] سے تعلق رکھتے تھے کیونکہ ان کے جد امجد سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا مولد عراق اور مسکن فلسطین و شام قرار پایا۔ ننھیال کے لحاظ سے ان عربوں کا ناطہ مصر سے جا ملتا ہے جو حضرت اسماعیل علیہ السلام کی والدہ سیدہ ہاجرہ کا آبائی علاقہ تھا۔ یہ پوری قوم یعنی آل اسماعیل خطہ حجاز میں آباد تھی۔

ظہور اسلام کے وقت بنو قحطان اور بنو اسماعیل جن کو مورخین عدنانی قبائل بھی کہتے ہیں، ملک کے اصلی باشندے تھے اور ان کے علاوہ خال خال یہودیوں کی آبادی تھی۔ اس بنا پر درحقیقت ملک عرب اس وقت تین مختلف عناصر سے مرکب تھا۔ ہر عنصر کا قوام بے شمار قبائل و فروع سے تھا، جو یمن سے شام تک ہر قطعہ زمین میں پھیلے ہوئے تھے، ان کی پھر مختلف چھوٹی چھوٹی شاخیں تھیں۔ چونکہ سیرت کے تذکروں میں اکثر ان کے نام آتے ہیں، اس بنا پر قارئین کی دل چسپی اور معلومات کے لیے ایک مختصر خاکہ درج ذیل ہے۔

### بنو قحطان

اس خاندان کی تین بڑی شاخیں ہیں۔ قضاعہ، کہلان اور ازد۔ حمیر بھی اسی کی شاخ ہے جو یمن کے فرماں روا تھے لیکن یہاں بیان کردہ واقعات کو ان سے یا ان کی حکمرانی سے کوئی تعلق نہیں۔

۱- قضاعہ کو عام علمائے انساب بنو قحطان میں داخل کرتے ہیں اور ہم بھی یہاں ان کی پیروی کرتے ہیں، ورنہ ازروئے تحقیق وہ بنو اسماعیل ہیں، بہر حال ان کی حسب ذیل شاخیں ہیں۔ بنو کلب، بنو تنوع، بنو جرم، بنو جہینہ، بنو نہد، بنو عذرہ، بنو اسلم، بلی، سلح، ضججہم، تغلب، نمر، اسد، تیم اللات۔

۲- کہلان میں درج ذیل قبائل شامل ہیں: بجیلہ، نخعم، ہمدان، مذحج، طے، لخم، جذام، عاملہ۔

۳- ازد میں اوس، خزرج، خزاعہ، غسسان، دوس شامل ہیں۔

مشہور عدنانی قبائل جن کا آخری مقسم مضر ہے، حسب ذیل ہیں، قبائل مضر اولاً بنو خندف



اور بنوقیس دو خاندانوں پر منقسم ہیں۔

خندف میں ہذیل، کنانہ، اسد، ضبہ، مزینہ، رباب، تمیم، ہون شامل ہیں۔ ان میں سے ہر ایک کے متعدد فروع ہیں۔

کنانہ : قریش، دول

ہون : قارہ

رباب : عدی، تیم، عکل، ثور

تمیم : مقاعس، قریح، بہدلہ، یوبوع، رباح، ثعلبہ، کلیب

بنوقیس میں عدوان، غطفان، اعصر، سلیم، ہوازن کے نام آتے ہیں۔ ان میں بعض کے

فروع یہ ہیں:

غطفان : عبس، ذبیان، فزارہ، مرہ

اعصر : غنی، باہلہ

ہوازن : سعد، نصر، حیثم، ثقیف، سلول، بنوعامر

(بنوعامر کی شاخیں بنو ہلال، بنونمیر، بنوکعب ہیں)

ان قبائل کے علاوہ جزیرہ نمائے عرب میں یہود کے تین قبائل آباد تھے، جن میں بنوقینقاع،

بنونضیر، بنوقریظہ شامل ہیں۔

قدیم عرب حکومتیں

کتبوں اور دیگر مورخین کی تصریحات سے جو کچھ ثابت ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ اسلام سے پہلے

عرب میں پانچ متمدن سلطنتیں گزریں۔

معین ۱- معین یمن میں ایک مقام کا نام ہے، جو کسی زمانے میں سلطنت کا پایہ تخت

تھا۔ اسی کی نسبت سے انھیں معینی کہا جاتا ہے۔

یعنی قوم سبا۔

۲- سبائی



- ۳- حضرت موتی، یمن کا مشہور مقام۔  
 ۴- قتبانی، قتبان، عدن میں ایک مقام ہے، جو آج کل گننام ہے۔  
 ۵- نابتی، حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ایک بیٹے کا نام نابت تھا، یہ سلسلہ انہی کی طرف منسوب ہے۔

معینی سلطنت، جنوبی عربستان میں تھی، اس کے صدر مقامات قرن اور معین تھے، کتبوں سے تقریباً پچاس حکمرانوں کا پتا چلتا ہے۔ محققین یورپ میں اختلاف ہے کہ معینی اور سبائی حکومتیں ہم زمان تھیں یا متقدم و متاخر، گلازر کا خیال ہے کہ معینی حکومت بہت متقدم ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پندرہ سو برس قبل موجود تھی، لیکن مولر کا بیان ہے کہ کوئی معینی کتبہ آٹھ سو برس قبل مسیح سے پہلے کا نہیں ملتا، اس بنا پر سبائی اور معینی دونوں ہم عصر ہیں۔

سبائی دور جیسا کہ کتبوں سے ثابت ہوتا ہے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے سات سو برس قبل ہے، اس سلطنت کا پایہ تخت مآرب تھا، اس زمانے کے سنگی کتبے بہ کثرت موجود ہیں، حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ایک سو پندرہ برس قبل تک اس حکومت کا پتا چلتا ہے، اس دور کے بعد خمیر کا زمانہ ہے، خمیر نے مآرب پر قبضہ کر کے اس کو پایہ تخت بنا لیا۔

### رومیوں کا عبرت ناک انجام

قریباً ۱۱۵ قبل مسیح میں خمیر نے سبائی حکومت پر قبضہ کر لیا۔ کتبوں سے ثابت ہوتا ہے کہ خمیر میں چھبیس فرماں روا گزرے۔ خمیر کے بعض کتبوں میں سنہ و سال بھی کندہ ہے، ان کے عہد حکومت میں رومی سلطنت نے عرب میں مداخلت کرنے کی کوشش کی تھی، لیکن یہ کوشش پہلی بھی تھی اور آخری بھی۔ رومی حکمران اے لیس گالس، جس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ۸۱ برس قبل عرب پر چڑھائی کی تھی، بالکل ناکام رہا۔ اس کے رہبر دغا بازی کر کے اس کو صحرا میں لے گئے اور ریگستان میں پہنچ کر اس کا سارا لشکر تباہ ہو گیا۔

(حوالے کے لیے کتاب کا لنک: <https://archive.org/details/literaryhistoryo00nichrich>)







## حبشہ کا عروج

بعض روایات کے مطابق خمیر نے یہودی مذہب قبول کر لیا تھا۔ اسی زمانے کے قریب عیسائی مذہب کے پیروکار حبشیوں نے عرب کے جنوب میں حکومت قائم کرنی شروع کی اور ایک زمانے میں خمیریوں کو شکست دے کر اپنی مستقل حکومت قائم کر لی۔ اس عہد کے کتبوں میں سے ایک کتبہ جو آج کل ہاتھ آیا ہے اس پر یہ الفاظ کندہ ہیں۔

رحمان، مسیح اور القدس کی قدرت و فضل و رحمت سے اس یادگاری پتھر پر ابرہہ نے کتبہ لکھا جو بادشاہ حبش اراحمیس ذبی مان کا نائب الحکومت ہے۔

## ذوالقرنین

سبا اور خمیر کی عظمت اور اقتدار اور وسعت فتوحات کی روایتیں عرب میں اس قدر متواتر ہیں کہ ان کے قدر مشترک سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ اشعار میں بھی کثرت سے واقعات مذکور ہیں۔ عربوں کے خیال کے موافق سلاطین خمیر نے ایران کے انتہائی اہم مقامات فتح کر لیے تھے۔ ذوالقرنین، جس کو عوام سکندر کہتے ہیں، اہل عرب کے نزدیک اسی خمیری خاندان کا فرماں روا تھا۔ شاہنامہ میں مذکور ہے کہ کیکاؤس کو شاہ ہاماوران نے گرفتار کر لیا تھا۔ علامہ ثعالبی نے تاریخ ایران میں (جو اب یورپ میں چھپ کر شائع ہو گئی ہے) لکھا ہے کہ یہ ہاماوران خمیر کا بادشاہ تھا اور ہاماوران دراصل وہی عربی لفظ خمیر ہے۔ علامہ موصوف نے یہ بھی لکھا ہے کہ سودا یہ جو کیکاؤس کی بیوی تھی اور فردوسی کے بیان کے موافق سیاوش پر عاشق ہو گئی تھی، اسی خمیری بادشاہ کی بیٹی تھی۔ اس کا اصلی نام سعدی تھا۔ ایرانیوں نے اپنے تلفظ میں اس کو سواد یہ کر لیا تھا۔

ذوالقرنین کے متعلق اصل اور حقیقی واقعات قرآن میں بیان کیے گئے ہیں جو اس تاریخی داستان سے قدرے مختلف ہیں۔ تفصیل کے لیے دیکھیے تفہیم القرآن، تفسیر سورہ الکہف، جس میں مولانا مودودی نے نہایت علمی انداز میں تاریخی حقائق بیان کیے ہیں۔ وہ تحریر فرماتے ہیں:



یہ مسئلہ قدیم زمانے سے اب تک مختلف فیہ رہا ہے کہ یہ ”ذوالقرنین“ جس کا یہاں ذکر ہو رہا ہے، کون تھا۔ قدیم زمانے میں بالعموم مفسرین کا میلان سکندر کی طرف تھا، لیکن قرآن میں اس کی جو صفات و خصوصیات بیان کی گئی ہیں وہ مشکل ہی سے سکندر پر چسپاں ہوتی ہیں۔ جدید زمانے میں تاریخی معلومات کی بنا پر مفسرین کا میلان زیادہ تر ایران کے فرماں روا خورس (خسرو یا سائرس) کی طرف ہے، اور یہ نسبتاً زیادہ قرین قیاس ہے، مگر بہر حال ابھی تک یقین کے ساتھ کسی شخصیت کو اس کا مصداق نہیں ٹھہرایا جاسکتا۔

قرآن مجید جس طرح اس کا ذکر کرتا ہے اس سے ہم کو چار باتیں وضاحت کے ساتھ معلوم ہوتی ہیں:

(۱) اس کا لقب ذوالقرنین (لغوی معنی ”دو سینگوں والا“) کم از کم یہودیوں میں، جن کے اشارے سے کفار مکہ نے اس کے بارے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا تھا، ضرور معروف ہونا چاہیے۔ اس لیے لامحالہ ہمیں یہ معلوم کرنے کے لیے اسرائیلی لٹریچر کی طرف رجوع کرنا پڑے گا کہ وہ ”دو سینگوں والے“ کی حیثیت سے کس شخصیت یا سلطنت کو جانتے تھے۔

(۲) وہ ضرور کوئی بڑا فرماں روا اور فاتح ہونا چاہیے جس کی فتوحات مشرق سے مغرب تک پہنچی ہوں، اور تیسری جانب شمال یا جنوب میں بھی وسیع ہوئی ہوں۔ ایسی شخصیتیں نزول قرآن سے پہلے چند ہی گزری ہیں اور لامحالہ انھی میں سے کسی میں اس کی دوسری خصوصیات ہمیں تلاش کرنی ہوں گی۔

(۳) اس کا مصداق ضرور کوئی ایسا فرماں روا ہونا چاہیے جس نے اپنی مملکت کو یا جوج و ماجوج کے حملوں سے بچانے کے لیے کسی پہاڑی درے پر ایک مستحکم دیوار بنائی ہو۔ اس علامت کی تحقیق کے لیے ہمیں یہ بھی معلوم کرنا ہوگا کہ یا جوج و ماجوج سے مراد کون سی قومیں ہیں،



یہ مسئلہ قدیم زمانے سے اب تک مختلف فیہ رہا ہے کہ یہ ”ذوالقرنین“ جس کا یہاں ذکر ہو رہا ہے، کون تھا۔ قدیم زمانے میں بالعموم مفسرین کا میلان سکندر کی طرف تھا، لیکن قرآن میں اس کی جو صفات و خصوصیات بیان کی گئی ہیں وہ مشکل ہی سے سکندر پر چسپاں ہوتی ہیں۔ جدید زمانے میں تاریخی معلومات کی بنا پر مفسرین کا میلان زیادہ تر ایران کے فرماں روا خورس (خسرو یا سائرس) کی طرف ہے، اور یہ نسبتاً زیادہ قرین قیاس ہے، مگر بہر حال ابھی تک یقین کے ساتھ کسی شخصیت کو اس کا مصداق نہیں ٹھہرایا جاسکتا۔

قرآن مجید جس طرح اس کا ذکر کرتا ہے اس سے ہم کو چار باتیں وضاحت کے ساتھ معلوم ہوتی ہیں:

(۱) اس کا لقب ذوالقرنین (لغوی معنی ”دو سینگوں والا“) کم از کم یہودیوں میں، جن کے اشارے سے کفار مکہ نے اس کے بارے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا تھا، ضرور معروف ہونا چاہیے۔ اس لیے لامحالہ ہمیں یہ معلوم کرنے کے لیے اسرائیلی لٹریچر کی طرف رجوع کرنا پڑے گا کہ وہ ”دو سینگوں والے“ کی حیثیت سے کس شخصیت یا سلطنت کو جانتے تھے۔

(۲) وہ ضرور کوئی بڑا فرماں روا اور فاتح ہونا چاہیے جس کی فتوحات مشرق سے مغرب تک پہنچی ہوں، اور تیسری جانب شمال یا جنوب میں بھی وسیع ہوئی ہوں۔ ایسی شخصیتیں نزول قرآن سے پہلے چند ہی گزری ہیں اور لامحالہ انھی میں سے کسی میں اس کی دوسری خصوصیات ہمیں تلاش کرنی ہوں گی۔

(۳) اس کا مصداق ضرور کوئی ایسا فرماں روا ہونا چاہیے جس نے اپنی مملکت کو یا جوج و ماجوج کے حملوں سے بچانے کے لیے کسی پہاڑی درے پر ایک مستحکم دیوار بنائی ہو۔ اس علامت کی تحقیق کے لیے ہمیں یہ بھی معلوم کرنا ہوگا کہ یا جوج و ماجوج سے مراد کون سی قومیں ہیں،



اور پھر یہ بھی دیکھنا ہوگا کہ ان کے علاقے سے متصل کون سی ایسی دیوار کبھی دنیا میں بنائی گئی ہے اور وہ کس نے بنائی ہے۔

(۴) اس میں مذکورہ بالا خصوصیات کے ساتھ ایک یہ خصوصیت بھی پائی جانی چاہیے کہ وہ خدا پرست اور عادل فرماں روا ہو، کیونکہ قرآن یہاں سب سے بڑھ کر اس کی اسی خصوصیت کو نمایاں کرتا ہے۔

ان میں سے پہلی علامت آسانی کے ساتھ خورس پر چسپاں کی جاسکتی ہے، کیونکہ بائبل کے صحیفہ دانی ایل میں دانیال نبی کا جو خواب بیان کیا گیا ہے اس میں وہ یونانیوں کے عروج سے قبل میڈیا اور فارس کی متحدہ سلطنت کو ایک مینڈھے کی شکل میں دیکھتے ہیں جس کے دو سینگ تھے۔ یہودیوں میں اس ”دوسینگوں والے“ کا بڑا چرچا تھا کیونکہ اسی کی ٹکر نے آخر کار بابل کی سلطنت کو پاش پاش کیا اور بنی اسرائیل کو اسیری سے نجات دلائی۔

دوسری علامت بڑی حد تک اس پر چسپاں ہوتی ہے، مگر پوری طرح نہیں۔ اس کی فتوحات بلاشبہ مغرب میں ایشیائے کوچک اور شام کے سواحل تک اور مشرق میں باختر (بلخ) تک وسیع ہوئیں، مگر شمال یا جنوب میں اس کی کسی بڑی مہم کا سراغ ابھی تک تاریخ سے نہیں ملا، حالانکہ قرآن صراحت کے ساتھ ایک تیسری مہم کا بھی ذکر کرتا ہے۔ تاہم اس مہم کا پیش آنا بعید از قیاس نہیں ہے، کیونکہ تاریخ کی رو سے خورس کی سلطنت شمال میں کاکیشیا (قفقاز) تک وسیع تھی۔

تیسری علامت کے بارے میں یہ تو قریب قریب متحقق ہے کہ یاجوج و ماجوج سے مراد روس اور شمالی چین کے وہ قبائل ہیں جو تاتاری منگولی، ہن اور سیلتھین وغیرہ ناموں سے مشہور ہیں اور قدیم زمانے سے متمدن ممالک پر حملے کرتے رہے ہیں۔ نیز یہ بھی معلوم ہے کہ ان کے حملوں سے بچنے کے لیے قفقاز کے جنوبی علاقے میں در بند اور دریال کے



استحکامات تعمیر کیے گئے تھے۔ لیکن یہ ابھی تک ثابت نہیں ہو سکا کہ خورس ہی نے یہ استحکامات تعمیر کیے تھے۔

آخری علامت قدیم زمانے کے معروف فاتحوں میں اگر کسی پر چسپاں کی جاسکتی ہے تو وہ خورس ہی ہے کیونکہ اس کے دشمنوں تک نے اس کے عدل کی تعریف کی ہے اور بابل کی کتاب عزرا اس بات پر شاہد ہے کہ وہ ضرور ایک خدا پرست اور خدا ترس بادشاہ تھا جس نے بنی اسرائیل کو ان کی خدا پرستی ہی کی بنا پر بابل کی اسیری سے رہا کیا اور اللہ وحدہ لا شریک کی عبادت کے لیے بیت المقدس میں دوبارہ ہیكل سلیمانی کی تعمیر کا حکم دیا۔

اس بنا پر ہم یہ تو ضرور تسلیم کرتے ہیں کہ نزول قرآن سے پہلے جتنے مشہور فاتحین عالم گزرے ہیں ان میں سے خورس کے اندر ”ذوالقرنین“ کی علامات زیادہ پائی جاتی ہیں، لیکن تعین کے ساتھ اس کو ذوالقرنین قرار دینے کے لیے ابھی مزید شہادتوں کی ضرورت ہے۔ تاہم دوسرا کوئی فاتح قرآن کی بتائی ہوئی علامات کا اتنا بھی مصداق نہیں ہے جتنا خورس ہے۔ تاریخی بیان کے لیے صرف اتنا ذکر کافی ہے کہ خورس ایک ایرانی فرماں روا تھا جس کا عروج ۵۳۹ ق م کے قریب زمانے میں شروع ہوا۔ اس نے چند سال کے عرصے میں میڈیا (الجبال) اور لیڈیا (ایشیائے کوچک) کی سلطنتوں کو مسخر کرنے کے بعد ۵۳۹ ق م میں بابل کو بھی فتح کر لیا جس کے بعد کوئی طاقت اس کے راستے میں مزاحم نہیں رہی۔ اس کی فتوحات کا سلسلہ سندھ اور صغد (موجودہ ترکستان) سے لے کر ایک طرف مصر اور لیبیا تک، اور دوسری طرف تھریس اور مقدونیہ تک وسیع ہو گیا اور شمال میں اس کی سلطنت قفقاز (کاکیشیا) اور خوارزم تک پھیل گئی۔ عملاً اس وقت کی پوری مہذب دنیا اس کی تابع فرمان تھی۔ (تفہیم القرآن، جلد سوم، سورۃ الکہف، حاشیہ نمبر ۶۲، ص ۴۲-۴۴)



## تورات میں سبا کی عظمت

یورپ کی جدید تحقیقات سے بھی سبا اور خمیر کے اعلیٰ درجے کے تمدن کا ثبوت ملتا ہے۔  
پروفیسر نولڈ کی جرمنی کا مشہور مستشرق لکھتا ہے:

ولادت مسیح سے ہزار سال قبل جنوبی و غربی عرب یعنی یمن جو خمیر اور سبا کا ملک تھا اور جو اپنی بارش گرما کے باعث زراعت کے لیے نہایت موزوں تھا، تمدن کے اس مرتبے تک پہنچ چکا تھا کہ اس کے کثیر التعداد کتبات اور شاندار عمارات کے آثار سے آج بھی ہمارے جذبات مدح و ستائش کو تحریک ہوتی ہے اور اہل یونان و روم نے اس کو ”دولت مند عرب“ کا جو لقب دیا تھا وہ بے جا نہ تھا۔ تورات میں متعدد عبارتیں ہیں جو سبا کی عظمت و شوکت کی شہادت دیتی ہیں، چنانچہ ملکہ سبا کا سلیمان علیہ السلام سے ملاقات کا قصہ خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ (۱۔ سلاطین ۱۰، آیت اتا ۱۰)۔ قوم شمود، جن کی عمارات سے ڈاؤنی اور یونگ کی محنتوں نے ہم کو روشناس کر دیا ہے، نیز قوم نابت نے جو شمود سے بہت ملتی جلتی ہے، اپنے تمدن کی ابتدائی تعلیم غالباً ان ہی سے حاصل کی ہے۔ کتابت کافن جو سبائیوں نے ابتدائی زمانے میں شمال سے لیا تھا، اب اس کو خود انہوں نے عرب کے اکثر حصوں میں ہر طرح کے کاروبار میں جاری کر دیا۔ یہاں تک کہ ایک طرف دمشق اور دوسری جانب ابی سینیا تک اس کو پھیلا دیا۔

## نابتی حکومت

نابتی حکومت جو شام کی حدود سے متصل تھی اور جو قوم شمود کی مرادف یا ان کی قائم مقام تھی، اس کی نسبت فارسٹر صاحب اپنے جغرافیہ میں لکھتے ہیں:

ان مختصر بیانات سے معلوم ہوا ہوگا کہ زمانہ قدیم میں نابت کا نام اور اثر نہ صرف ریگستانی اور صحرائی عرب پر چھایا ہوا تھا، بلکہ حجاز و نجد کے صوبہ ہائے عظیمہ پر بھی حاوی تھا۔ نابتی جہاں ایک طرف منافع تجارت سے بہرہ اندوز ہونے میں کمال رکھتے تھے، وہاں دوسری



طرف بطور سچے بنو اسماعیل کے خطراتِ جنگ کے لیے بالکل مستعد رہتے تھے۔ فلسطین و شام میں ان کی غارت گریوں اور خلیج عرب میں مصری جہازوں پر ان کی رہزنی نے بارہا تاج دارانِ مقدونیہ کو ان کی دشمنی پر آمادہ کر دیا۔ لیکن روما کی مجموعی قوت سے پیش تر کوئی شے انھیں روک نہ سکی اور روما کی اطاعت بھی انھوں نے اسٹرابو کے زمانے میں بالکل مجبورانہ اور مشتبہ انداز سے قبول کی۔

یہ قدیم سلطنتوں کا حال تھا۔ اسلام سے قبل یہ تمام سلطنتیں برباد ہو چکی تھیں۔ ان کی بجائے یمن میں صرف بڑے بڑے سردار رہ گئے تھے، جن کو قیل یا مقول کہتے تھے۔ عراق میں آل منذر کا خاندان قائم تھا جو فارس کے زیر اثر تھا۔ خورنق اور سدیر عرب کی مشہور عمارتیں اسی سلسلے کی یادگار ہیں۔ شام کی حدود میں غسانی خاندان فرماں روا تھا جو قیصرانِ روم کا ماتحت تھا اور جس کا آخری فرماں روا جبلہ بن الایہم غسانی تھا۔ [یہ مسلمان بھی ہوا تھا، مگر پھر مرتد ہو کر بھاگ گیا۔]

### تہذیب و تمدن

تہذیب و تمدن کے لحاظ سے عرب کے مختلف حصے بالکل مختلف حالت رکھتے تھے۔ مانیسیو لیبان، فرساوی نے اصولِ عمران کی بنا پر یہ رائے ظاہر کی ہے کہ اسلام سے پہلے عرب کا تمدن کسی زمانے میں اوجِ کمال تک پہنچ چکا تھا، کیونکہ اصولِ ارتقا کی رو سے کوئی قوم محض وحشت کی حالت سے دفعتاً اعلیٰ درجے کی تہذیب و تمدن تک نہیں پہنچ سکتی۔

یہ ایک قیاسی استدلال ہے۔ تاریخ سے بھی اس قدر ضرور ثابت ہوتا ہے کہ عرب کے بعض حصے مثلاً یمن کسی زمانے میں انتہا درجے کی ترقی تک پہنچ چکے تھے۔ یورپ کے محققین آثارِ قدیمہ جنھوں نے یمن کے آثارِ قدیمہ کی تحقیقات کی ہے اور پرانے کتبوں کو پڑھا ہے، وہ یمن کی قدیم تہذیب و تمدن کا اعتراف کرتے ہیں۔

صنعا اور قلیس کے ذکر میں یا قوت حموی نے معجم البلدان میں قدیم آثارِ عجیبہ کا



تذکرہ کیا ہے اور گواس میں بہت کچھ مبالغہ بھی ہے، تاہم اصلیت کا حصہ بھی کچھ کم نہیں۔ (تفصیل کے لیے دیکھیے، سیرۃ النبیؐ، از شبلی نعمانی، جلد اول، ص ۷۲-۸۰۔ اس کے علاوہ سیرۃ ابن ہشام میں قوم سبا کے بارے میں صفحہ ۹ اور صفحہ ۱۵ پر اور البدایۃ والنہایۃ جلد اول میں صفحہ ۳۲۷ سے لے کر ۳۳۰ تک تفصیلات لکھی گئی ہیں)

### سبا کا قرآن میں تذکرہ

قرآن پاک میں سورۃ النمل اور سورۃ سبا میں قوم سبا کا تذکرہ ملتا ہے۔ سورۃ نمل میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے دور میں ملکہ سبا سے آپ کی خط و کتابت اور پھر ملکہ سبا کا آپ کی خدمت میں حاضر ہونا اور اسلام قبول کرنا سارے مضمون کا مرکزی نقطہ ہے۔ سورۃ سبا میں قوم سبا کا تعارف کرایا گیا ہے اور وہاں بھی حضرت داؤد علیہ السلام اور سلیمان علیہ السلام کے تذکرے کے بعد اس قوم کا ذکر آیا ہے۔ یہ بڑی خوش حال قوم تھی اور اللہ کی سب نعمتیں ان کو حاصل تھیں، مگر کفرانِ نعمت کے نتیجے میں انہیں عذاب میں مبتلا کیا گیا اور یہ قوم بھی عبرت کا نشان بن کر رہ گئی اور ان کا پورا علاقہ بھی تباہی کا منظر پیش کرنے لگا۔

قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

”سبا کے لیے ان کے اپنے مسکن ہی میں ایک نشانی موجود تھی، دو باغ دائیں اور بائیں۔ کھاؤ اپنے رب کا رزق اور شکر بجالاؤ اس کا، ملک ہے عمدہ و پاکیزہ اور پروردگار ہے بخشش فرمانے والا۔ مگر وہ منہ موڑ گئے۔ آخر کار ہم نے ان پر بند توڑ سیلاب بھیج دیا اور ان کے پیچھے دو باغوں کی جگہ دو اور باغ انہیں دیے جن میں کڑوے کیلے پھل اور جھاؤ کے درخت تھے اور کچھ تھوڑی سی بیریاں۔ یہ تھا ان کے کفر کا بدلہ جو ہم نے ان کو دیا اور ناشکرے انسان کے سوا ایسا بدلہ ہم اور کسی کو نہیں دیتے۔ اور ہم نے ان کے درمیان، جن کو ہم نے برکت عطا کی تھی، نمایاں بستیاں بسادی تھیں اور ان میں سفر کی مسافتیں ایک اندازے پر رکھ دی تھیں۔ چلو پھرو ان راستوں میں رات دن پورے امن کے ساتھ۔ مگر انہوں نے



کہا: ”اے ہمارے رب ہمارے سفر کی مسافتیں لمبی کر دے۔“ انھوں نے اپنے اوپر آپ ظلم کیا۔ آخر کار ہم نے انھیں افسانہ بنا کر رکھ دیا اور انھیں بالکل تتر بتر کر ڈالا۔ یقیناً اس میں نشانیاں ہیں ہر اس شخص کے لیے جو بڑا صابر و شاکر ہو۔ اُن کے معاملے میں ابلیس نے اپنا گمان صحیح پایا اور انھوں نے اس کی پیروی کی، بجز ایک تھوڑے سے گروہ کے جو مومن تھا۔ ابلیس کو ان پر کوئی اقتدار حاصل نہ تھا، مگر جو کچھ ہوا وہ اس لیے ہوا کہ ہم یہ دیکھنا چاہتے تھے کہ کون آخرت کا ماننے والا ہے اور کون اس کی طرف سے شک میں پڑا ہوا ہے۔ تیرا رب ہر چیز پر نگران ہے۔“ (سبا ۳۴: ۱۵-۲۱)





## نبی ﷺ کے آبا و اجداد

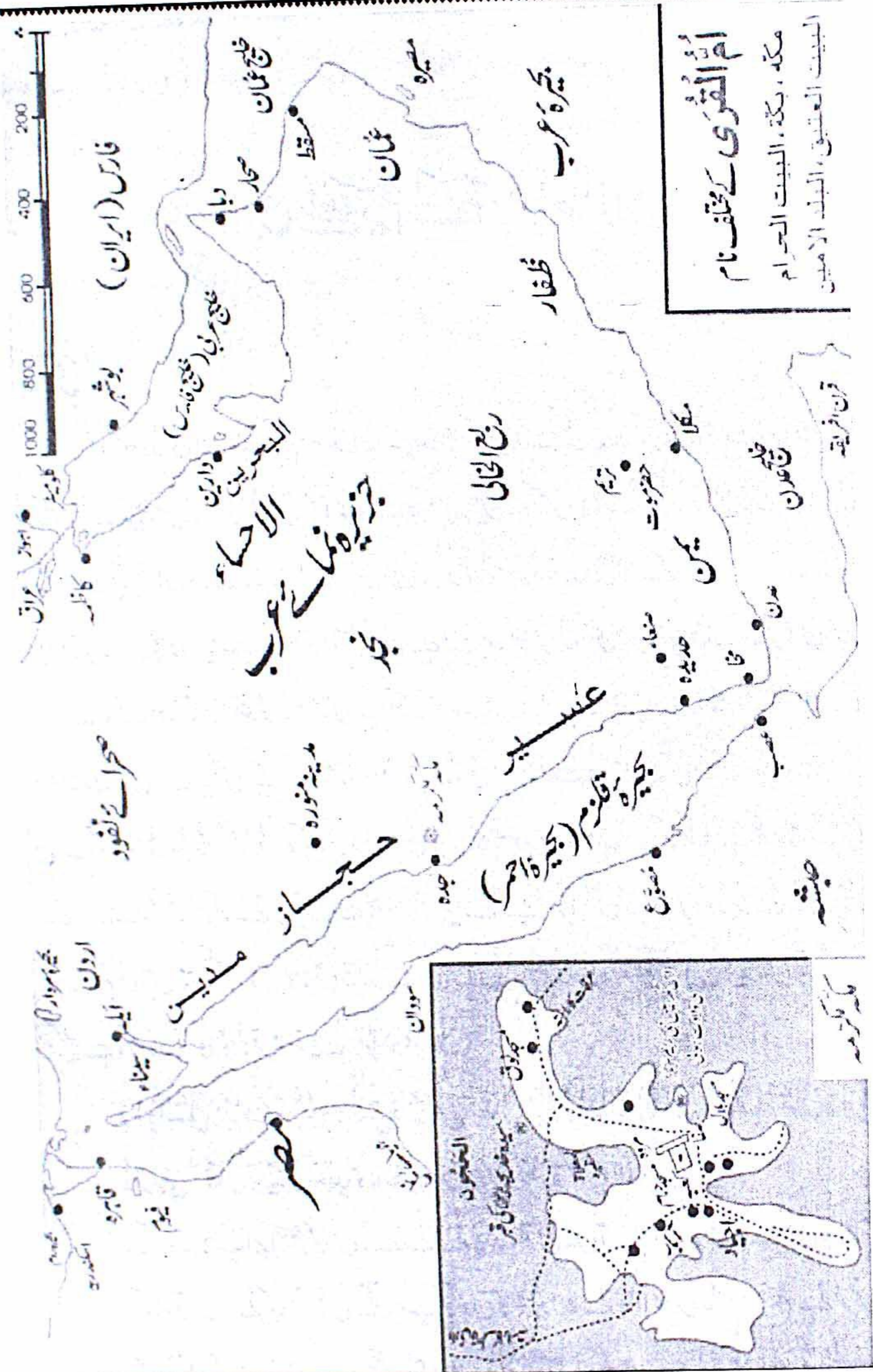
### وادی بکہ

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سلسلہ ابراہیم علیہ السلام کی مبارک نسل سے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بڑے بیٹے سیدنا اسماعیل علیہ السلام آپ کے جد امجد ہیں۔ انھیں جناب خلیل اللہ علیہ السلام نے اللہ کے حکم سے شیر خوار ہونے کے زمانے میں ان کی والدہ سیدہ ہاجرہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ بے آب و گیاہ وادی بکہ میں چھوڑ دیا تھا۔ یہ واقعہ اتنا مشہور ہے کہ ہر کلمہ گو اس کو اچھی طرح جانتا ہے۔ قرآن مجید، حدیث پاک اور تمام مستند تواریخ میں یہ واقعہ تفصیلاً بیان ہوا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے امتحانات میں سے یہ بھی ایک بڑا امتحان تھا، مگر اللہ کی اپنی حکمت و مصلحت تھی، جسے وہی جانتا تھا۔ جناب خلیل اللہ علیہ السلام کے دل پر کیا گزری ہوگی، اس کا تصور ہر صاحب دل کر سکتا ہے، مگر اللہ کے حکم کے سامنے سر تسلیم خم کرنے کی روایت جو جد الانبیاء نے بے خطر آتش نمرود میں کود پڑنے کے وقت سے قائم کی اس میں کبھی کوئی کوتاہی نہ ہونے دی۔ اس عظیم کردار کی تحسین قرآن مجید میں جگہ جگہ کی گئی ہے، خصوصاً سورۃ البقرۃ، آیت نمبر ۱۲۴ میں:

وَإِذِ ابْتَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ رَبُّهُ بِكَلِمَاتٍ فَأَتَبْتَهُنَّ ۗ قَالَ إِنِّي جَاءُكَ لِلنَّاسِ إِمَامًا ۗ قَالَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِي ۗ قَالَ لَا يَنْبَأُ عَهْدِي الظَّالِمِينَ ﴿۱۲۴﴾ (البقرۃ ۲: ۱۲۴)

یاد کرو کہ جب ابراہیم کو اس کے رب نے چند باتوں میں آزمایا اور وہ ان سب میں پورا اتر گیا، تو اس نے کہا: ”میں تجھے سب لوگوں کا پیشوا بنانے والا ہوں۔“ ابراہیم نے عرض کیا: ”اور کیا میری اولاد سے بھی یہی وعدہ ہے؟“ اس نے جواب دیا: ”میرا وعدہ ظالموں سے متعلق نہیں ہے۔“





(اٹلس سیرت نبویؐ، از ڈاکٹر شوقی ابو خلیل، مطبوعہ دار السلام، صفحہ ۸۱)



## صفا مروہ اور زم زم

اپنی نوجوان اور خوب صورت مصری الاصل زوجہ مطہرہ اور اپنے لخت جگر، پھول جیسے بیٹے اسماعیل کو اس وادی بے آب و گیاہ میں چھوڑ کر جب واپس چلے تو انھیں اللہ کی امان میں دیا۔ اللہ کی امان میں جو چیز بھی ہو وہ کبھی ضائع نہیں ہوتی۔ کچھ کھجوریں، ستوا اور پانی کا ایک مشکیزہ کل متاع حیات تھا۔ جب آب و دانہ ختم ہو گیا اور والدہ اپنے بچے سمیت بھوک پیاس سے دوچار ہوئی تو تاریخ کا ایک نیا باب کھلا۔ ماں کی چھاتی میں دودھ بھی خشک ہو گیا اور آس پاس کہیں دادرسی کی بھی کوئی امید نہ تھی۔ اس صورت حال میں اللہ کی یہ عظیم بندی اپنے بیٹے کو زمین پر لٹا کر قریب کی پہاڑی (صفا) پر چڑھیں، گرد و نواح میں نظر دوڑائی، کوئی امید بر نہ آئی۔ دوسری پہاڑی (مروہ) کی طرف گئیں، راستے میں ہموار جگہ پر دوڑ بھی لگائی۔ پہاڑی پہ کھڑے ہو کر آس پاس نگاہ دوڑائی۔ یہاں بھی کچھ نظر نہ آیا۔ صفا سے مروہ کی طرف چار بار، مروہ سے صفا کی طرف تین بار چکر لگائے۔ آخر ظاہری سہاروں سے مایوس ہو کر واپس اپنے گوہر نایاب کی طرف لوٹیں۔ معصوم اسماعیل بھوک پیاس کی شدت سے زمین پر ایڑیاں رگڑ رہے تھے۔ دیکھا تو بچے کے پاؤں کے نیچے پانی کا ایک چشمہ پھوٹ پڑا۔ بیٹے کو اٹھایا اور آب چشمہ کے گرد کنکریوں اور مٹی سے منڈی بنائی اور فرمایا: ”زَمَّ زَم [رُک جا]“۔ آب زم زم اس مبارک دن سے تا امروز اللہ کی نعمتوں کا عظیم خزانہ ہے۔ جنت کے چشموں میں سے ایک چشمہ جو اہل زمین کو اسماعیل اور ہاجرہ کے طفیل خالق کائنات نے عطا فرمایا۔

## حج کا حکم

ہمارے نبی مہربان صلی اللہ علیہ وسلم جن پر اللہ نے اپنی نعمتوں کا اتمام کیا اور جن کے وجود مسعود کے دنیا میں آنے پر نبوت کا سلسلہ الذہب مکمل ہوا، انھی عظیم شخصیات کی نسل سے پیدا ہوئے۔ آپ نے اپنی دادی سیدہ ہاجرہ کا تذکرہ کئی بار کیا اور ان کی عظمت کو زندہ جاوید بنا دیا۔ خود خالق باری تعالیٰ نے جب خانہ کعبہ کی تعمیر کا حکم دیا اور پھر اس کی تکمیل پر اس کی جانب حج کے لیے لوگوں کو آنے کی دعوت دی تو حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ارشاد فرمایا: وَ اذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ



يَا تُؤَكِّرُ بِنَجَالٍ وَعَلَىٰ كُلِّ ضَامِرٍ يَأْتِينَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيقٍ ﴿٢٤﴾ (الحج ۲۲: ۲۷)۔ اور لوگوں کو حج کے لیے اذن عام دے دو کہ وہ تمہارے پاس ہر دور دراز مقام سے پیدل اور اونٹوں پر سوار [ہو کر] آئیں۔

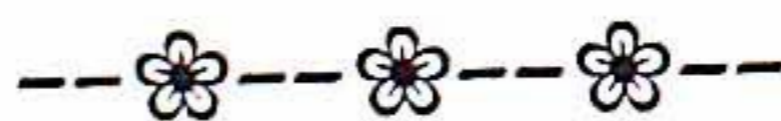
### سیدہ ہاجرہ کی عظمت

حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام نے حج کا آغاز و افتتاح کیا۔ پھر ایک دنیا اس کی طرف لپکی۔ وہ دن اور آج کا دن اس تعداد میں مسلسل اضافہ ہی ہوتا چلا جا رہا ہے۔ حضرت ہاجرہ نے صفا مروہ کے درمیان سات چکر لگائے تھے۔ اللہ نے اپنے جلیل القدر انبیا ابراہیم علیہ السلام اور اسماعیل علیہ السلام کو حکم دیا کہ وہ بھی صفا مروہ کے درمیان سات چکر لگائیں۔ اسے شعائر حج و عمرہ میں شامل فرما دیا گیا۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جب حج فرض ہوا تو آپ نے بھی عمرے اور حج میں سعی بین الصفا والمروہ کا اہتمام کیا اور اسے حج و عمرے کا حصہ بنا دیا۔ قیامت کے دن تک یہ سلسلہ یوں ہی چلتا رہے گا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

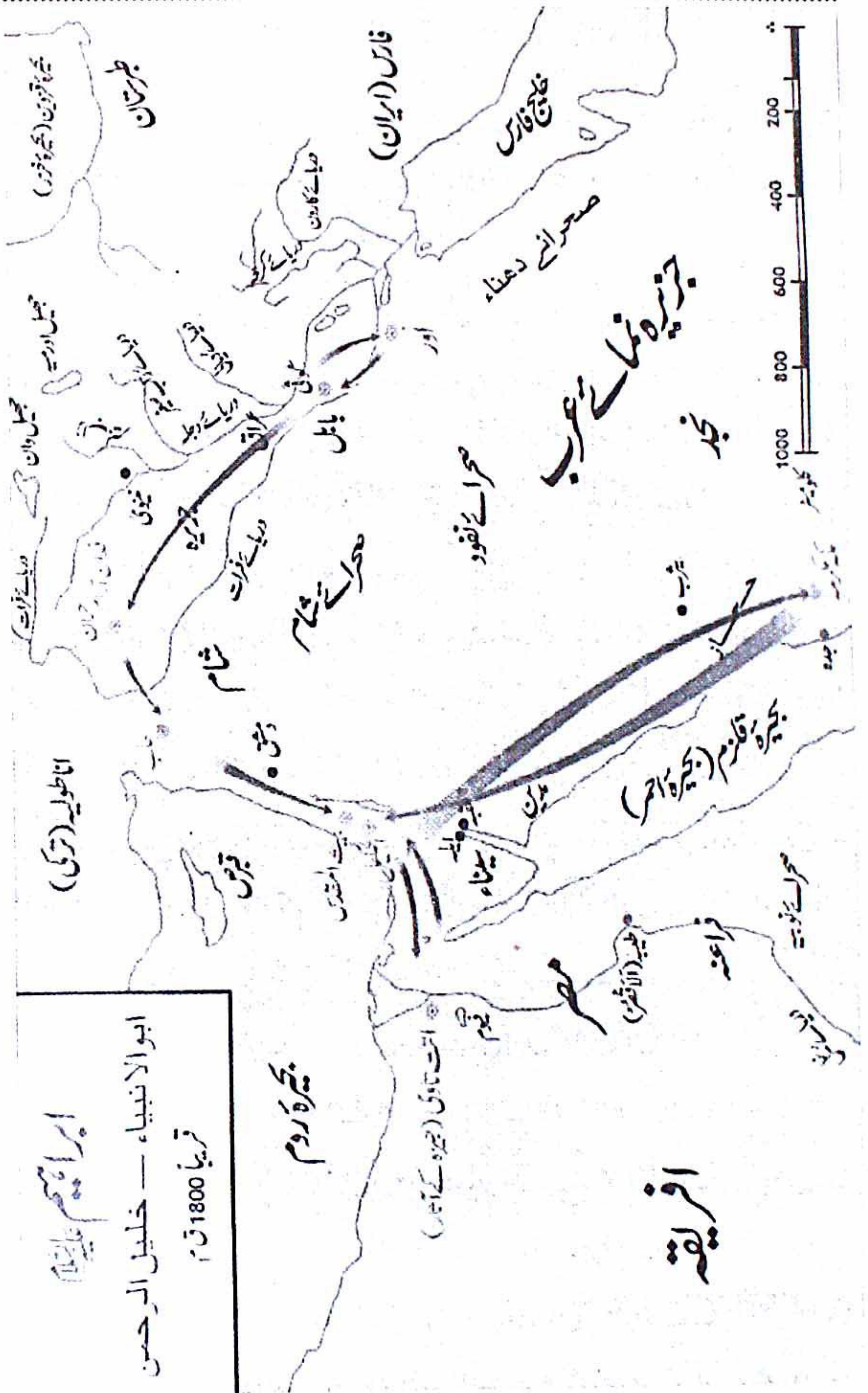
إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللَّهِ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ أَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ أَنْ يَطَّوَّفَ بِهِمَا وَمَنْ تَطَوَّأَ خَيْرًا لَقَانَ اللَّهُ شَاكِرًا عَلَيْهِمْ ﴿١٥٨﴾ (البقرة ۲: ۱۵۸)

یقیناً صفا اور مروہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں۔ لہذا جو شخص بیت اللہ کا حج یا عمرہ کرے، اس کے لیے کوئی گناہ کی بات نہیں کہ وہ ان دونوں پہاڑیوں کے درمیان سعی کر لے اور جو برضا و رغبت کوئی بھلائی کا کام کرے گا، اللہ کو اس کا علم ہے اور وہ اس کی قدر کرنے والا ہے۔

اللہ رب العزت نے اپنی بندی کو جو اس کے فیصلوں پر راضی برضا تھی، کس قدر عظمت عطا کی ہے۔ سبحان اللہ! آب زم زم بھی اسماعیل کا معجزہ اور ہاجرہ کا انعام ہے جو اللہ نے عطا فرمایا۔ قیامت کے دن تک یہ چشمہ صافی لوگوں کی پیاس بجھاتا رہے گا۔ اگلے باب میں ہم زم زم کا قدرے تفصیلی تعارف نذر قارئین کر رہے ہیں۔







(اٹلس سیرت نبوی، از ڈاکٹر شوقی ابو خلیل، مطبوعہ دارالسلام، صفحہ ۴۱)



## چاہِ زم زم

### زم زم ایک معجزہ

زم زم کا پانی حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت ہاجرہ کے شیرخوار بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی پیاس بجھانے کے بہانے اللہ تعالیٰ نے تقریباً چار ہزار سال قبل ایک معجزے کی صورت میں مکہ مکرمہ کے بے آب و گیاہ ریگستان کے چٹیل اور پتھریلے خطے میں جاری کیا جو آج تک جاری ہے۔ چاہِ زم زم مسجد حرام میں خانہ کعبہ کے جنوب مشرق میں تقریباً ۲۱ میٹر کے فاصلے پر آج کل تہہ خانے میں واقع ہے۔ یہ کنواں وقت کے ساتھ سوکھ گیا تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا حضرت عبدالمطلب نے اشارہ خداوندی سے اسے دوبارہ کھدوایا جو آج تک جاری و ساری ہے۔ اس کی کھدائی کے دوران اس میں سے سونے کے دوہرن اور سونے کی تلواریں برآمد ہوئیں۔ بعض روایات کے مطابق بنو جرہم نے آبِ زم زم کو بند کر دیا تھا اور انہوں نے ہی یہ چیزیں اس میں دفن کی تھیں۔ جناب عبدالمطلب نے یہ سارا سونا خانہ کعبہ کے لیے وقف کر دیا۔ بعد میں قریش کے کچھ لوگوں نے یہ سونا چرا لیا۔ (طبقات ابن سعد، ج ۱، ص ۸۴-۸۵)

آبِ زم زم کا سب سے بڑا دہانہ حجر اسود کے پاس ہے جبکہ اذان کی جگہ کے علاوہ صفا و مروہ کے مختلف مقامات سے بھی مختلف شاخوں کی صورت میں نکلتا ہے۔ ۱۹۵۳ء تک تمام کنوؤں سے پانی ڈول کے ذریعے نکالا جاتا تھا، مگر اب مسجد حرام کے اندر اور باہر مختلف مقامات پر آبِ زم زم کی سبیلیں لگادی گئی ہیں۔ زم زم کا پانی مسجد نبوی میں بھی نمازیوں کی ضرورت کے مطابق عام ملتا ہے اور حجاج کرام یہ پانی دنیا بھر میں اپنے ساتھ لے جاتے ہیں۔ زم زم کے بارے میں اس کی پوری تاریخ اور تفصیلات مورخ ابن ہشام نے اپنی کتاب سیرۃ النبویہ القسم الاول میں لکھی



ہیں۔ (سیرۃ ابن ہشام، القسم الاول، ص ۱۴۲-۱۴۷)

### گہرائی، چوڑائی اور لمبائی

جناب عبدالمطلب کے زمانے میں چاہ زم زم کی کھدائی کے بعد سے لے کر اب تک اس کنویں کی لمبائی، چوڑائی اور گہرائی میں تبدیلی نہیں لائی گئی ہے۔ یعنی آج تک یہ ۱۸ فٹ لمبا، ۱۴ فٹ چوڑا اور تقریباً ۵ فٹ گہرا ہے۔ مکہ کا شہر جس وادی میں ہے وہ چاروں طرف سے گرینائٹ چٹانوں والے پہاڑوں میں گھری ہوئی ہے۔ حرم شریف (مسجد الحرام) وادی میں سب سے نچلے مقام پر واقع ہے۔ خانہ کعبہ اور مسجد حرام سمیت پورا شہر مکہ ریت اور گاد کی تہہ (Sand and silt formation) پر واقع ہے، جس کی گہرائی ۵۰ سے ۱۰۰ فٹ تک ہے اور جس کے نیچے آتشی چٹانوں کی ایک تہہ پھیلی ہوئی ہے۔ چاہ زم زم بھی ریت اور گاد کی اسی تہہ پر واقع ہے اور اس میں پانی کی سطح اطراف کی زمین سے ۳۰ تا ۵۰ فٹ کی گہرائی پر ہے۔ (علیم احمد، ماہنامہ گلوبل سائنس، فروری ۲۰۱۳ء، کراچی)

### موجود معدنیات

جامعہ شاہ سعود کی رپورٹ کے مطابق آب زم زم میں موجود اہم معدنیات کا خلاصہ درج

ذیل ہے:

$7.7 \times 10^{-5}$	133	سوڈیم
$5.5 \times 10^{-5}$	96	کیلشیم
$2.247 \times 10^{-5}$	38.88	میکنیشیم
$2.50 \times 10^{-5}$	43.3	پوٹاشیم
0.0001129	195.4	بائی کاربونیٹ
$9.44 \times 10^{-5}$	163.3	کلورائیڈ
$4.2 \times 10^{-7}$	0.72	فلورائیڈ



7.21×10 <sup>-5</sup>	124.8	ناٹریٹ
7.17×10 <sup>-5</sup>	124.0	سلفیٹ
0.000483	835	کل حل شدہ معدنیات

### فضیلت

ابن قیم جوزی رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں: زم زم سب پانیوں کا سردار اور سب سے زیادہ شرف و قدر والا چشمہ ہے۔ لوگوں کے نفوس کو سب سے زیادہ اچھا اور مرغوب اور بہت ہی قیمتی ہے جو کہ جبریل علیہ السلام کے کھودے ہوئے چشمے کا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسماعیل علیہ السلام کی تشنگی دور کرنے والا پانی ہے۔ صحیح مسلم میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوذر رضی اللہ عنہ کو اس کی برکات بتائی تھیں۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب وہ کعبہ کے پردوں کے پیچھے چالیس یا تیس دن رات تک مقیم رہے اور ان کی خوراک صرف زم زم تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے پوچھا تم کب سے یہاں مقیم ہو؟ حضرت ابوذر نے جواب دیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تیس دن رات سے یہیں مقیم ہوں، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرمانے لگے: تیرے کھانے کا انتظام کون کرتا ہے؟ وہ کہتے ہیں میں نے جواب میں کہا: میرے پاس تو صرف زم زم ہی تھا کہ اس سے میں اتنا موٹا ہو گیا ہوں کہ تمام کس بل نکل گئے اور میری ساری بھوک اور کمزوری جاتی رہی، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرمانے لگے: بلاشبہ زم زم بابرکت، پینے والے کے لیے مشروب اور کھانے والے کے لیے کھانے کی حیثیت رکھتا ہے۔ (مسلم، ح ۲۴۷۳، کتاب فضائل الصحابہ، باب فضائل ابوذر غفاریؓ)۔ مسند البزار اور معجم طبرانی میں یہ الفاظ زائد ہیں: ”یہ ہر بیمار کی بیماری کی شفا ہے“۔ (البداية والنهاية، ج ۱، طبع دار ابن حزم، بیروت، ص ۷۷۷)

### یومِ حشر کی پیاس

علمائے کرام نے اس حدیث پر عمل اور تجربہ بھی کیا ہے۔ عبد اللہ بن مبارک رحمہ اللہ تعالیٰ



نے جب حج کیا اور وہ زمزم کے پاس آئے تو کہنے لگے: اے اللہ ابن ابی الموالی نے محمد بن منکدر سے اور انہوں نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے حدیث بیان کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: زمزم اسی چیز کے لیے ہے جس کے لیے اسے نوش کیا جائے۔ عبد اللہ بن مبارک فرماتے ہیں کہ میں روز قیامت کی تشنگی اور پیاس سے بچنے کے لیے اسے پی رہا ہوں۔ (الدر المنثور، ج ۴، ص ۱۵۱، تفسیر سورۃ التوبہ، آیت: ۱۹-۲۰)

ابن قیم بیان کرتے ہیں کہ میں اور میرے علاوہ دوسروں نے بھی زمزم پی کر تجربہ کیا ہے کہ اس سے عجیب و غریب قسم کی بیماریاں جاتی رہتی ہیں اور مجھے زمزم پینے سے سیرابی کے ساتھ کئی ایک بیماریوں سے شفا نصیب ہوئی اور الحمد للہ میں ان سے نجات حاصل کر چکا ہوں اور میں نے اس کا مشاہدہ بھی کیا ہے کہ کئی ایک افراد نے زمزم کو پندرہ یوم سے بھی زیادہ ایام تک بطور غذا استعمال کیا تو انہیں بالکل بھوک محسوس تک نہیں ہوئی اور وہ لوگوں کے ساتھ مل کر طواف کرتے رہے۔ (زاد المعاد، ج ۴، ص ۲۹)

### آب زمزم ایک زندہ جاوید معجزہ

حقیقت یہ ہے کہ آب زمزم اللہ کریم کا ایک زندہ جاوید معجزہ ہے اور اس پر جب بھی اور جتنی بھی تحقیق کی جائے کم ہے کیونکہ ہر مرتبہ انسان پر نئے راز آشکار ہوتے ہیں اور مزید روشن پہلو انسان کی عقل کو خیرہ کرتے ہیں، جن میں سے چند ایک درج ذیل ہیں:

آب زمزم کا کنواں آج تک خشک نہیں ہوا اور اس نے ہمیشہ لاکھوں حجاج کرام اور زائرین کی پیاس بجھائی۔ اس میں موجود نمکیات کی مقدار ہمیشہ یکساں رہتی ہے۔ اس کے ذائقے میں آج تک کسی قسم کی تبدیلی واقع نہیں ہوئی بلکہ روز اول سے آج تک اس کا وہی ذائقہ ہے۔ آب زمزم کی شفا بخشی کسی سے پوشیدہ نہیں بلکہ اپنے اور غیر سبھی اس کے معترف ہیں۔ آب زمزم وسیع پیمانے پر مکہ اور گردونواح میں استعمال کیا جاتا ہے بلکہ کسی زمانے میں رمضان شریف میں تو مسجد نبوی میں بھی آب زمزم مہیا کیا جاتا تھا۔ اب تو سال بھر مسجد حرام کی طرح مسجد نبوی میں بھی ہر



شخص کے لیے وافر مقدار میں مہیا ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ دنیا بھر سے آنے والے زائرین حج اور عمرہ کے وقت اپنے ساتھ آب زم زم کے چھوٹے بڑے لاکھوں کین بھر کے لے جاتے ہیں۔

### مکہ کا افتخار و اعزاز

آب زم زم اپنی اصلی حالت میں فراہم کیا جاتا اور اس میں کلورین سمیت کسی بھی قسم کے جراثیم کش کیمیکل کی آمیزش نہیں کی جاتی لیکن اس کے باوجود یہ پینے کے لیے سب سے بہترین مشروب ہے۔ دوسرے کنوؤں میں کائی جم جاتی ہے اور نباتاتی اور حیاتیاتی افزائش ہوتی ہے انواع و اقسام کی جڑی بوٹیاں اور پودے آگ آتے ہیں یا کئی قسم کے حشرات بستے ہیں جس سے پانی کا رنگ اور ذائقہ متاثر ہوتا ہے، مگر آب زم زم دنیا کا واحد پانی ہے جو کسی بھی قسم کی نباتاتی یا حیاتیاتی افزائش اور آلائش سے پاک صاف ہے۔ ہزاروں برس پہلے نوزائیدہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ایڑیاں رگڑنے سے جاری ہونے والا یہ چشمہ لاکھوں، کروڑوں لوگوں کی پیاس بجھانے کے باوجود آج بھی پہلے دن کی طرح پینے والوں کو حیات بخشتا ہے۔ بیت اللہ شریف کے مبارک وجود کے ساتھ یہ بھی اللہ تبارک و تعالیٰ کی ایک ایسی نعمت ہے جس پر مکہ شریف اور اہل مکہ ہمیشہ بجا طور پر نازاں و شاداں رہیں گے۔

### آب زم زم پر تحقیق

جدید طبی تحقیقات سے معلوم ہوا ہے کہ آب زم زم میں ایسے اجزاء معدنیات اور نمکیات موجود ہیں جو انسان کی غذائی اور طبی ضروریات کو بڑے اچھے طریقے سے پورا کرتے ہیں۔ حکومت سعودی عرب نے اس بات کا اہتمام کر رکھا ہے کہ ہر چار گھنٹے بعد زم زم کے پانی کا جدید لیبارٹریوں میں ہر لحاظ سے معائنہ کیا جاتا ہے۔ ان تحقیقات کے نتیجے میں آب زم زم کے بارے میں بے شمار انکشافات ہو رہے ہیں۔ آب زم زم کی کیمیائی تحقیقات اور طبی مطالعے سے معلوم ہوا ہے کہ اس میں وہ اجزاء شامل ہیں جو معدہ، جگر، آنتوں اور گردوں کے لیے بالخصوص مفید ہیں۔



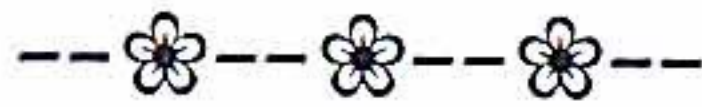
## آب زم زم اور عام پانی پر تحقیق

بن الصاحب المصری کہتے ہیں کہ میں نے آب زم زم کا وزن مکہ کے ایک چشمے کے پانی سے کیا تو میں نے زم زم کو اس سے ایک چوتھا حصہ وزنی پایا۔ پھر میں نے میزان طب کے حساب سے دیکھا تو اس کو تمام پانیوں سے طبی اور شرعی لحاظ سے افضل پایا۔

(گوگل، زم زم ویکی پیڈیا [https://en.wikipedia.org/wiki/Zamzam\\_Well](https://en.wikipedia.org/wiki/Zamzam_Well))

## ایک ذاتی تجربہ

آب زم زم کے حوالے سے میرا ایک ذاتی تجربہ بھی بہت یادگار ہے۔ میرے دادا جان ۱۹۳۲ء میں بحری جہاز کے ذریعے حج کے لیے گئے۔ حجاز مقدس تک سفر، پھر مکہ اور مدینہ میں قیام، مناسک حج سے فراغت اور واپسی میں تقریباً ایک سال صرف ہوا۔ وہ واپسی پر آب زم زم لوہے کی چھوٹی چھوٹی ڈبیوں میں لے کر آئے جو پوری طرح بند (Seal) تھیں۔ جب کبھی ضرورت ہوتی تو کوئی ڈبی کھول لی جاتی۔ ان میں سے آخری ڈبیہ ۱۹۶۸ء میں کھولی گئی۔ میں اس زمانے میں پنجاب یونیورسٹی میں زیر تعلیم تھا۔ آب زم زم کے بارے میں کافی کچھ پڑھ، سن چکا تھا۔ میں نے دیکھا کہ ڈبیہ میں پانی کی مقدار تھوڑی سی کم ہو چکی تھی۔ جب بند ڈبیہ کو ہلاتے تھے تو اندر پانی چھلکتا تھا، جس سے آواز پیدا ہوتی تھی۔ پانی کے رنگ اور ذائقے میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔ نہ ہی اس ڈبیہ کو کہیں زنگ لگا تھا۔ یہ تقریباً ۳۵، ۳۶ سال کا زمانہ بنتا ہے۔ اس پانی کا اپنی اصلی حالت میں اور تقریباً اتنی ہی مقدار میں موجود رہنا کوئی معمولی بات نہیں۔ یہ آب زم زم کا کمال اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کو عطا کردہ اللہ تعالیٰ کا معجزہ ہے۔





## اسماعیل ذبح اللہ علیہ السلام

بنو جرہم کی آمد

حضرت اسماعیل علیہ السلام اور ان کی والدہ سیدہ ہاجرہؓ آب زم زم کے چشمہ صافی پر مقیم تھے۔ اس عرصے میں قبیلہ بنو جرہم جو وادی مکہ کے گرد و نواح میں آباد تھے، یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ چٹیل اور بے آب و گیاہ سرزمین کے اوپر پرندے منڈلا رہے ہیں۔ جہاں بھی پانی کا چشمہ پھوٹے تو ریگستانوں اور پہاڑوں میں پرندے اس کا رخ کرتے ہیں۔ بنو جرہم جب وہاں پر آئے تو انھوں نے ماں اور بیٹے کی عظیم شان دیکھی۔ وہ ان کے عقیدت مند بن گئے۔ (البدایة والنہایة، ج ۱، طبع دار ابن حزم، بیروت، ص ۱۰۱)

حضرت اسماعیل اور ان کی والدہ سیدہ ہاجرہؓ کی خبر گیری کے لیے سیدنا ابراہیم علیہ السلام بھی کبھی کبھار آیا کرتے تھے۔ جب پہلی ہی بار آئے اور آب زم زم کو دیکھا تو ایک جانب اللہ کا شکر ادا کیا اور دوسری جانب اس حیرت کا اظہار بھی کیا کہ ان سنگلاخ زمینوں سے یہ چشمہ کیسے پھوٹا۔ مختصر یہ کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام بچپن سے لڑکپن میں داخل ہوئے تو اللہ تبارک و تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو ان کی زندگی کے سب سے بڑے امتحان میں ڈالا۔ حکم ہوا کہ اپنے اکلوتے بیٹے کو میری راہ میں ذبح کر دو۔

ابتلائے عظیم

قرآن پاک میں یہ مضمون تفصیلاً بیان ہوا ہے۔ اس لیے سب سے مستند بات یہی ہے جو کتاب اللہ نے بیان کی ہے۔ قرآن پاک کے مطابق اللہ تعالیٰ نے سورہ الصافات میں ارشاد



فرمایا:

وَقَالَ إِنِّي ذَاهِبٌ إِلَىٰ رَبِّي سَيَهْدِينِ ﴿١١١﴾ رَبِّ هَبْ لِي مِنَ الصَّالِحِينَ ﴿١١٢﴾ فَبَشَّرْنَاهُ بِغُلَامٍ حَلِيمٍ ﴿١١٣﴾ فَلَمَّا بَدَغَ مَعَهُ السَّعْيَ قَالَ يُبَيِّئُ لِي فِي الْمَنَامِ إِنِّي أَدْبَحُكَ فَأَنْظِرْ مَا ذَاتَرِي ۗ قَالَ يَا بَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِي إِن شَاءَ اللَّهُ مِنَ الصَّابِرِينَ ﴿١١٤﴾ فَلَمَّا أَسْلَمَا وَ تَلَّهُ لِلْجَبِينِ ﴿١١٥﴾ وَ نَادَيْنَاهُ أَنْ يَا اِبْرَاهِيمُ ﴿١١٦﴾ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّؤْيَا ۗ إِنَّا كَذَلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ﴿١١٧﴾ إِنَّ هَذَا لَهُوَ الْبَلَاءُ الْمُبِينُ ﴿١١٨﴾ وَ فَدَيْنَاهُ بِذَبْحٍ عَظِيمٍ ﴿١١٩﴾ وَ تَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْآخِرِينَ ﴿١٢٠﴾ سَلَامٌ عَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ ﴿١٢١﴾ كَذَلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ﴿١٢٢﴾ إِنَّهُ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِينَ ﴿١٢٣﴾ وَ بَشَّرْنَاهُ بِإِسْحَاقَ نَبِيًّا مِّنَ الصَّالِحِينَ ﴿١٢٤﴾ وَ بَرَكَاتًا كَثِيرَةً وَ عَلَىٰ إِسْحَاقَ ۗ وَ مِنْ ذُرِّيَّتِهِمَا مُحْسِنٌ وَ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهِ مُبِينٌ ﴿١٢٥﴾ (الصافات ۷۷: ۱۱۳-۹۹)

ابراہیم نے کہا: میں اپنے رب کی طرف جاتا ہوں، وہی میری رہنمائی فرمائے گا۔ اے پروردگار! مجھے ایک بیٹا عطا کر جو صالحین میں سے ہو۔ (اس دعا کے جواب میں) ہم نے اس کو ایک حلیم (بردبار) لڑکے کی بشارت دی۔ وہ لڑکا جب اس کے ساتھ دوڑ دھوپ کرنے کی عمر کو پہنچ گیا تو (ایک روز) ابراہیم نے اس سے کہا: بیٹا میں خواب دیکھتا ہوں کہ میں تجھے ذبح کر رہا ہوں، اب تو بتا تیرا کیا خیال ہے؟ اس نے کہا: ابا جان جو کچھ آپ کو حکم دیا جا رہا ہے اسے کر ڈالیے۔ آپ ان شاء اللہ مجھے صابروں میں سے پائیں گے۔ آخر کو جب ان دونوں نے سر تسلیم خم کر دیا اور ابراہیم نے بیٹے کو ماتھے کے بل گرا دیا تو ہم نے ندادی کہ اے ابراہیم! تو نے خواب سچ کر دکھایا۔ ہم نیکی کرنے والوں کو ایسی ہی جزا دیتے ہیں۔ یقیناً یہ ایک کھلی آزمائش تھی اور ہم نے ایک بڑی قربانی فدیے میں دے کر اس بچے کو چھڑا لیا۔ اور اس کی تعریف و توصیف ہمیشہ کے لیے بعد کی نسلوں میں چھوڑ دی۔ سلام ہے ابراہیم پر۔ ہم نیکی کرنے والوں کو ایسی جزا دیتے ہیں۔ یقیناً وہ ہمارے



مومن بندوں میں سے تھا۔ اور ہم نے اسے اسحاق کی بشارت دی، ایک نبی صالحین میں سے اور اسے اور اسحاق کو برکت دی۔ اب ان دونوں کی ذریت میں سے کوئی محسن ہے اور کوئی اپنے نفس پر صریح ظلم کرنے والا ہے۔

ذبح اللہ

ان آیات سے بالکل واضح ہے ذبح اللہ سیدنا اسماعیل علیہ السلام ہیں اس کے باوجود مورخین ان بحثوں میں الجھ گئے ہیں کہ مستشرقین اور یہود و نصاریٰ کا یہ دعویٰ کہ ذبح اللہ اسماعیل نہیں، اسحاق ہیں، غلط ہے اور اس کے لیے دلائل دینا شروع کر دیتے ہیں۔ خیر غیر مسلموں کا جواب دینے کے لیے تو ان دلائل کی بڑی اہمیت ہے، مگر اہل اسلام کے نزدیک قرآن کے اس واضح ارشاد کی موجودگی میں کسی بحث و مباحثے کی ضرورت ہی نہیں۔ یہ ثابت ہے کہ اکلوتے بیٹے اسماعیل تھے اور اسحاق کی بشارت تو اسماعیل کی قربانی کے بعد دی گئی تھی۔ ساتھ ہی قرآن پاک میں حضرت اسحاق کی بشارت کے وقت ان کے بیٹے یعقوب کی بھی خوش خبری سنائی گئی تھی۔ پھر قربانی چہ معنی دارد؟

(البدایة و النہایة، ج ۱، طبع دار ابن حزم، بیروت، ص ۱۰۴-۱۰۵)

اسحاق و یعقوب کی بشارت

وَلَقَدْ جَاءَتْ رُسُلُنَا إِبْرَاهِيمَ بِالْبُشْرَى قَالُوا سَلَامًا ۖ قَالَ سَلَامٌ فَمَا لَبِثَ أَنْ جَاءَ بِعِجْلٍ حَنِيذٍ ۗ فَلَمَّا رَأَىٰ أَيْدِيَهُمْ لَا تَصِلُ إِلَيْهِ نَكَرَهُمْ وَأَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيفَةً ۖ قَالُوا لَا تَخَفْ إِنَّا أُرْسِلْنَا إِلَىٰ قَوْمٍ لُّوطِيٍّ ۗ وَامْرَأَتُ قَائِمَةٌ فَضَحِكْتُمْ فَبَشِّرْنَاهَا بِإِسْحَاقَ ۗ وَمِنْ وَرَاءِ إِسْحَاقَ يَعْقُوبَ ۗ قَالَتْ يَوَيْلَتِي ۖ أَنَا أَلِدُ وَأَنَا عَجُوزٌ ۖ وَهَذَا بَعْلِي شَيْخًا ۗ إِنَّ هَذَا لَشَيْءٌ عَجِيبٌ ۗ قَالُوا أَتَعْجَبِينَ مِنْ أَمْرِ اللَّهِ رَاحَتُ اللَّهِ وَبَرَكَتُهُ عَلَيْكُمْ أَهْلَ الْبَيْتِ ۗ إِنَّهُ حَسِيدٌ مَّجِيدٌ ۗ (هود: ۶۹-۷۳)

اور دیکھو ابراہیم کے پاس ہمارے فرشتے خوش خبری لیے ہوئے پہنچے۔ کہا: تم پر سلام ہو۔

ابراہیم نے جواب دیا: تم پر بھی سلام ہو۔ پھر کچھ دیر نہ گزری کہ ابراہیم ایک بھٹنا ہوا بچھڑا



(ان کی ضیافت کے لیے) لے آیا، مگر جب دیکھا کہ ان کے ہاتھ کھانے پر نہیں بڑھتے تو وہ ان سے مشتبہ ہو گیا اور دل میں ان سے خوف محسوس کرنے لگا۔ انھوں نے کہا: ڈرو نہیں، ہم تو لوٹ کی قوم کی طرف بھیجے گئے ہیں۔ ابراہیمؑ کی بیوی بھی کھڑی ہوئی تھی، وہ یہ سن کر ہنس دی۔ پھر ہم نے اس کو اسحاقؑ کی اور اسحاقؑ کے بعد یعقوبؑ کی خوش خبری دی۔ وہ بولی: ہائے میری کم بختی کیا اب میرے ہاں اولاد ہوگی جب کہ میں بڑھیا پھونس ہو گئی اور میرے میاں بھی بوڑھے ہو چکے؟ یہ تو بڑی عجیب بات ہے۔ فرشتوں نے کہا: اللہ کے حکم پر تعجب کرتی ہو، ابراہیمؑ کے گھر والو! تم لوگوں پر تو اللہ کی رحمتیں اور اس کی برکتیں ہیں اور یقیناً اللہ نہایت ہی قابل تعریف اور بڑی شان والا ہے۔

اسی طرح سورۃ الانبیاء میں ارشاد فرمایا:

وَوَهَبْنَا لَإِسْحَاقَ ۖ وَيَعْقُوبَ نَافِلَةً ۗ وَكُلًّا جَعَلْنَا صَالِحِينَ ﴿۷۱﴾ (الانبیاء: ۷۱)

اور ہم نے اسے اسحاقؑ عطا کیا اور یعقوبؑ اس پر مزید، اور ہر ایک کو صالح بنایا۔

قرآن مجید کے ان محکم دلائل کی وجہ سے یہ ممکن ہی نہیں کہ حضرت اسماعیلؑ کی بجائے حضرت اسحاقؑ کو ذبح کرنے کا حکم ملا ہو کیونکہ پیدائش کے ساتھ ہی آگے اس کی اولاد کا ذکر کیا جا رہا ہے بلکہ اس کے بیٹے کا نام بھی بتا دیا گیا ہے، تو پھر اس بحث کی کیا ضرورت ہے کہ ذبح اللہ کون تھا؟ نہ کوئی الجھن ہے، نہ کوئی اشتباہ۔ عربوں کے ہاں اس قربانی کی یاد میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد تک قربانی کا تصور موجود تھا۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے باقاعدہ دین کا حصہ بنایا اور خود اس پر عمل کر کے اسے قیامت تک کے لیے سنت ثابتہ کا درجہ دے دیا۔





## حضرت اسماعیلؑ کی ازدواجی زندگی

### حضرت اسماعیلؑ کا بچپن

حضرت اسماعیلؑ کی پیدائش پھر مکہ کی وادی بے آب و گیاہ میں، اپنی والدہ کے ساتھ قیام اور آبِ زم زم کے واقعات پچھلے صفحات میں گزر چکے ہیں۔ اس فصل میں ہم آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث کی روشنی میں آپؐ کی زندگی کے چند مزید گوشے نذر قارئین کر رہے ہیں۔ امام بخاری نے صحیح بخاری میں حضرت سعید بن جبیرؓ، عن عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی ایک طویل حدیث روایت کی ہے، جس میں حضرت اسماعیلؑ کی زندگی اور اہل و عیال کا پورا تذکرہ بیان ہوا ہے۔ ہم ذیل میں اس کا خلاصہ پیش کر رہے ہیں۔

حضرت اسماعیلؑ کی ساری زندگی جدوجہد میں گزری۔ ان کے بچپن کا حال تمام مورخین و محدثین نے بیان کیا ہے۔ اللہ کے راستے میں ان کی قربانی کا تذکرہ قرآن مجید کی سورہ الصافات میں تفصیلاً آیا ہے۔ سیدنا ابراہیمؑ حضرت ہاجرہؑ اور حضرت اسماعیلؑ کو مکہ میں چھوڑ کر واپس تو چلے گئے، مگر ان کے پاس وقتاً فوقتاً تشریف لاتے رہتے تھے۔ حضرت اسماعیلؑ اپنی والدہ کے اکلوتے بیٹے تھے۔ والدہ کی جانب سے نہ کوئی بھائی تھا نہ بہن۔ البتہ حضرت ابراہیمؑ کے دیگر بیٹے بھی تھے جو حضرت اسماعیلؑ کے نسبی بھائی تھے۔ ان میں سب سے معروف حضرت اسحاقؑ ہیں جو حضرت اسماعیلؑ کی طرح اللہ کے نبی بھی تھے۔ وہی بنی اسرائیل کے جد امجد ہیں۔ حضرت اسماعیلؑ اور حضرت اسحاقؑ کے درمیان برادرانہ محبت بھی مثالی تھی اور باہمی رشتہ داری بھی تھی۔ آگے جا کر حضرت اسحاقؑ کی اولاد جو بنی



اسرائیل کے نام سے معروف ہے، بنی اسماعیل کی سخت دشمن بن گئی اور جب آخری نبی بھی بنی اسماعیل میں مبعوث ہوئے تو ان ظالموں کی دشمنی دو آتشہ ہو گئی۔ ان کی نسبت تو حضرت یعقوب علیہ السلام کے ساتھ ہے، مگر ان کا کردار ان کی عظیم شخصیت سے قطعاً کوئی لگا نہیں کھاتا۔

### حضرت یعقوب کا نام اسرائیل

اسرائیل یعنی (عبداللہ) حضرت یعقوب کا دوسرا نام ہے۔ آپ حضرت اسحاق کے بیٹے تھے۔ قرآن مجید میں بیش تر مقامات پر ان کا معروف نام یعقوب مذکور ہے۔ تاہم سورہ آل عمران میں اس نام سے بھی ان کا تعارف کرایا گیا ہے۔ ہم سورہ آل عمران کی آیت، اس کا ترجمہ اور مختصر تشریح پیش کر رہے ہیں:

كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلالًا لِّبَنِي إِسْرَائِيلَ إِلَّا مَا حَرَّمَ إِسْرَائِيلُ عَلَى نَفْسِهِ مِنْ قَبْلِ أَنْ تُنَزَّلَ التَّوْرَةُ ۗ قُلْ فَأْتُوا بِالتَّوْرَةِ فَاتْلُوهَا إِن كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿۹۳﴾  
(آل عمران ۳: ۹۳)

کھانے کی یہ ساری چیزیں (جو شریعت محمدی میں حلال ہیں) بنی اسرائیل کے لیے بھی حلال کی تھیں، البتہ بعض چیزیں ایسی تھیں جنہیں تورات کے نازل کیے جانے سے پہلے اسرائیل (حضرت یعقوب) نے خود اپنے اوپر حرام کر لیا تھا۔ ان سے کہو: اگر تم (اپنے اعتراض میں) سچے تو تولاؤ تورات اور پیش کرو اس کی کوئی عبارت۔

اسرائیل سے مراد اگر بنی اسرائیل لیے جائیں تو مطلب یہ ہوگا کہ نزول تورات سے قبل بعض چیزیں بنی اسرائیل نے محض رسماً حرام قرار دے لی تھیں اور اگر اس سے مراد حضرت یعقوب لیے جائیں تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ آنجناب نے بعض چیزوں سے طبعی کراہت کی بنا پر یا کسی مرض کی بنا پر احتراز فرمایا تھا اور ان کی اولاد نے بعد میں انہیں ممنوع سمجھ لیا۔ یہی موخر الذکر روایت زیادہ مشہور ہے اور بعد والی آیت سے یہ بات صاف طور پر ظاہر ہوتی ہے کہ اونٹ اور خرگوش وغیرہ کی حرمت کا جو حکم بائبل میں لکھا ہے وہ اصل تورات کا حکم نہیں ہے بلکہ یہودی علمائے بعد میں



اسے داخل کتاب کر دیا۔ (تفہیم القرآن، جلد اول، سورہ آل عمران، حاشیہ ۷۷، ص ۲۷۳)  
جب حضرت اسماعیل علیہ السلام جوان ہوئے تو بنو جرہم کے درمیان وہ بہت معزز شمار ہوتے تھے۔ آب زم زم انھی کی سلسبیل تھی اور انھی کے تصرف میں تھی۔

بنو جرہم کی مکہ آمد

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کردہ ایک طویل حدیث میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بچپن سے لے کر جوانی تک کے تمام واقعات مجتمع کیے گئے ہیں۔ اسی حدیث میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کی ازدواجی زندگی کا تذکرہ ملتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بنو جرہم کے لوگ [پانی کی تلاش میں] چشمہ زم زم کے قریب آئے اور حضرت اسماعیل علیہ السلام اور ہاجرہ کو وہاں مقیم پایا تو ان سے وہاں قیام کی اجازت مانگی۔ حضرت ہاجرہ خود چاہتی تھیں کہ وہاں کوئی بستی آباد ہو جائے۔ چنانچہ انھوں نے بخوشی اجازت دے دی۔ بنو جرہم کا پورا قبیلہ اس مقدس خاندان سے بہت عقیدت و محبت رکھتا تھا۔

اس واقعہ سے حضرت ہاجرہ کی شان کا بھی پتا چلتا ہے جو اللہ نے ان کو عطا فرمائی تھی۔ وہ اس مقام پر اپنے معصوم بچے کے ساتھ اکیلی قیام پذیر تھیں۔ اس دور کے معاشرہ میں قوت کے بل بوتے پر کسی چیز پر قبضہ کر لینا عام معمول تھا۔ حضرت ہاجرہ کے پاس بظاہر کوئی قوت نہیں تھی، مگر اللہ تبارک و تعالیٰ کی خصوصی تائید حاصل تھی۔ اسی وجہ سے بنی جرہم نے اپنی ساری قوت کے باوجود آب زم زم پر قبضہ کرنے کی بجائے ان سے پانی کے استعمال اور وہاں قیام کی بصد ادب و احترام اجازت طلب کی۔ آپ خود چاہتی تھیں کہ وہاں کوئی بستی آباد ہو جائے۔ اس لیے آپ نے اس قبیلے کو بخوشی وہاں آباد ہونے کی اجازت دے دی۔ بنو جرہم کا پورا قبیلہ خاندان نبوت کا عقیدت مند بن گیا۔

پہلی شادی

جب مکہ میں کئی گھر بن گئے اور اس عرصے میں اسماعیل علیہ السلام بھی جوان ہو گئے تو انھوں نے



بنو جرہم کے سرداروں سے بہت قریبی دوستانہ تعلقات قائم کر لیے۔ آپ کی مادری زبان عربی نہ تھی جبکہ بنو جرہم عرب تھے۔ آپ نے عربی زبان قبیلہ بنو جرہم کے لوگوں سے سیکھی اور اپنی جوانی ہی سے ان کی نگاہ میں معزز و محترم قرار پائے۔ قبیلہ بنو جرہم کے لوگ ان سے محبت کرنے لگے اور اپنے خاندان کی ایک لڑکی ان سے بیاہ دی۔ بعض روایات کے مطابق اس لڑکی کا نام عمارہ بنت سعد بن اسامہ بن اُگیل تھا جو بنو عمالیق میں سے تھی۔ (البدایة و النہایة، ج ۱، طبع دار ابن حزم، بیروت، ص ۱۲۷)۔

[اسی عرصے میں] حضرت اسماعیل علیہ السلام کی والدہ حضرت ہاجرہ کا انتقال ہو گیا۔ جب اسماعیل علیہ السلام کی شادی ہو چکی تو اپنے معمول کے مطابق حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے اہل و عیال کو دیکھنے آئے۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام اس وقت اپنے گھر میں نہ تھے، انھوں نے اپنی بہو سے پوچھا: اسماعیل کہاں ہے؟ انھوں نے جواب دیا: وہ روزی کی تلاش میں گئے ہیں۔ ابراہیم علیہ السلام نے پوچھا: تمہارا گزارہ کیسے ہوتا ہے؟ انھوں نے شکایت کی اور کہا کہ بہت زیادہ تنگی سے وقت گزر رہا ہے (نحن بشر، نحن فی ضیق و شدّة)۔ ساتھ ہی بہت ساری اور مشکلات بھی بیان کیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: جب تمہارے شوہر آ جائیں تو ان کو میرا سلام کہنا اور ان سے کہنا کہ اپنے دروازے کی چوکھٹ بدل دیں (قُولِيْ لَهُ يُغَيِّرُ عَتَبَةَ بَابِهِ)۔

### والد کی نصیحت اور بیٹے کی اطاعت

یہ پیغام دے کر حضرت ابراہیم علیہ السلام واپس روانہ ہو گئے۔ جب حضرت اسماعیل علیہ السلام گھر تشریف لائے تو انھوں نے کچھ محسوس کیا اور اہلیہ سے پوچھا: کیا تمہارے پاس کوئی مہمان آیا تھا؟ اس نے کہا: ہاں ایک بزرگ آئے تھے، انھوں نے آپ کے متعلق سوال کیا تو میں نے ان کو بتا دیا، پھر انھوں نے ہماری زندگی کے متعلق سوال کیا تو میں نے ان کو بتا دیا کہ ہم لوگ بڑی مشقت اور بڑی پریشانی میں ہیں۔ یہ سن کر حضرت اسماعیل علیہ السلام نے پوچھا: کیا انھوں نے تمہیں کسی چیز کی وصیت بھی کی تھی؟ بیوی نے کہا: ہاں، انھوں نے حکم دیا کہ میں آپ کو سلام کہہ دوں اور یہ بھی کہا کہ



آپ اپنے دروازے کی چوکھٹ کو تبدیل کر دیں۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام نے فرمایا: وہ میرے والد تھے اور انھوں نے اپنے اس پیغام میں مجھے حکم دیا ہے کہ میں تمہیں اپنے سے جدا کر دوں، لہذا تم اپنے گھر والوں کے پاس چلی جاؤ۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام نے اس بیوی کو طلاق دے دی [اس سے ابھی کوئی اولاد نہ ہوئی تھی]۔

### دوسری شادی

پھر آپ نے قبیلہ بنو جرہم کی دوسری لڑکی سے شادی کر لی، اس کا نام سیدہ بنت مضاہ بن عمرو الجرحمی تھا۔ اس بیوی سے آپ کے بارہ بیٹے پیدا ہوئے۔ ان کے نام بھی ابن کثیر نے بیان کیے ہیں: (۱) نابت، (۲) قیدر، (۳) اذبل، (۴) میثی، (۵) مسمع، (۶) ماش، (۷) دُما، (۸) اذر، (۹) یطور، (۱۰) نبش، (۱۱) طیما اور (۱۲) قیذا۔ ان بارہ بھائیوں کی ایک ہی بہن تھی، جس کا نام نسہ بنت اسماعیل تھا۔ آپ نے اپنی بیٹی کی شادی اپنے بھائی اسحاق بن ابراہیم کے بیٹے العیس بن اسحاق سے کی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بعد مکانی کے باوجود دونوں بھائیوں کے درمیان باہمی تعلقات بہت مضبوط اور قریبی تھے۔ ابن کثیر کے مطابق حضرت اسماعیل کے دو نواسے بہت معروف ہوئے۔ ایک کا نام الروم تھا، دوسرے کا نام الیونان تھا۔ (ایضاً)۔

ابراہیم علیہ السلام اللہ کے اذن اور حکم کے مطابق ہی سفر کیا کرتے تھے۔ آپ نے اس وقت تک مکہ کی طرف اگلا سفر نہ کیا جب تک اللہ نے اذن نہ دیا۔ پھر ایک زمانے کے بعد تشریف لائے، تو حضرت اسماعیل علیہ السلام اب بھی گھر پر موجود نہیں تھے، لہذا ان کی بیوی کے پاس گئے اور ان سے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے متعلق سوال کیا۔ ان کی اہلیہ نے کہا کہ وہ روزی کی تلاش میں نکلے ہوئے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دوسرا سوال کیا کہ تمہارے شب و روز کیسے گزر رہے ہیں؟ بہونے جواب دیا: اللہ کا شکر ہے ہم لوگ خیر و عافیت سے ہیں اور اللہ کی حمد و ثنا بیان کی (نحن بخیر وسعة، واثنت علی اللہ عزّ و جل)۔ یہ جواب سن کر حضرت ابراہیم علیہ السلام خوش ہوئے اور پھر دوسرا سوال کیا کہ تمہارا طعام کیا ہے؟ بہونے جواب دیا: گوشت۔ پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سوال کیا تمہارا مشروب کیا ہے؟ بہونے جواب دیا [زم زم کا] پانی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا



دی اور کہا: اللَّهُمَّ بَارِكْ لَهُمْ فِي اللَّحْمِ وَالْمَاءِ۔ اے اللہ ان لوگوں کے لیے گوشت اور پانی میں برکت دے۔ یہاں تک گفتگو کرنے کے بعد آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اس روز اس گھر میں کھانے کی کوئی چیز نہیں تھی، اگر کوئی اور چیز بھی ہوتی تو اس کے لیے بھی وہ برکت کی دعا کرتے۔

### دوسری نصیحت

اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: [یہ اس عظیم خاتون کی عظمت اور صبر و شکر کی اعلیٰ مثال تھی] حالانکہ اس وقت ان کے پاس گھر میں خوراک کا ایک دانہ بھی نہ تھا۔ بہر حال حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کے لیے ان کے اکل و شرب میں برکت کی دعا کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان دونوں میاں بیوی کے صبر و توکل اور دعائے خلیل کی وجہ سے مکہ میں ہر چیز فراوانی سے پائی جاتی ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے رخصت ہوتے ہوئے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اہلیہ سے فرمایا: جب تمہارے شوہر آ جائیں تو ان کو میرا سلام کہنا اور ان کو میری طرف سے حکم پہنچا دینا کہ وہ اپنے دروازے کی چوکھٹ برقرار رکھیں۔

آج بھی جب اسماعیل علیہ السلام گھر تشریف لائے تو اپنی بیوی سے سوال کیا: کیا تمہارے پاس کوئی مہمان آیا تھا؟ ان کی بیوی نے جواب دیا کہ ہاں ایک اچھی شکل و صورت والے بہت پیارے بزرگ آئے تھے اور ان کی خوب تعریف کی۔ انہوں نے مجھ سے آپ کے متعلق سوال کیا تو میں نے ان کو جواب دے دیا۔ پھر انہوں نے سوال کیا کہ ہماری زندگی کیسی گزر رہی ہے؟ تو میں نے ان کو بتایا کہ ہم لوگ خیر و عافیت سے ہیں۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام یہ سن کر خوش ہوئے اور اپنی بیوی سے پوچھا: کیا انہوں نے تمہیں کوئی وصیت بھی کی تھی؟ اس نے جواب دیا کہ ہاں۔ انہوں نے آپ کو سلام کہا ہے اور یہ بھی حکم دیا ہے کہ آپ اپنے دروازے کی چوکھٹ برقرار رکھیں (ہو یقرأ علیک السلام ویامرک ان تثبت عتبتہ بابک)۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام نے فرمایا کہ وہ میرے والد حضرت ابراہیم علیہ السلام تھے اور چوکھٹ تم ہو اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں تمہیں اپنے پاس رکھوں۔ (البدایة والنہایة، ج ۱، طبع دار ابن حزم، بیروت، ص ۱۲۷)۔



## بیت اللہ کی تعمیر

اس سفر کے بعد پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ کے حکم کے مطابق انتظار کیا اور جب اذن ربانی ملا تو کچھ عرصے کے بعد تشریف لائے۔ اس مرتبہ حضرت اسماعیل علیہ السلام مکہ ہی میں تھے اور زم زم کے قریب درخت کے نیچے بیٹھے ہوئے تیر درست کر رہے تھے۔ جب انہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دیکھا تو دل بہت خوش ہوا۔ وہ ان کی جانب محبت اور احترام سے بڑھے اور پھر اس طرح ان کا استقبال کیا جس طرح ایک بیٹا اپنے باپ کا خیر مقدم کرتا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بھی ان سے ایسا سلوک کیا جیسا ایک باپ اپنے بیٹے کے ساتھ کرتا ہے۔ پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: اے اسماعیل مجھے اللہ نے ایک کام کا حکم دیا ہے۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام نے عرض کیا: آپ کے رب نے جو حکم دیا ہے اس کو کر ڈالیے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ کیا تم میری مدد کرو گے؟ حضرت اسماعیل علیہ السلام نے جواب دیا کہ میں بالکل کروں گا۔

پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے یہاں مجھے ایک گھر بنانے کا حکم دیا ہے اور اونچے ٹیلے اور اس کے ارد گرد کی جانب اشارہ کیا۔ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان دونوں پیغمبرانِ خدا نے بیت اللہ کی دیواروں کو اٹھایا، اسماعیل علیہ السلام پتھر لارہے تھے اور ابراہیم علیہ السلام تعمیر کر رہے تھے۔ یہاں تک کہ جب عمارت بلند ہو گئی تو ایک پتھر کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے کھڑا ہونے کے لیے رکھ دیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اس پتھر پر کھڑے ہو کر تعمیر کرتے جاتے تھے اور اسماعیل علیہ السلام ان کو پتھر دیتے جا رہے تھے۔ اس دوران وہ دونوں باپ بیٹا یہ دعا کر رہے تھے:

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ۔ (البقرة ۲: ۱۲۷)۔ اے ہمارے

پروردگار! ہماری جانب سے اس کو قبول فرما، بے شک تو سننے والا اور جاننے والا ہے۔

(صحیح بخاری، کتاب احادیث الانبیاء، النسلان فی المشی، ص ۵۶۱-۵۶۳،

حدیث ۳۳۶۴، دارالاسلام، للنشر والتوزیع، الرياض، فتح الباری، ج ۶، کتاب

احادیث الانبیاء، النسلان فی المشی، ص ۴۷۸-۴۸۱، دارالاسلام، ریاض)



## تعمیر کعبہ عظیم سعادت

تعمیر کعبہ اپنی جگہ ایک بہت عظیم کارنامہ ہے۔ قرآن و حدیث میں اس کا تذکرہ اتنی شرح و بسط کے ساتھ آیا ہے کہ اس کو پڑھتے ہوئے قاری یوں محسوس کرتا ہے جیسے وہ ان دو عظیم ہستیوں کے ساتھ جو معماران کعبہ ہیں خود بھی اس کا رخیر میں شریک ہے۔ خانہ کعبہ کی تعمیر بلاشبہ بہت بڑا اعزاز ہے اور تاریخ کے ہر دور میں مسلمان حکمرانوں نے یہ سعادت حاصل کرنے کے لیے توسیع حرمین کا عظیم الشان کام سرانجام دیا ہے۔ تعمیر کعبہ کا تفصیلی بیان اگلے باب میں دیا جا رہا ہے۔

پیکرِ صبر و شکر خاتون!

تاریخ کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت اسماعیل کی پہلی بیوی بھی نیک اور پاک دامن تھی، مگر صبر و شکر اور قناعت کے اس مقام پر نہیں تھی جو اس گھر کا طرہ امتیاز رہا۔ سیدہ ہاجرہ رضی اللہ عنہا کی تسلیم و رضا کی تو مثال بھی تاریخ میں شاذ و نادر ہی مل سکتی ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام چاہتے تھے کہ ان کے بیٹے کے گھر بھی ایسی خاتون ہو جو ان سنہری روایات کی پاسداری کر سکے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا اہتمام کر دیا۔ ان کی دوسری بیوی صبر و قناعت اور شکر و حمد باری کے ضمن میں ایک مثالی خاتون تھیں۔ پہلی بیوی سے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی کوئی اولاد ثابت نہیں ہے۔ البتہ اس دوسری بیوی سے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد ہوئی جسے اللہ نے بہت زیادہ برکات سے نوازا۔ انھی میں نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے۔ اولاد اسماعیل علیہ السلام کے تفصیلی حالات اگلے صفحات میں تعمیر کعبہ کے بعد ملاحظہ فرمائیے۔ (صحیح بخاری، کتاب: احادیث الانبیاء، باب: یز قون [الصافات: ۹۴] النسلان فی المشی، حدیث: ۳۳۶۲، البدایة والنہایة، ج ۱، طبع دار ابن حزم، بیروت، ص ۱۲۶-۱۲۷، سیرة النبویة، لابن کثیر، تحقیق مصطفیٰ عبدالماجد، دار المعرفۃ، بیروت، ص ۵۶-۵۷، تاریخ الرسل والملوک، ۱/۱۸۹، ذکر خبر اولاد اسماعیل بن ابراہیم)





## بیت اللہ کی تعمیر

### اللہ کا پہلا گھر

اللہ تبارک و تعالیٰ نے قرآن پاک میں ارشاد فرمایا ہے کہ کرۃ ارضی پر اللہ کا پہلا گھر مکہ معظمہ میں موجود خانہ کعبہ ہے۔ قرآن میں ارشاد ہوا:

إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِي بِبَكَّةَ مُبْرَكًا وَهُدًى لِلْعَالَمِينَ ﴿۱۱﴾ فِيهِ آيَاتٌ بَيِّنَاتٌ مَّقَامُ إِبْرَاهِيمَ ۚ وَمَنْ دَخَلَهُ كَانَ آمِنًا ۗ وَاللَّهُ عَلَى النَّاسِ حَكِيمٌ  
الْبَيْتِ مَنِ اسْتِطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا ۚ وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ اللَّهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِينَ ﴿۱۲﴾ (آل عمران ۳: ۹۶-۹۷)

بے شک پہلی عبادت گاہ جو انسانوں کے لیے تعمیر ہوئی وہ وہی ہے جو مکہ میں واقع ہے۔ اس کو خیر و برکت دی گئی تھی اور تمام جہان والوں کے لیے مرکز ہدایت بنایا گیا تھا۔ اس میں کھلی ہوئی نشانیاں ہیں، ابراہیمؑ کا مقام عبادت ہے، اور اس کا حال یہ ہے کہ جو اس میں داخل ہوا مومن ہو گیا۔ لوگوں پر اللہ کا یہ حق ہے کہ جو اس گھر تک پہنچنے کی استطاعت رکھتا ہو وہ اس کا حج کرے، اور جو کوئی اس حکم کی پیروی سے انکار کرے تو اسے معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ تمام دنیا والوں سے بے نیاز ہے۔

علامہ اقبالؒ نے اپنے ترانہ ملی میں کیا خوب کہا ہے:

دنیا کے بت کدوں میں پہلا وہ گھر خدا کا

ہم اس کے پاسباں ہیں وہ پاسباں ہمارا

اسی طرح سورۃ البقرہ میں ارشاد فرمایا:



وَإِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَأَمْنًا ۖ وَاتَّخِذُوا مِن مَّقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى ۖ وَعَهِدْنَا  
إِلَىٰ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ أَنَّ طَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّائِفِينَ وَالْقَائِمِينَ وَالرُّكَّعِ السُّجُودِ ﴿۱۲۵﴾  
(البقرة ۲: ۱۲۵)

اور یہ کہ ہم نے اس گھر (کعبے) کو لوگوں کے لیے مرکز اور امن کی جگہ قرار دیا تھا اور لوگوں کو حکم دیا تھا کہ ابراہیمؑ جہاں عبادت کے لیے کھڑا ہوتا ہے اس مقام کو مستقل جائے نماز بنا لو، اور ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ کو تاکید کی تھی کہ میرے اس گھر کو طواف اور اعتکاف اور رکوع اور سجدہ کرنے والوں کے لیے پاک رکھو۔

### انبیاء، بیت اللہ کے معمار

اس گھر کی تعمیر اللہ کے دو عظیم المرتبت نبیوں سیدنا ابراہیمؑ اور سیدنا اسماعیلؑ نے اللہ کی ہدایت اور اس کے حکم کے مطابق کی۔ باپ بیٹا تعمیر میں لگے ہوئے تھے اور اللہ کی رحمتیں ان کی طرف متوجہ تھیں۔ اس گھر کی عظمت کے کیا کہنے جس کے معمار انبیاء اللہ ہوں! اس گھر کی تعمیر مکمل ہو جانے پر حضرت ابراہیمؑ کو حکم ہوا کہ وہ لوگوں کو پکاریں کہ اللہ کا گھر تعمیر ہو گیا ہے اب اس کی طرف ہر جانب سے پورے ذوق و شوق کے ساتھ حج کے لیے رحلت سفر باندھو۔ اس کا تذکرہ پہلے گزر چکا ہے اور آگے بھی مزید تفصیل کے ساتھ قرآن کے الفاظ میں عرض خدمت کیا جا رہا ہے۔ تعمیر کعبہ کا تذکرہ قرآن پاک میں یوں ہوا:

وَإِذْ يَرْفَعُ إِبْرَاهِيمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَإِسْمَاعِيلُ ۖ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ۖ إِنَّكَ أَنْتَ  
السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿۱۲۶﴾ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِن ذُرِّيَّتِنَا أُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ ۗ  
وَآبِرْنَا مِنَّا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا ۖ إِنَّكَ أَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ﴿۱۲۸﴾ رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ  
رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ ۖ إِنَّكَ  
أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿۱۲۹﴾ (البقرة ۲: ۱۲۹-۱۲۸)

اور یاد کرو، ابراہیمؑ، اور اسماعیلؑ جب اس گھر کی دیواریں اٹھا رہے تھے، تو دعا کرتے



جاتے تھے: اے ہمارے رب ہم سے یہ خدمت قبول فرمائے، تو سب کی سننے والا اور سب کچھ جاننے والا ہے۔ اے رب! ہم دونوں کو اپنا مسلم (مطیع فرمان) بنا، ہماری نسل سے ایک ایسی قوم اٹھا، جو تیری مسلم ہو، ہمیں اپنی عبادت کے طریقے بتا اور ہماری کوتاہیوں سے درگزر فرما، تو بڑا معاف کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔ اور اے رب! ان لوگوں میں خود انہی کی قوم سے ایک رسول اٹھائیو، جو انہیں تیری آیات سنائے، ان کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دے اور ان کی زندگیاں سنوارے تو بڑا مقتدر اور حکیم ہے۔

حج اور شعائر اللہ

خانہ کعبہ کی تعمیر جب مکمل ہو چکی اور اللہ تعالیٰ نے اپنے دو برگزیدہ پیغمبروں کی اس کاوش کو شرف قبولیت بخشا تو ارشاد ہوا:

وَإِذْ بَوَّأْنَا لِإِبْرَاهِيمَ مَكَانَ الْبَيْتِ أَنْ لَا تُشْرِكْ بِي شَيْئًا وَطَهِّرْ بَيْتِيَ لِلطَّائِفِينَ وَالْقَائِمِينَ وَالرُّكَّعِ السُّجُودِ ۝ وَأَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَأْتُوكَ رِجَالًا وَعَلَىٰ كُلِّ ضَامِرٍ يَأْتِينَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَبِيقٍ ۝ لِيَشْهَدُوا مَنَافِعَ لَهُمْ وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ فِي أَيَّامٍ مَّعْلُومَةٍ عَلَىٰ مَا رَزَقْتَهُمْ مِنْ بَهِيمَةِ الْأَنْعَامِ ۖ فَكُلُوا مِنْهَا وَأَطِيعُوا أَمْرَ الْفَقِيرِ ۝ ثُمَّ لِيَقْضُوا تَفَثَهُمْ وَلِيُوفُوا نَدْوَاهُمْ وَلِيَطَّوَّفُوا بِالْبَيْتِ الْعَتِيقِ ۝ ذَلِكَ ۖ وَمَنْ يُعْظَمْ حُرْمَتِ اللَّهِ فَهُوَ خَيْرٌ لَهُ عِنْدَ رَبِّهِ ۗ وَأُحِلَّتْ لَكُمْ الْأَنْعَامُ إِلَّا مَا يُتْلَىٰ عَلَيْكُمْ فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْأَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوا قَوْلَ الزُّورِ ۗ حُنْفَاءَ اللَّهِ غَيْرَ مُشْرِكِينَ بِهِ ۗ وَمَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَكَأَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَاءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ أَوْ تَهْوِي بِهِ الرِّيحُ فِي مَكَانٍ سَحِيقٍ ۝ ذَلِكَ ۖ وَمَنْ يُعْظَمْ شَعَائِرَ اللَّهِ فَإِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوبِ ۝ لَكُمْ فِيهَا مَنَافِعُ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ مَحِلُّهَا إِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيقِ ۝ (الحج ۲۲: ۲۶-۳۳)

یاد کرو وہ وقت جبکہ ہم نے ابراہیم کے لیے اس گھر (خانہ کعبہ) کی جگہ تجویز کی تھی (اس ہدایت کی ساتھ) کہ میرے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرو، اور میرے گھر کو طواف کرنے



والوں اور قیام اور رکوع و سجود کرنے والوں کے لیے پاک رکھو، اور لوگوں کو حج کے لیے اذن عام دے دو کہ وہ تمہارے پاس ہر دور دراز مقام سے پیدل اور اونٹوں پر سوار آئیں، تاکہ وہ فائدے دیکھیں جو یہاں ان کے لیے رکھے گئے ہیں، اور چند مقرر دنوں میں ان جانوروں پر اللہ کا نام لیں جو اس نے انہیں بخشے ہیں، خود بھی کھائیں اور تنگ دست و محتاج کو بھی دیں، پھر اپنا میل کچیل دور کریں اور اپنی نذریں پوری کریں اور اس قدیم گھر کا طواف کریں۔

### بتوں کی گندگی سے بچو

یہ تھا (تعمیر کعبہ کا مقصد) اور جو کوئی اللہ کی قائم کردہ حرمتوں کا احترام کرے تو یہ اس کے رب کے نزدیک خود اسی کے لیے بہتر ہے۔ اور تمہارے لیے مویشی جانور حلال کیے گئے، ماسوا ان چیزوں کے جو تمہیں بتائی جا چکی ہیں۔ پس بتوں کی گندگی سے بچو، جھوٹی باتوں سے پرہیز کرو، یکسو ہو کر اللہ کے بندے بنو، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو اور جو کوئی اللہ کے ساتھ شرک کرے تو گویا آسمان سے گر گیا، اب یا تو اسے پرندے اچک لے جائیں گے یا ہو اس کو ایسی جگہ لے جا کر پھینک دے گی جہاں اس کے چیتھڑے اڑ جائیں گے۔ یہ ہے اصل معاملہ (اسے سمجھ لو) اور جو اللہ کے مقرر کردہ شعائر کا احترام کرے تو یہ دلوں کے تقویٰ سے ہے۔ تمہیں ایک وقت مقرر تک ان (ہدی کے جانوروں) سے فائدہ اٹھانے کا حق ہے، پھر ان (کے قربان کرنے) کی جگہ اسی قدیم گھر کے پاس ہے۔

### دعائے خلیل اللہ علیہ السلام

اس وادی بے آب و گیاہ میں اپنی اولاد [بنو اسماعیل] کو آباد کرنے کی غایت بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہی بیان کی کہ وہ نماز قائم کریں اور اس مرکز تو حید کو آباد رکھیں۔ ان کی گزر اوقات کے لیے بھی اللہ سے دعا کی۔ بت پرستی اور شرک سے اللہ کی پناہ طلب کی۔ ساتھ ہی اللہ کے انعامات پر اس کا شکر ادا کیا اور آخر میں ایک جامع دعا کی:



وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّ اجْعَلْ هَذَا الْبَلَدَ آمِنًا وَاجْنُبْنِي وَبَنِيَّ أَنْ نَعْبُدَ  
 إِلَّا صُنَامًا ۗ رَبِّ انْهِنِّي أَنْ أَضِلَّنَا كَثِيرًا مِّنَ النَّاسِ ۚ فَمَنْ تَبِعَنِي فَإِنَّهُ مِنِّي ۚ  
 وَمَنْ عَصَانِي فَإِنَّكَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٣٦﴾ رَبَّنَا إِنِّي أَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِي بِوَادٍ غَيْرِ  
 ذِي ذُرْمَةٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِيُقِيمُوا الصَّلَاةَ فَاجْعَلْ أَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ  
 تَهْوِي إِلَيْهِمْ وَارْزُقْهُمْ مِّنَ الثَّمَرَاتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُونَ ﴿٣٧﴾ رَبَّنَا إِنَّكَ تَعْلَمُ مَا  
 نُخْفِي وَمَا نُعْلِنُ ۗ وَمَا يَخْفَىٰ عَلَى اللَّهِ مِنْ شَيْءٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ ﴿٣٨﴾  
 الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي وَهَبَ لِي عَلَى الْكِبَرِ إِسْعِيلَ وَإِسْحَاقَ ۗ إِنَّ رَبِّي لَسَبِّحُ الدُّعَاءِ ﴿٣٩﴾  
 رَبِّ اجْعَلْنِي مُقِيمَ الصَّلَاةِ وَمِنْ ذُرِّيَّتِي رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَاءِ ﴿٤٠﴾ رَبَّنَا اغْفِرْ لِي  
 وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِينَ يَوْمَ يَقُومُ الْحِسَابُ ﴿٤١﴾ (ابراہیم ۱۴: ۳۵-۴۱)

### امن کا گہوارا

یاد کرو وہ وقت جب ابراہیم نے دعا کی تھی کہ ”پروردگار، اس شہر (یعنی مکہ) کو امن کا شہر بنا  
 اور مجھے اور میری اولاد کو بت پرستی سے بچا۔ پروردگار، ان بتوں نے بہتوں کو گمراہی میں  
 ڈالا ہے (ممکن ہے کہ میری اولاد کو بھی یہ گمراہ کر دیں، لہذا ان میں سے) جو میرے  
 طریقے پر چلے وہ میرا ہے اور جو میرے خلاف طریقہ اختیار کرے تو یقیناً تو درگزر کرنے  
 والا مہربان ہے۔ پروردگار، میں نے ایک بے آب و گیاہ وادی میں اپنی اولاد کے ایک  
 حصے کو تیرے محترم گھر کے پاس لا بسایا ہے۔ پروردگار، یہ میں نے اس لیے کیا ہے کہ یہ  
 لوگ یہاں نماز قائم کریں، لہذا تو لوگوں کے دلوں کو ان کا مشاق بنا اور انہیں کھانے کو پھل  
 دے، شاید کہ یہ شکر گزار بنیں۔ پروردگار، تو جانتا ہے جو کچھ ہم چھپاتے ہیں اور جو کچھ ظاہر  
 کرتے ہیں۔ اور واقعی اللہ سے کچھ بھی چھپا ہوا نہیں ہے، نہ زمین میں نہ آسمانوں میں۔  
 شکر ہے اس خدا کا جس نے مجھے اس بڑھاپے میں اسماعیل اور اسحاق جیسے بیٹے دیے،  
 حقیقت یہ ہے کہ میرا رب ضرور دعا سنتا ہے۔ اے میرے پروردگار، مجھے نماز قائم کرنے



والا بنا اور میری اولاد سے بھی (ایسے لوگ اٹھا جو یہ کام کریں)۔ پروردگار، میری دعا قبول کر۔ پروردگار، مجھے اور میرے والدین کو اور سب ایمان لانے والوں کو اس دن معاف کر دیجو جبکہ حساب قائم ہوگا۔

آنکھوں میں آنسو، دل میں سوز و گداز

وہ دن اور آج کا دن اللہ تعالیٰ نے اس گھر کو ایسا شرف بخشا کہ اربوں انسان ان خشک اور چٹیل پہاڑوں کے درمیان آباد اس گھر کی طرف یوں دیوانہ وار کھینچے چلے آتے ہیں کہ لبوں پہ تلبیہ، تحمید و تقدیس اور تکبیر و تہلیل کے ساتھ آنکھوں میں آنسو اور دلوں میں اعلیٰ درجے کا گداز انہیں ہر چیز سے لاتعلق بنا کر اللہ کی محبت سے سرشار کر دیتا ہے۔ یہ ایک زندہ حقیقت ہے کہ اس ایمان افروز سفر کا تسلسل تا قیامت یونہی جاری و ساری رہے گا اور اس گھر کی رونقیں زمانے کے ہر تغیر و تبدل سے بے نیاز یونہی جو بن پہ رہیں گی۔ یہ امن کا گہوارہ اور اخوت و محبت کا عالم گیر مرکز ہے۔ جو بھی یہاں آئے وہ خانہ کعبہ کے گرد سات چکر لگاتا ہے، مقام ابراہیم پر تشکر کے نفل ادا کرتا ہے۔ پھر حضرت ہاجرہ کے نقشِ پا پہ دوڑتا ہے اور آب زم زم سے اپنی روحانی و جسمانی پیاس بجھاتا ہے۔

یہ بات بھی قابل غور ہے کہ خانہ کعبہ کی تعمیر پہلے ہوئی تھی یا حضرت اسماعیل علیہ السلام کی قربانی کا واقعہ پہلے رونما ہوا تھا۔ ہماری رائے میں قربانی کا واقعہ پہلے کا ہے، جب حضرت اسماعیل علیہ السلام ابھی بالکل نوخیز بچے تھے، جبکہ خانہ کعبہ کی تعمیر ان کی بھرپور جوانی کے دور میں ہوئی، جب وہ بھاری پتھراٹھا کر اپنے والد گرامی قدر کو پکڑاتے تھے۔ (البدایة والنہایة، ج ۱، طبع دار ابن حزم، بیروت، ص ۱۰۷-۱۰۹، طبقات ابن سعد، ج ۱، ص ۵۲،)





## خانہ کعبہ میں اصنام

### شیطان کی چال

خانہ کعبہ کی تعمیر اللہ کے دو برگزیدہ نبیوں نے کی۔ یہ توحید کی علامت کے طور پر اللہ کی زمین پر صدیوں تک جگمگاتا رہا۔ اولادِ اسماعیل اور دیگر عرب دینِ ابراہیمی پر گامزن رہے۔ پہلی بار خانہ کعبہ کے تقدس کو بتوں سے مجروح کرنے والا شخص تاریخ میں عمرو بن لُحی کے نام سے معروف ہے۔ اس بدترین حرکت کی پٹی شیطان نے اسے پڑھائی تھی۔ شیطان روزِ اول سے بنی نوع آدم کو گمراہ کرنے میں سرگرم رہا ہے۔ تاریخ میں بیان ہوا ہے کہ شیطان اس سردار کے ساتھ طوافِ بیت اللہ کے دوران شریک ہو گیا اور جب یہ لَبَّيْكَ اللَّهُمَّ لَبَّيْكَ، لَا شَرِيكَ لَكَ لَبَّيْكَ پکار رہا تھا تو شیطان نے جو ایک بہت بوڑھے شیخ کی صورت میں نظر آ رہا تھا، اسے شریک کلمات ادا کرنے پر آمادہ کر لیا۔ شیطان ہی کے زیر اثر اس شخص نے خانہ کعبہ کے اندر بھی اور اس کے باہر بھی بت سجا دیے۔ اسی کے دور میں کئی اور جاہلی رسومات نے بھی جڑ پکڑی، جن کا تذکرہ آگے آئے گا۔

### قدیم بت

کہا جاتا ہے کہ یہ شخص ۳۴۰ سال کی عمر میں فوت ہوا۔ شیطان نے اس کے ساتھ اپنے چیلوں کو لگا دیا تھا۔ انھی کے زیر اثر نوح علیہ السلام اور دیگر انبیاء کے دور کے مشرکین کے بت بھی عرب میں لا کر رکھ دیے گئے۔ کہا جاتا ہے کہ وَدّ، سواع، یغوث، یعوق اور نسر آدم علیہ السلام کے پانچ صالح بیٹے یا پوتے پڑ پوتے تھے۔ سب سے پہلے وَدّ فوت ہوا تو پوری قوم پر غم کی چادر تن گئی۔



اس کی قبر پر لوگ مسلسل جمع ہونے لگے۔ اس منظر کو بھی دیکھ کر شیطان نے ایک انسانی شکل میں ان کو گمراہ کیا۔ اس کی تصویر کے مطابق پتھر کا ایک بت بنایا اور اسے اس کی قبر پر نصب کر دیا۔ اسی طرح دیگر صلحا کی وفات پر بھی اس نے یہی کام کیا، تا آنکہ حضرت نوح علیہ السلام مبعوث ہوئے اور انہوں نے ان بتوں کا بطلان واضح کیا۔ قرآن پاک میں اس کا تذکرہ یوں ملتا ہے:

قَالَ نُوحٌ رَبِّ إِنَّهُمْ عَصَوْنِي وَاتَّبَعُوا مَنْ لَّمْ يَزِدْكَ مَالَهُ وَوَلَدًا إِلَّا خَسَارًا ﴿٢١﴾ وَ مَكَرُوا مَكْرًا كُبَّارًا ﴿٢٢﴾ وَقَالُوا لَا تَنْدُرُنَّ إِلَٰهَتِكُمْ وَلَا تَنْدُرُنَّ وُدًّا وَلَا سِوَاعًا ۗ وَلَا يَعْوَتُ وَيَعُوقُ وَنَسْرًا ﴿٢٣﴾ وَقَدْ أَضَلُّوا كَثِيرًا ۗ وَلَا تَزِدِ الظَّالِمِينَ إِلَّا ضَلَالًا ﴿٢٤﴾ مِمَّا خَطَبْتَهُمْ أُغْرِقُوا فَأَدْخَلُوا نَارًا ۗ فَلَمْ يَجِدُوا لَهُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ أَنْصَارًا ﴿٢٥﴾ وَقَالَ نُوحٌ رَبِّ لَا تَذُرْ عَلَيَّ الْآرِضَ مِنَ الْكٰفِرِينَ دَيَّارًا ﴿٢٦﴾ إِنَّكَ إِن تَذُرْهُمْ يُضِلُّوا عِبَادَكَ وَلَا يَلِدُوا إِلَّا فَاٰجِرًا كٰفَرًا ﴿٢٧﴾ رَبِّ اغْفِرْ لِي وَ لِوَالِدَيَّ وَ لِمَنْ دَخَلَ بَيْتِيَ مُؤْمِنًا وَ لِلْمُؤْمِنِينَ وَ الْهُؤْمِنَاتِ ۗ وَلَا تَزِدِ الظَّالِمِينَ إِلَّا تَبَارًا ﴿٢٨﴾ (نوح ۷۱: ۲۱-۲۸)

### حضرت نوح علیہ السلام کی دعا

نوح نے کہا: اے میرے رب، انہوں نے میری بات رد کر دی ہے اور ان (رہیسوں) کی پیروی کی جو مال اور اولاد پا کر اور زیادہ نامراد ہو گئے ہیں۔ ان لوگوں نے بڑا بھاری مکر کا جال پھیلا رکھا ہے۔ انہوں نے کہا ہرگز نہ چھوڑو اپنے معبودوں کو، اور نہ چھوڑو وڈ اور سواع کو، اور نہ یعوث اور یعوق اور نسر کو۔ انہوں نے بہت لوگوں کو گمراہ کیا ہے اور تو بھی ان ظالموں کو گمراہی کے سوا کسی چیز میں ترقی نہ دے۔

اپنی خطاؤں کی بنا پر ہی وہ غرق کیے گئے اور آگ میں جھونک دیے گئے، پھر انہوں نے اپنے لیے اللہ سے بچانے والا کوئی مددگار نہ پایا۔ اور نوح نے کہا، ”میرے رب، ان کافروں میں سے کوئی زمین پر بسنے والا نہ چھوڑ۔ اگر تو نے ان کو چھوڑ دیا تو یہ تیرے



بندوں کو گمراہ کریں گے اور ان کی نسل سے جو بھی پیدا ہوگا بدکار اور سخت کافر ہی ہوگا۔ میرے رب، مجھے اور میرے والدین کو اور ہر اس شخص کو جو میرے گھر میں مومن کی حیثیت سے داخل ہوا ہے، اور سب مومن مردوں اور عورتوں کو معاف فرمادے، اور ظالموں کے لیے ہلاکت کے سوا کسی چیز میں اضافہ نہ ہو۔

سیدنا نوح علیہ السلام کی یہ دعا حرف بحرف پوری ہوئی۔ جب اللہ نے اس قوم کو تباہ کرنے کا فیصلہ فرمایا تو کافروں میں سے کوئی فرد بشر حسی کہ نوح علیہ السلام کا کافر بیٹا اور کافر بیوی بھی سیلاب کی زد میں تباہ و برباد ہو گئے۔ اس واقعہ کے بعد جو لوگ بچے وہ اولاد آدم میں سے صرف وہی تھے جو حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی میں سوار تھے۔ حضرت نوح علیہ السلام کو اسی وجہ سے آدم ثانی بھی کہا جاتا ہے۔

### صفا و مروہ پر بت

اسی پر بس نہیں اساف اور نائلہ کے بارے میں یہ کہا جاتا ہے کہ ان کے بت جو صفا مروہ پر نصب تھے، وہ دونوں مرد و خاتون بدکاری کے جرم میں سنگسار کیے گئے تھے یا اللہ کی طرف سے پکڑ کے نتیجے میں ان کی شکلیں مسخ کر کے ان کو پتھر بنا دیا گیا تھا۔ ابن ہشام اپنی سیرت میں ابن اسحاق کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ یہ دونوں مرد و زن بنو جرہم میں سے تھے۔ اساف بن بخی اور نائلہ بنت دیک نے خانہ کعبہ کے اندر بدکاری کا ارتکاب کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو پتھر بنا دیا۔ ابن اسحاق نے عبد اللہ بن ابوبکر بن محمد بن عمرو بن حزم اور انھوں نے عمرہ بنت عبد الرحمن بن سعد بن زرارہ سے سنا کہ وہ فرماتی تھیں کہ میں نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو فرماتے سنا: ”ہم مسلسل سنتے چلے آ رہے ہیں کہ اساف اور نائلہ ایک مرد اور عورت تھے، جن کا تعلق بنو جرہم سے تھا۔ انھوں نے خانہ کعبہ میں اللہ کی نافرمانی کی تو اللہ نے ان کی شکلیں مسخ کر دیں اور انھیں پتھر بنا دیا۔ واللہ اعلم۔“ بد بخت مشرکین نے ان کو بتوں کا درجہ دے کر الوہیت کا مقام دے دیا۔

(سیرة ابن ہشام، القسم الاول، ص ۸۲)



## بتوں کا خاتمہ، شیطان کی مہلت

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب خانہ کعبہ کو بتوں سے پاک کیا تو اس وقت خانہ کعبہ میں ۳۶۰ بت سجے ہوئے تھے۔ آپ کے دور میں تمام بتوں کو ملیا میٹ کیا گیا۔ لات و عزی، منات اور دیگر تمام قبائل کے اصنام یکے بعد دیگرے منہدم کیے گئے۔ جزیرہ نمائے عرب میں جب مکمل توحید آگئی تو آپ نے فرمایا کہ اب اس کے بعد اس خطے میں قیامت تک بت پرستی کا کوئی امکان نہیں۔ البتہ شیطان کو اس کے مطالبے پر اللہ نے قیامت تک مہلت دے رکھی ہے، اس لیے اس کی خباثتیں جاری رہیں گی۔ شیطان ترغیب و ترہیب اور دیگر حیلوں بہانوں سے اہل ایمان کو راستے سے بھٹکانے کے لیے سرگرم عمل رہے گا۔ یہ بات تاریخ کے ہر دور کے لوگوں نے دیکھی اور آج بھی اپنی آنکھوں سے دیکھی جاسکتی ہے۔ شیطان کا مقابلہ ایمان کی قوت اور اللہ کی نصرت و حفاظت ہی سے ممکن ہے۔ (السیرة الحلبيّة، ج ۱، دارالکتب العلمیہ بیروت، ص ۲۰-۲۱)

## مزید بتوں کا تذکرہ

ابن ہشام اپنی سیرت میں بابائے تاریخ ابن اسحاق کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ یمن کے شاہی خاندان بنو تمیر کی شاخ بنو ذوالکلاع کے قبیلے نے اپنے علاقے میں جو بت نصب کیا اس کا نام نسر تھا۔ یہ گویا اسی بت کی تجدید تھی جو نوح علیہ السلام کے زمانے سے مشرکین کے ہاں الوہیت کے مقام پر فائز کیا گیا تھا۔ اسی طرح ایک بت عم انس کے نام سے معروف تھا۔ یہ بنو خولان کے علاقے میں نصب تھا۔ ان لوگوں کا طریق کار یہ تھا کہ وہ اپنے جانوروں اور فصلوں میں سے کچھ حصہ اللہ کا مقرر کرتے اور کچھ بت کا۔ اللہ کے حصے میں سے کوئی چیز بت کے حصے میں چلی جاتی تو اسے چھوڑ دیتے اور اگر کوئی چیز بت کے نذرانے میں سے اللہ کے حصے میں داخل ہو جاتی تو اسے فوراً واپس کرتے۔ بنو خولان کو بنو ادم بھی کہا جاتا ہے۔ انھی لوگوں کا تذکرہ قرآن پاک میں آیا ہے:



## بت پرستوں کے شیطانی معیار

وَجَعَلُوا لِلَّهِ مِمَّا ذَرَأَ مِنَ الْحَرْثِ وَالْأَنْعَامِ نَصِيبًا فَقَالُوا هَذَا لِلَّهِ بِزَعْمِهِمْ وَهَذَا لِشُرَكَائِنَا فَمَا كَانَ لِشُرَكَائِهِمْ فَلَا يَصِلُ إِلَى اللَّهِ وَ مَا كَانَ لِلَّهِ فَهُوَ يَصِلُ إِلَى شُرَكَائِهِمْ سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ ﴿۳۶﴾ (الانعام ۶: ۱۳۶)

ان لوگوں نے اللہ کے لیے خود اسی کی پیدا کی ہوئی کھیتوں اور مویشیوں میں سے ایک حصہ مقرر کیا ہے اور کہتے ہیں کہ یہ اللہ کے لیے ہے، بزعم خود، اور یہ ہمارے ٹھہرائے ہوئے شریکوں کے لیے۔ پھر جو حصہ ان کے ٹھہرائے ہوئے شریکوں کے لیے ہے وہ تو اللہ کو نہیں پہنچتا، مگر جو اللہ کے لیے ہے وہ ان کے شریکوں کو پہنچ جاتا ہے۔ کیسے برے فیصلے کرتے ہیں یہ لوگ!

ابن ہشام نے مزید بیان کیا ہے کہ خولان عمرو بن الحاف بن قضاعہ کا بیٹا ہے۔ ایک رائے کے مطابق اس کا سلسلہ کہلان بن سبا سے جا ملتا ہے۔ (سیرة ابن ہشام، القسم الاول، ص ۸۰-۸۱)

## سعد کا بت

سعد نامی ایک بت بنو ملک بن کنانہ بن مدرکہ نے اپنے جنگل میں ایک لمبی چٹان کے اوپر سجا رکھا تھا۔ اب ان بتوں کے بارے میں اگرچہ یہ مشرکین الوہیت کا عقیدہ رکھتے تھے، مگر حقیقت میں یہ عقیدہ ریت کا قلعہ تھا۔ چھوٹی موٹی بات ہو جاتی تو وہ ان بتوں پر نہ صرف لعن طعن کرتے بلکہ ان پر پتھر بھی برساتے اور جوتوں کی بارش بھی کر دیتے۔ جھوٹ بہر حال جھوٹ ہوتا ہے خواہ اس پر جتنی بھی ملمع کاری کر دی جائے۔ ابن ہشام نے اس بت کے بارے میں ایک واقعہ لکھا ہے۔

اس بت کے لیے مشرکین قربانیاں کرتے تو ان کا خون اس کے اوپر ڈال دیتے تاکہ قربانی قبول ہو جائے۔ یہ خون جمتے جمتے بالآخر ایسی شکل اختیار کر گیا کہ بت بہت خوف ناک اور



بھیانک نظر آنے لگا۔ بنو ملک ان کا ایک شخص اپنے اونٹوں کے لیے برکت حاصل کرنے کی خاطر اونٹوں کا گلہ ہانک کر اس بت کے پاس لے گیا۔ اونٹ اس خوف ناک منظر کو دیکھ کر بدک کر بھاگے اور ادھر ادھر منتشر ہو گئے۔ اونٹوں کے مالک کو اپنے ”خدا“ پر سخت غصہ آیا۔ ایک پتھر اٹھایا اور بت کو لعن طعن کرتے ہوئے اس کو دے مارا۔ پھر اپنے اونٹوں کی تلاش میں نکلا اور بڑی مشکل سے ان کو اکٹھا کیا۔ اس موقع پر اس مشرک کی زبان سے بھی جو اشعار نکلے ان میں سے دو شعر ملاحظہ فرمائیے:

### ایک مشرک اور ادراکِ حق

آتینا الی سعدٍ لیجمعَ شملنا  
فشتتنا سعدًا فلا نحنُ من سعدٍ  
وهل سعدٌ الی صخرةٍ بتؤفةٍ  
من الارضِ لاتدعوا لغیّ ولا رشدٍ

ہم نے سعد بت کے پاس حاضری دی تاکہ ہماری منتشر قوتوں کو متحد کر دے، مگر سعد نے تو ہماری پریشانیوں میں اور اضافہ کر دیا۔ اب سعد کے ساتھ ہمارا کوئی تعلق واسطہ نہیں ہے۔ اور سعد کی حقیقت ہی اس کے سوا کیا ہے کہ زمین کے اوپر ایک چٹان ہے۔ وہ نہ کسی کو راستہ دکھا سکتا ہے اور نہ ہی راستے سے بھٹکا سکتا ہے، (وہ محض ایک بے بس بت ہے)۔ ان اشعار سے بالکل واضح ہے کہ مشرکین کی زبان سے بھی وقتاً فوقتاً حق بات نکل جاتی تھی، اگرچہ پھر وہ اپنی اسی ڈگر پر واپس پلٹ جاتے تھے۔ اس کا خاتمہ تو اسلام اور پیغمبر اسلام نے کیا اور مکمل توحید سے اہل عرب و عجم کے دلوں کو روشناس و منور فرمایا۔ (سیرۃ ابن ہشام، القسم الاول،

ص ۸۱)

مختلف قبائل کے بتوں کا تذکرہ مورخین نے تفصیلاً کیا ہے۔ اکثر بتوں کا حال ہماری کتاب رسولِ رحمتِ تلواروں کے سائے میں جلد چہارم میں مذکور ہے۔ جن صحابہ کی ذمہ داریاں



ان کو منہدم کرنے کے لیے لگائی گئی تھیں، انہوں نے پوری جرأت و صلابت کے ساتھ ان کو ملیا میٹ کر دیا تھا۔ یہاں اختصار کے ساتھ ہم ابن ہشام کے بیان کردہ بعض قبائل کے بتوں کا تذکرہ کر رہے ہیں۔

### ہبل قریش کا الہ

ہبل قریش کا بت تھا جو ان کے عقیدے کے مطابق انہیں جنگوں میں فتح سے ہم کنار کرتا تھا۔ جنگ احد میں اسی لیے ابوسفیان نے اُغْلُ هُبَل (ہبل سر بلند رہے) کا نعرہ لگایا تھا۔ اس کے جواب میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا: اللَّهُ اَعْلَى وَاَعَزُّ لِعَنِي عَلُو اور عزت اللہ ہی کی شان ہے۔

### عزّی

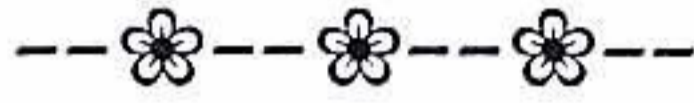
یہ ایک مورتی تھی جو نخلہ کے مقام پر نصب تھی۔ قریش اور بنو کنانہ نے اسے نصب کیا تھا۔ اس کی مجاوری و خبر گیری کے لیے بنو ہاشم کے حلیف قبیلے بنو سلیم کی ایک شاخ بنو شیبان کا انتخاب کیا گیا تھا۔ وہی اس کے مجاور و متولی تھے۔ اس بت پر جب جانوروں کی قربانی اور نذرانہ پیش کیا جاتا تھا تو موجود لوگوں میں گوشت بلا امتیاز تقسیم کر دیا جاتا تھا۔

### لات

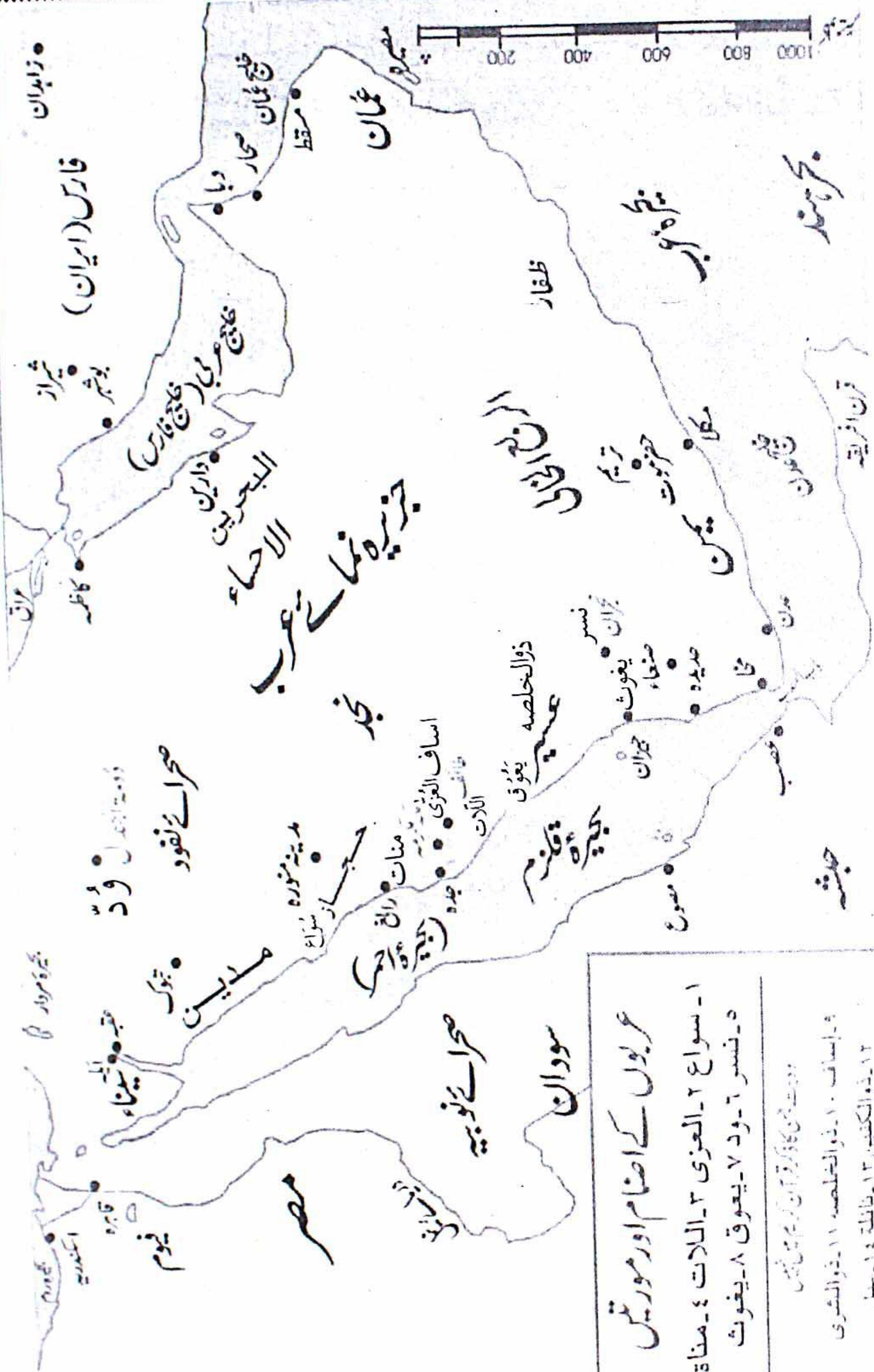
یہ بنو ثقیف کا بت تھا۔ اس کے انہدام کا واقعہ بھی تفصیلاً رسول رحمت تلواروں کے سائے میں (جلد چہارم) میں بیان ہو چکا ہے۔ دیگر بتوں میں منات، ذوالخلصہ، فلس، رُضا، ذوالکعبات اور رنام کا ذکر بھی ابن ہشام نے اپنی سیرت میں کیا ہے۔ ان میں سے منات کو اس و خزر ج نے قبل از اسلام اپنا معبود بنا رکھا تھا جبکہ ذوالخلصہ دوس، نخعم اور بجیلہ کا مرکز عقیدت تھا۔ جریر بن عبد اللہ البجلی رضی اللہ عنہ نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے اسے منہدم کیا تھا۔ فلس بنو طے کے دو پہاڑوں کے درمیان نصب کیا گیا تھا اور بنو طے اس کے پجاری تھے۔ رُضا بنو ربیعہ بن کعب کا خود ساختہ خدا تھا۔ ذوالکعبات بنو بکر و بنو تغلب کا بت تھا۔ یہ سندات کے مقام پر تھا جو مکہ معظمہ سے کوفہ جاتے ہوئے سات دن کی مسافت پر ایک شہر آتا تھا۔ اس بت پر ایک شاندار محل بنایا گیا



تھا، جس کی جانب کئی مشرک قبائل حج کی نیت سے آتے تھے۔ رمام صنعا کے مشہور شہر میں بڑی شان و شوکت کے ساتھ نصب کیا گیا تھا۔ قبیلہ ہنمیر اور یمن کے تمام باشندے اس کا طواف کرتے اور اس پر نذر و نیاز چڑھاتے۔ ہم نے اختصار کے ساتھ ان کا تذکرہ کر دیا ہے ان کی تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیں (سیرۃ ابن ہشام، القسم الاول، ص ۸۳-۸۹)۔







- عربوں کے اصنام اور مورثیں
- ۱۔ سواع ۲۔ العزی ۳۔ اللات ۴۔ مناة
  - ۵۔ نسر ۶۔ ود ۷۔ یعوق ۸۔ یغوث
- مذہب جن کا ذکر قرآن کریم میں نہیں
- ۹۔ اساف ۱۰۔ ذوالخلصہ ۱۱۔ ذوالشری
  - ۱۲۔ ذوالکفین ۱۳۔ ظالہ ۱۴۔ بیل

(اٹلس سیرت نبویؐ، از ڈاکٹر شوقی ابو خلیل، مطبوعہ دار السلام، صفحہ ۵۸)



## بت پرستی کا تاریخی پس منظر

### بت پرست معاشرہ

سلسلہ انبیاء میں حضرت نوح علیہ السلام کے بعد سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا اسم گرامی نمایاں ہے۔ آپ نے ایک بت پرست قوم میں آنکھ کھولی۔ آپ کا والد نہ صرف بت پرست تھا، بلکہ معتبر روایات کے مطابق وہ بت گر بھی تھا، یعنی بت بناتا اور انھیں بت پرست قوم کے درمیان فروخت کرتا تھا۔ اس کا نام قرآن میں آزر بیان ہوا ہے۔ وہ بادشاہ کے دربار میں بھی اعلیٰ منصب پر فائز تھا۔ بت پرست و بت گر باپ کے گھر میں آنکھ کھولنے والے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے بت شکن بنا کر دنیا میں بھیجا۔ آپ نے اپنے باپ سے خطاب کرتے ہوئے بت پرستی کی کھل کر مذمت کی۔ قرآن پاک میں اس عظیم ابراہیمی کردار کا تذکرہ کئی مقامات پر آیا ہے۔

### گھر سے دعوت کا آغاز

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پوری قوم اور نظام حکومت کو لکارنے سے قبل نہایت ہی حکیمانہ انداز میں اپنے گھر سے دعوت و تبلیغ کا آغاز کیا۔ سورۃ الانعام میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ لِأَبِيهِ إِذْ رَأَىٰ أَن تَتَّخِذَ أَصْنَامًا آلِهَةً ۖ إِنِّي أَخْلَصْتُكَ لِيٰ رَبِّكَ ۚ إِنَّكَ كَانَتْ فِي مَنَاجِرِ ٱلنَّاسِ ۗ  
 ضَلُّوا مَبِينًا ﴿۷۴﴾ (الانعام ۶: ۷۴)

ابراہیم کا واقعہ یاد کرو جبکہ اس نے اپنے باپ آزر سے کہا تھا: کیا تو بتوں کو خدا بناتا ہے؟ میں تو تجھے اور تیری قوم کو کھلی گمراہی میں پاتا ہوں۔

ان آیات کو تمام مفسرین نے مکہ کے ان حالات پر منطبق کیا ہے جو اس وقت اللہ کے آخری



نبی، حضور پر نور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو درپیش تھے۔ انہوں نے بھی اپنی قوم کو متنبہ کیا کہ ان کے اس طرزِ عمل کا ان کے جد امجد حضرت ابراہیم علیہ السلام کی حیات مبارکہ اور نظریات سے کوئی تعلق نہیں۔ ابراہیم علیہ السلام نے اپنے والد کو اوپر بیان کردہ سورۃ الانعام کی آیت میں جس طرح گمراہی پر متوجہ کرتے ہوئے راہِ ہدایت کی دعوت دی اسی طرح سورۃ مریم میں بھی ان کا اپنے والد کے ساتھ مکالمہ تفصیلاً آیا ہے۔ آپ کے اس مکالمے کا ذکر قرآن کے الفاظ میں یوں بیان ہوا ہے:

تفصیلی مکالمہ

وَ اذْکُرْ فِی الْکِتَابِ اِبْرٰهٖمَ ۙ اِنَّہٗ کَانَ صِدِّیقًا نَّبِیًّا ۝ اذْ قَالَ لِاٰبِیْہٖ یٰاَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا یَسْمَعُ وَّ لَا یُبْصِرُ وَّ لَا یُعْنِیْ عَنْکَ شَیْئًا ۝ یٰاَبَتِ اِنِّیْ قَدْ جِآءَنِیْ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَمْ یَاْتِکَ فَاتَّبِعْنِیْ اَھْدِکَ صِرَاطًا سَوِیًّا ۝ یٰاَبَتِ لَا تَعْبُدِ الشَّیْطٰنَ ۙ اِنَّ الشَّیْطٰنَ کَانَ لِلرَّحْمٰنِ عَصِیًّا ۝ یٰاَبَتِ اِنِّیْۤ اَخَافُ اَنْ یَّسَّکَ عَذَابٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ فَتَکُوْنَ لِلشَّیْطٰنِ وَّلِیًّا ۝ (مریم: ۱۹-۴۱-۴۵)

اور اس کتاب میں ابراہیم کا قصہ بیان کرو، بے شک وہ ایک راست باز انسان اور ایک نبی تھا۔ (انہیں ذرا اس موقع کی یاد دلاؤ) جبکہ اس نے اپنے باپ سے کہا کہ ”اباجان، آپ کیوں ان چیزوں کی عبادت کرتے ہیں جو نہ سنتی ہیں نہ دیکھتی ہیں اور نہ آپ کے کوئی کام بنا سکتی ہیں؟ اباجان، میرے پاس ایک ایسا علم آیا ہے جو آپ کے پاس نہیں آیا، آپ میرے پیچھے چلیں، میں آپ کو سیدھا راستہ بتاؤں گا۔ اباجان، آپ شیطان کی بندگی نہ کریں، شیطان تو رحمن کا نافرمان ہے۔ اباجان، مجھے ڈر ہے کہ کہیں آپ رحمن کے عذاب میں مبتلا نہ ہو جائیں اور شیطان کے ساتھی بن کر رہیں۔“

جاہلانہ دھمکی اور اس کا حکیمانہ جواب

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اس گفتگو میں دلیل بھی ہے، دردِ دل بھی اور انتہا درجے کی خیر خواہی و ہمدردی بھی۔ اس کے جواب میں ان کے باپ نے اپنے باطل عقیدے کے حق میں کوئی معقول



دلیل پیش کرنے یا سوچ بچار کرنے کی بجائے جاہلانہ انداز میں سخت دھمکی آمیز گفتگو کر کے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دھمکایا۔ اس کا جواب تھا:

قَالَ أَرَأَيْتَ أَنْتَ عَنْ إِلَهِي يَا بُرْهِيمُ ۚ لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهَ لِأَرْجُمَنَّكَ وَاهْجُرْنِي مَلِيًّا ۖ قَالَ سَلِّمْ عَلَيَّ ۖ سَأَسْتَغْفِرُكَ رَبِّي ۗ إِنَّهُ كَانَ بِي حَفِيًّا ۖ وَ أَعْتَزِلُكُمْ وَمَا تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ وَأَدْعُوا رَبِّي ۗ عَسَىٰ آلَا أَكُونَ بِدُعَاءِ رَبِّي شَقِيًّا ۖ (مریم: ۱۹-۲۶-۲۸)

باپ نے کہا ابراہیم، کیا تو میرے معبودوں سے پھر گیا ہے؟ اگر تو باز نہ آیا تو میں تجھے سنگسار کر دوں گا۔ بس تو ہمیشہ کے لیے مجھ سے الگ ہو جا۔“ ابراہیم نے کہا، سلام ہے آپ کو۔ میں اپنے رب سے دعا کروں گا کہ آپ کو معاف کر دے، میرا رب مجھ پر بڑا ہی مہربان ہے۔ میں آپ لوگوں کو بھی چھوڑتا ہوں اور ان ہستیوں کو بھی جنہیں آپ لوگ خدا کے علاوہ پکارا کرتے ہیں۔ میں تو اپنے رب ہی کو پکاروں گا، امید ہے کہ میں اپنے رب کو پکار کر نادم رہوں گا۔

قرآن کی ان آیات کو پڑھتے ہوئے احساس ہوتا ہے کہ بندہ مومن دلیل سے بات کرتا ہے جبکہ کفر کے علمبردار نخوت و تکبر کے ساتھ جاہلانہ دھمکیوں پر اتر آتے ہیں۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام ہر بات دلیل و برہان کے ساتھ کرتے تھے اور ان کی قوم بشمول ان کے والد محض اوہام کے پیچھے دوڑی پھرتی تھی۔ جب ان سے کوئی جواب نہ بن پڑتا تو ڈرانے دھمکانے کے گھسے پٹے طریقے اپنانے کی ہٹ دھرمی پر اتر آتے۔ سیرت النبی کا مطالعہ کرتے ہوئے قاری ہر قدم پر محسوس کرتا ہے کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ان کی قوم نے اذیتیں پہنچانے اور حق کا راستہ روکنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ آپ کو دھمکیاں دی گئیں، معاشرتی، معاشی اور سماجی بائیکاٹ کیا گیا، قتل کے منصوبے بنائے گئے اور ہر طرح دھمکانے کی کاوشیں ہوئیں، مگر اللہ کے نبی اپنے راستے پر دلجمعی کے ساتھ ڈٹے رہے۔ نہ کبھی دعوت کا کام چھوڑا، نہ کسی سودے بازی پر تیار ہوئے۔ تا آنکہ اللہ



تعالیٰ نے ہجرت اور غزوات کے مرحلوں کے بعد آپ کے مخالفین کو ملیا میٹ کر دیا اور اسلام کا جھنڈا پورے جزیرہ نمائے عرب اور پھر پوری دنیا میں لہرانے لگا۔

### ابراہیم بت شکن

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم کے بت خانے میں گھس کر تمام بتوں کو توڑ دیا اور کلبھاڑا سب سے بڑے بت کے کندھے پر رکھ دیا۔ اس واقعہ کا تذکرہ قرآن پاک میں دو مقامات پر یعنی سورۃ الانبیاء اور سورۃ الصافات میں تفصیلاً آیا ہے۔ ان دونوں مقامات کی آیات میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ بت پرستوں کے پاس اپنے بتوں کے دفاع اور اپنے شرک کے جواز کے لیے کوئی دلیل نہ رہی تو انہوں نے اندھی قوت کا استعمال کیا۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو حکم شاہی کے تحت آگ میں جلا ڈالنے کا حکم ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے آگ کو ٹھنڈا کر دیا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے سلامتی بنا دیا۔ سورۃ الانبیاء میں ارشاد ہے:

وَلَقَدْ اتَيْنَا اِبْرٰهِيْمَ رُشْدًا مِّنْ قَبْلُ وَ كُنَّا بِهٖ عَلِيْمِيْنَ ﴿۵۱﴾ اِذْ قَالَ لِاٰبِيْهٖ  
وَقَوْمِهٖ مَا هٰذِهِ التَّمٰثِيْلُ الَّتِيۤ اَنْتُمْ لَهَا عٰكِفُوْنَ ﴿۵۲﴾ قَالُوْٓا وَجَدْنَا اٰبَآءَنَا لَهَا  
عٰبِدِيْنَ ﴿۵۳﴾ قَالَ لَقَدْ كُنْتُمْ اَنْتُمْ وَاٰبَاؤُكُمْ فِى ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۵۴﴾ قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا  
بِالْحَقِّ اَمْ اَنْتَ مِنَ الضّٰلِّيْنَ ﴿۵۵﴾ قَالَ بَلْ رَّبُّكُمْ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الَّذِىۤ  
فَطَرَ هُنَّ ؕ وَاَنَا عَلٰى ذٰلِكُمْ مِنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۵۶﴾ وَتَاللّٰهِ لَآ كَيْدَنَّ اَصْنَامَكُمْ بَعْدَ اَنْ  
تُوَلُّوْٓا مُدْبِرِيْنَ ﴿۵۷﴾ فَجَعَلْنٰهُمْ جُذٰٓآءًا اِلَّا كَبِيْرًا اَلَيْهِمْ لَعَلٰهُمۡ اِلَيْهٖ يَرْجِعُوْنَ ﴿۵۸﴾ قَالُوْٓا  
مَنْ فَعَلَ هٰذَا بِاِلٰهِنَا اِنَّهٗ لَمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۵۹﴾ (الانبیاء: ۲۱-۵۹)

اس سے بھی پہلے ہم نے ابراہیم کو اس کی ہوش مندی بخشی تھی اور ہم اس کو خوب جانتے تھے۔ یاد کرو وہ موقع جبکہ اس نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے کہا تھا کہ ”یہ مور تیں کیسی ہیں جن کے تم لوگ گرویدہ ہو؟“ انہوں نے جواب دیا ”ہم نے اپنے باپ دادا کو ان کی عبادت کرتے پایا۔“ اس نے کہا تم بھی گمراہ ہو اور تمہارے باپ دادا بھی صریح گمراہی



میں پڑے ہوئے تھے۔“ انھوں نے کہا ”کیا تو ہمارے سامنے اپنے اصلی خیالات پیش کر رہا ہے یا مذاق کرتا ہے؟“ اس نے جواب دیا ”نہیں بلکہ فی الواقع تمہارا رب وہی ہے جو زمین اور آسمانوں کا رب اور ان کو پیدا کرنے والا ہے۔ اس پر میں تمہارے سامنے گواہی دیتا ہوں اور خدا کی قسم میں تمہاری غیر موجودگی میں ضرور تمہارے بتوں کی خبر لوں گا۔“ چنانچہ اس نے ان کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور صرف ان کے بڑے کو چھوڑ دیا تاکہ شاید وہ اس کی طرف رجوع کریں۔ (انھوں نے آ کر بتوں کا یہ حال دیکھا تو) کہنے لگے ”ہمارے خداؤں کا یہ حال کس نے کر دیا؟ بڑا ہی کوئی ظالم تھا وہ۔“

### حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوت استدلال

حضرت ابراہیم علیہ السلام اس قوم میں واحد نوجوان تھے جو بتوں کی مذمت کھلے عام کیا کرتے تھے۔ اس لیے سبھی لوگ پکاراٹھے کہ یہ اسی نوجوان کا کیا دھرا ہے جو ابراہیم علیہ السلام کے نام سے موسوم ہے:

قَالُوا سَمِعْنَا فَتًى يَذُكُرُهُمْ يُقَالُ لَهُ اِبْرَاهِيمُ ﴿٦٠﴾ قَالُوا فَاتُوا بِهِ عَلَىٰ عَيْنِ النَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَشْهَدُونَ ﴿٦١﴾ قَالُوا اَنْتَ فَعَلْتَ هَذَا بِالْهَيْتَانِ يَا اِبْرَاهِيمُ ﴿٦٢﴾ قَالَ بَلْ فَعَلَهُ كَبِيرُهُمْ هَذَا فَسْئَلُوهُمْ اِنْ كَانُوا يَنْطِقُونَ ﴿٦٣﴾ فَرَجَعُوا اِلَىٰ اَنْفُسِهِمْ فَقَالُوا اِنَّكُمْ اَنْتُمْ الظَّالِمُونَ ﴿٦٤﴾ ثُمَّ نَكِسُوا عَلٰى رُءُوسِهِمْ لَقَدْ عَلِمْتَ مَا هٰؤُلَاءِ يَنْطِقُونَ ﴿٦٥﴾ قَالَ اَفَتَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكُمْ شَيْئًا وَلَا يَضُرُّكُمْ ﴿٦٦﴾ اَفِ لَكُمْ وَلِيٰهَاتِعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللّٰهِ اَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿٦٧﴾ (الانبیاء: ۲۱-۶۰-۶۷)

(بعض لوگ) بولے ”ہم نے ایک نوجوان کو ان کا ذکر کرتے سنا تھا جس کا نام ابراہیم ہے۔“ انھوں نے کہا ”تو پکڑ لاؤ اسے سب کے سامنے تاکہ لوگ دیکھ لیں (اس کی کیسی خبر لی جاتی ہے)۔“ (ابراہیم کے آنے پر) انھوں نے پوچھا ”کیوں ابراہیم تو نے ہمارے خداؤں کے ساتھ یہ حرکت کی ہے؟“ اس نے جواب دیا ”بلکہ یہ سب کچھ ان



کے اس سردار نے کیا ہے، ان ہی سے پوچھ لو اگر یہ بولتے ہوں۔“ یہ سن کر وہ اپنے ضمیر کی طرف پلٹے اور (اپنے دلوں میں) کہنے لگے ”واقعی تم خود ہی ظالم ہو۔“ مگر پھر ان کی مت پلٹ گئی اور بولے ”تو جانتا ہے کہ یہ بولتے نہیں ہیں۔“ ابراہیم نے کہا ”پھر کیا تم اللہ کو چھوڑ کر ان چیزوں کو پوج رہے ہو جو نہ تمہیں نفع پہنچانے پر قادر ہیں نہ نقصان۔ ٹف ہے تم پر اور تمہارے ان معبودوں پر جن کی تم اللہ کو چھوڑ کر پوجا کر رہے ہو۔ کیا تم کچھ بھی عقل نہیں رکھتے؟“

### نارِ نمرود اور ابراہیم حنیف

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس مقدمے میں پیشی کے موقع پر بھی بلا خوف و خطر اپنی بات پوری دلیل اور اطمینان کے ساتھ بت پرست قوم کے سامنے رکھ دی۔ بجائے اس کے کہ یہ لوگ اس پر سنجیدگی و شعور سے غور کرتے، انہوں نے بعجلت تمام ایک احمقانہ فیصلہ سنا دیا:

قَالُوا احْرَقُوهُ وَاَنْصُرُوا الْاَيْهَتَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ فَعِلِيْنَ ﴿۱۸﴾ قُلْنَا اِنَّا كُوْنِي بَرْدًا وَّسَلْمًا عَلٰى اِبْرٰهِيْمَ ﴿۱۹﴾ وَاَسَادُ وَاَبِهٖ كَيْدًا فَجَعَلْنٰهُمْ الْاٰخِرِيْنَ ﴿۲۰﴾ (الانبیاء: ۲۱-۲۸-۷۰)

انہوں نے کہا ”جلاؤ الواس کو اور حمایت کرو اپنے خداؤں کی اگر تمہیں کچھ کرنا ہے۔“ ہم نے کہا ”اے آگ، ٹھنڈی ہو جا اور سلامتی بن جا ابراہیم پر۔“ وہ چاہتے تھے کہ ابراہیم کے ساتھ برائی کریں۔ مگر ہم نے ان کو بری طرح ناکام کر دیا۔

### عشق اور عقل

ان آیات پر علامہ اقبال کے بعض اشعار خوب روشنی ڈالتے ہیں۔ اس سے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے عشق حقیقی اور عقل کے پیمانوں سے ہر چیز کو ماپنے والوں کی دوں ہمتی کا بھی پتا چلتا

ہے:

پختہ ہوتی ہے اگر مصلحت اندیش ہو عقل  
عشق ہو مصلحت اندیش تو ہے خام ابھی



بے خطر کود پڑا آتشِ نمرود میں عشق  
عقل ہے جو تماشاے لبِ بامِ ابھی

اور

آج بھی ہو جو براہیم کا ایماں پیدا  
آگ کر سکتی اندازِ گلستاں پیدا

نوح علیہ السلام کا جانشین

سورۃ الصافات میں اس مضمون کو آیت نمبر ۸۳ تا ۹۹ میں بیان کیا گیا ہے:

وَإِنَّ مِنْ شِيعَتِهِ لِبُرْهِيمَ ۗ إِذْ جَاءَ رَبَّهُ بِقَلْبٍ سَلِيمٍ ۗ إِذْ قَالَ لِأَبِيهِ وَقَوْمِهِ  
مَاذَا تَعْبُدُونَ ۗ أَفِيكُمُ الْإِلَهَةُ دُونَ اللَّهِ تُرِيدُونَ ۗ فَمَا ظَنُّكُمْ بِرَبِّ الْعَالَمِينَ ۗ فَظَنَرَ  
نُظْرَةً فِي النُّجُومِ ۗ فَقَالَ إِنِّي سَقِيمٌ ۗ فَتَوَلَّوْا عَنْهُ مُدْبِرِينَ ۗ فَرَاغَ إِلَىٰ إِلَهِهِمْ  
فَقَالَ أَلَا تَأْكُلُونَ ۗ مَا لَكُمْ لَا تَنْطِقُونَ ۗ فَرَاغَ عَلَيْهِمْ ضَرْبًا بِالْيَمِينِ ۗ فَأَقْبَلُوا  
إِلَيْهِ يَرْفُونَ ۗ قَالَ اتَّعْبُدُونَ مَا تَنْجُونَ ۗ وَاللَّهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُونَ ۗ قَالُوا  
ابْنُوا لَهُ بُنْيَانًا فَأَلْقُوهُ فِي الْجَحِيمِ ۗ فَأَرَادُوا بِهِ كَيْدًا فَجَعَلْنَاهُمُ الْأَسْفَلِينَ ۗ وَ  
قَالَ إِنِّي ذَاهِبٌ إِلَىٰ رَبِّي سَيَهْدِينِ ۗ (الصافات ۷۳-۸۳-۹۹)

اور نوح ہی کے طریقے پر چلنے والا ابراہیم تھا۔ جب وہ اپنے رب کے حضور قلبِ سلیم لے  
کر آیا۔ جب اس نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے کہا ”یہ کیا چیزیں ہیں جن کی تم عبادت  
کر رہے ہو؟ کیا اللہ کو چھوڑ کر جھوٹ گھڑے ہوئے معبود چاہتے ہو؟ آخر رب العالمین  
کے بارے میں تمہارا کیا گمان ہے؟“

پھر اس نے تاروں پر ایک نگاہ ڈالی اور کہا میری طبیعت خراب ہے۔ چنانچہ وہ لوگ اسے  
چھوڑ کر چلے گئے۔ ان کے پیچھے وہ چپکے سے ان کے معبودوں کے مندر میں گھس گیا اور  
بولا ”آپ لوگ کھاتے کیوں نہیں ہیں؟ کیا ہو گیا، آپ لوگ بولتے بھی نہیں؟“ اس کے



بعد وہ ان پر پل پڑا اور سیدھے ہاتھ سے خوب ضربیں لگائیں۔ (واپس آ کر) وہ لوگ بھاگے بھاگے اس کے پاس آئے۔ اس نے کہا ”کیا تم اپنی ہی تراشی ہوئی چیزوں کو پوجتے ہو؟ حالانکہ اللہ ہی نے تم کو بھی پیدا کیا ہے اور ان چیزوں کو بھی جنہیں تم بناتے ہو۔“ انھوں نے آپس میں کہا کہ ”اس کے لیے ایک الاؤ تیار کرو اور اسے دکھتی ہوئی آگ کے ڈھیر میں پھینک دو۔“ انھوں نے اس کے خلاف ایک کارروائی کرنی چاہی تھی، مگر ہم نے انھی کو نیچا دکھا دیا۔ (بتوں کی مذمت تو حضرت ابراہیمؑ نے بار بار کی، مگر یہ واقعہ قرآن پاک میں دو مقامات پر تفصیلاً بیان ہوا ہے۔ اسی طرح سورۃ الشعراء میں بھی حضرت ابراہیمؑ کی زبانی علی الاعلان بتوں سے برأت کا اظہار کیا گیا ہے۔)

### ایوان اقتدار میں بیٹھے بت کا مقابلہ

سیدنا ابراہیمؑ نے مٹی اور پتھر کے بتوں کو توڑا تو ان کا سامنا اس بت سے ہوا جو انسانوں کی گردنوں پر مسلط ایوان اقتدار میں بیٹھا خود کو رب کہلاتا تھا۔ آج کل بہت سے مواحدین مٹی اور پتھر کے بتوں پر تو کلبھاڑے چلاتے ہیں، مگر اس بت کے سامنے سرنگوں ہو جاتے ہیں جو ایوان اقتدار میں بیٹھا لوگوں کی قسمت کے فیصلے کرتا ہے۔ چاہے تو کسی کو وزارت و سفارت سے نواز دے، چاہے تو کسی کو جیل میں ڈال دے اور موت کے گھاٹ اتار دے۔ سیدنا ابراہیمؑ جب اس بت کے سامنے گئے تو اس نے ابراہیمؑ سے بحت و تکرار کی۔ سورۃ البقرۃ میں اللہ نے نمرودی دربار میں ابراہیم حنیف کی پیشی اور سوال و جواب کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا ہے:

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ حَاجَّوْا بَرَاهِمَ فِي رَبِّهِ أَنْ أَتَاهُ اللَّهُ الْمَلِكُ إِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّيَ الَّذِي يُحْيِي وَيُمِيتُ قَالَ أَنَا أُحْيِي وَأُمِيتُ ۗ قَالَ إِبْرَاهِيمُ فَإِنَّ اللَّهَ يَأْتِي بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَأْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ الَّذِي كَفَرَ ۗ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ﴿۲۵۸﴾ (البقرۃ: ۲۵۸)



کیا تم نے اس شخص کے حال پر غور نہیں کیا جس نے ابراہیمؑ سے جھگڑا کیا تھا؟ جھگڑا اس بات پر کہ ابراہیمؑ کا رب کون ہے، اور اس بنا پر کہ اس شخص کو اللہ نے حکومت دے رکھی تھی۔ جب ابراہیمؑ نے کہا کہ ”میرا رب وہ ہے جس کے اختیار میں زندگی اور موت ہے“ تو اس نے جواب دیا: ”زندگی اور موت میرے اختیار میں ہے“۔ ابراہیمؑ نے کہا: ”اچھا، اللہ سورج کو مشرق سے نکالتا ہے، تو ذرا سے مغرب سے نکال لا۔“ یہ سن کر وہ منکر حق ششدر رہ گیا، مگر اللہ ظالموں کو راہِ راست نہیں دکھایا کرتا۔

جیسا کہ پچھلے صفحات میں تذکرہ گزر چکا ہے، ظالم جب لاجواب ہو گیا تو اس نے حضرت ابراہیمؑ کے لیے آگ کا الؤ تیار کرنے کا حکم دیا۔ پھر ظلم کی تمام حدیں پھلانگتے ہوئے فرمانِ شاہی جاری ہوا کہ ابراہیمؑ کو اس آگ میں پھینک دیا جائے۔ آگ اللہ کے حکم سے سیدنا ابراہیمؑ کے لیے سلامتی بن گئی اور ان کا بال بھی بریکانہ ہوا۔ سیدنا ابراہیمؑ حقیقی معنوں میں بت شکن تھے۔ آپ کے بعد آپ کے عظیم سپوت سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کی دھرتی پر موجود ہر بت کو پاش پاش کیا، خواہ وہ خاندانی نخوت و تکبر کا بت تھا یا قومی عصبیت و تفاخر کا۔ نام نہاد سپر طاقتوں کی صورت میں قیصر و کسریٰ کی خدائی کے دعوے تھے یا عرب کی دھرتی پر فرعون صفت سردارانِ قبائل، سبھی کی خدائی مٹی اور پتھر کے بتوں کے ساتھ ہمیشہ کے لیے زمین بوس ہو گئی اور حق کا غلبہ اور باطل کی پسپائی پوری دنیا نے دیکھ لی۔ قرآن کے الفاظ میں: وَقُلْ جَاءَ الْحَقُّ وَ زَهَقَ الْبَاطِلُ ۗ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا ﴿۸۱﴾ (بنی اسرائیل ۸۱: ۸۱)۔ اور اعلان کر دو کہ ”حق آ گیا اور باطل مٹ گیا، باطل تو مٹنے ہی والا ہے۔“





## دعوت ابراہیمؑ و محمدؐ میں مماثلت

سورۃ النعام میں حضرت ابراہیمؑ کے حالات پر سید مودودیؒ نے جو تفسیری حاشیے لکھے ہیں وہ ذیل میں دیے جا رہے ہیں۔ آپ تحریر فرماتے ہیں: ”یہاں حضرت ابراہیمؑ کے واقعہ کا ذکر اس امر کی تائید اور شہادت میں پیش کیا جا رہا ہے کہ جس طرح اللہ کی بخشی ہوئی ہدایت سے آج محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اور آپ کے ساتھیوں نے شرک کا انکار کیا ہے اور سب مصنوعی خداؤں سے منہ موڑ کر صرف ایک مالک کائنات کے آگے سراطاعت خم کر دیا ہے اسی طرح کل یہی کچھ ابراہیمؑ بھی کر چکے ہیں۔ اور جس طرح آج محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان پر ایمان لانے والوں سے ان کی جاہل قوم جھگڑ رہی ہے اسی طرح کل حضرت ابراہیمؑ سے بھی ان کی قوم یہی جھگڑا کر چکی ہے۔ اور کل جو جواب حضرت ابراہیمؑ نے اپنی قوم کو دیا تھا آج محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے پیروں کی طرف سے بھی ان کی قوم کو وہی جواب ہے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس راستے پر ہیں جو نوحؑ اور ابراہیمؑ اور نسل ابراہیمؑ کے تمام انبیا کا راستہ رہا ہے۔ اب جو لوگ ان کی پیروی سے انکار کر رہے ہیں انھیں معلوم ہو جانا چاہیے کہ وہ انبیا کے طریقے سے ہٹ کر ضلالت کی راہ پر جا رہے ہیں۔“

راہِ حق کے راہی اور باطل پرست

یہاں یہ بات اور سمجھ لینی چاہیے کہ عرب کے لوگ بالعموم حضرت ابراہیمؑ کو اپنا پیشوا اور مقتدا مانتے تھے۔ خصوصاً قریش کے تو فخر و ناز کی ساری بنیاد ہی یہ تھی کہ وہ ابراہیمؑ کی اولاد اور ان کے تعمیر کردہ خانہ خدا کے خادم ہیں۔ اس لیے ان کے سامنے حضرت ابراہیمؑ کے عقیدہ توحید کا اور شرک سے ان کے انکار اور مشرک قوم سے ان کی نزاع کا ذکر کرنے کے معنی یہ تھے کہ



قریش کا سارا سرمایہ فخر و ناز اور کفار عرب کا اپنے مشرکانہ دین پر سارا اطمینان ان سے چھین لیا جائے، اور ان پر ثابت کر دیا جائے کہ آج مسلمان اس مقام پر ہیں جس پر حضرت ابراہیم علیہ السلام تھے اور تمہاری حیثیت وہ ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام سے لڑنے والی جاہل قوم کی تھی۔ یہ بالکل ایسا ہی ہے جیسے کوئی شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے معتقدوں اور قادری النسب پیرزادوں کے سامنے حضرت شیخ کی اصل تعلیمات اور ان کی زندگی کے واقعات پیش کر کے یہ ثابت کر دے کہ جن بزرگ کے تم نام لیوا ہو، تمہارا اپنا طریقہ بالکل ان کے خلاف ہے اور تم نے آج انھی گمراہ لوگوں کی حیثیت اختیار کر لی ہے جن کے خلاف تمہارے مقتدا تمام عمر جہاد کرتے رہے۔“

(تفہیم القرآن، ج اول، سورۃ الانعام، حاشیہ ۵۰، ص ۵۵۲-۵۵۳)

### تمدنی حالات

مولانا مودودیؒ سورۃ الانعام کی ان آیات کی مزید تشریح کرتے ہوئے سیدنا ابراہیم علیہ السلام اور اس معاشرے کا جامع تجزیہ پیش کرتے ہیں جس سے کئی رموز و اسرار آشکار ہوتے ہیں۔ تحریر فرماتے ہیں: ”اس مقام کو اور قرآن کے ان دوسرے مقامات کو جہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ان کی قوم کی نزاع کا ذکر آیا ہے، اچھی طرح سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم کے مذہبی و تمدنی حالات پر ایک نظر ڈالی جائے۔ جدید اثری تحقیقات کے سلسلہ میں نہ صرف وہ شہر دریافت ہو گیا ہے جہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام پیدا ہوئے تھے، بلکہ دورِ ابراہیمی میں اس علاقے کے لوگوں کی جو حالت تھی اس پر بھی بہت کچھ روشنی پڑی ہے۔ سر لیونارڈ وولی (Sir Leonard Woolley) نے اپنی کتاب (Abraham, London, 1935) میں اس تحقیقات کے جو نتائج شائع کیے ہیں ان کا خلاصہ ہم یہاں درج کرتے ہیں۔“

### طبقاتی تقسیم

اندازہ کیا گیا ہے کہ ۲۱۰۰ قبل مسیح کے لگ بھگ زمانے میں، جسے اب عام طور پر محققین حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ظہور کا زمانہ تسلیم کرتے ہیں، شہر اُر کی آبادی ڈھائی لاکھ کے قریب تھی اور



بعید نہیں کہ پانچ لاکھ ہو۔ بڑا صنعتی و تجارتی مرکز تھا۔ ایک طرف پامیر اور نیلگری تک سے وہاں مال آتا تھا اور دوسری طرف اناطولیہ تک سے اس کے تجارتی تعلقات تھے۔ جس ریاست کا یہ صدر مقام تھا اس کے حدود موجودہ حکومت عراق سے شمال میں کچھ کم اور مغرب میں کچھ زیادہ تھے۔ ملک کی آبادی بیشتر صنعت و تجارت پیشہ تھی۔ اس عہد کی جو تحریرات آثارِ قدیمہ کے کھنڈروں میں دستیاب ہوئی ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ زندگی میں ان لوگوں کا نقطہ نظر خالص مادہ پرستانہ تھا۔ دولت کمانا اور زیادہ سے زیادہ آسائش فراہم کرنا ان کا سب سے بڑا مقصدِ حیات تھا۔ سود خواری کثرت سے پھیلی ہوئی تھی۔ سخت کاروباری قسم کے لوگ تھے۔ ہر ایک دوسرے کو شک کی نگاہ سے دیکھتا تھا اور آپس میں بہت مقدمہ بازیاں ہوتی تھیں۔ اپنے خداؤں سے ان کی دعائیں زیادہ تر درازی عمر، خوش حالی اور کاروبار کی ترقی سے متعلق ہوا کرتی تھیں۔ آبادی تین طبقوں پر مشتمل تھی:

(۱) غمیلو: یہ اونچے طبقے کے لوگ تھے جن میں تجارتی، حکومت کے عہدے دار اور فوجی افسر وغیرہ شامل تھے۔

(۲) مشکینو: یہ تجار، اہل صنعت اور زراعت پیشہ لوگ تھے۔

(۳) اردو۔ یعنی غلام۔

ان میں سے پہلے طبقے، یعنی غمیلو کو خاص امتیازات حاصل تھے۔ ان کے فوجداری اور دیوانی حقوق دوسروں سے مختلف تھے، اور ان کی جان و مال کی قیمت دوسروں سے بڑھ کر تھی۔ یہ شہر اور یہ معاشرہ تھا جس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آنکھیں کھولیں۔ ان کا اور ان کے خاندان کا جو حال ہمیں تلمود میں ملتا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ غمیلو طبقے کے ایک فرد تھے اور ان کا باپ ریاست کا سب سے بڑا عہدے دار تھا۔ (دیکھو سورہ البقرہ، حاشیہ نمبر ۲۹۰)

جھوٹے خداؤں کی بھرمار

اُر کے کتبات میں تقریباً ۵۵ ہزار خداؤں کے نام ملتے ہیں۔ ملک کے مختلف شہروں کے الگ الگ خدا تھے۔ ہر شہر کا ایک خاص محافظ خدا ہوتا تھا جو رَبُّ البلد، یارِئیس الالہہ سمجھا جاتا تھا اور اس کا



احترام دوسرے معبودوں سے زیادہ ہوتا تھا۔ اُر کا رب البلد ”ننار“ (چاند دیوتا) تھا اور اسی مناسبت سے بعد کے لوگوں نے اس شہر کا نام ”قمرینہ“ بھی لکھا ہے۔ دوسرا بڑا شہر لُرسہ تھا جو بعد میں اُر کے بجائے مرکز سلطنت ہوا۔ اس کا رب البلد ”شماش“ (سورج دیوتا) تھا۔ ان بڑے خداؤں کے ماتحت بہت سے چھوٹے خدا بھی تھے جو زیادہ تر آسمانی تاروں اور سیاروں میں سے اور کم تر زمین سے منتخب کیے گئے تھے اور لوگ اپنی مختلف فروری ضروریات ان سے متعلق سمجھتے تھے۔ ان آسمانی اور زمینی دیوتاؤں اور دیویوں کی شبیہیں بتوں کی شکل میں بنالی گئی تھیں اور تمام مراسم عبادت انہی کے آگے بجالائے جاتے تھے۔

”ننار“ کا بُت اُر میں سب سے اونچی پہاڑی پر ایک عالی شان عمارت میں نصب تھا۔ اسی کے قریب ”ننار“ کی بیوی ”نن گل“ کا معبد تھا۔ ننار کے معبد کی شان ایک شاہی محل سرا کی سی تھی۔ اس کی خواب گاہ میں روزانہ رات کو ایک پوجارن جا کر اس کی دلہن بنتی تھی۔ مندر میں بکثرت عورتیں دیوتا کے نام پر وقف تھیں اور ان کی حیثیت دیوداسیوں (Religious Prostitutes) کی سی تھی۔ وہ عورت بڑی معزز خیال کی جاتی تھی جو ”خدا“ کے نام پر اپنی بکارت قربان کر دے۔ کم از کم ایک مرتبہ اپنے آپ کو ”راہِ خدا“ میں کسی اجنبی کے حوالے کرنا عورت کے لیے ذریعہ نجات خیال کیا جاتا تھا۔ اب یہ بیان کرنا کچھ ضروری نہیں کہ اس مذہبی فحشہ گری سے مستفید ہونے والے زیادہ تر پوجاری حضرات ہی ہوتے تھے۔

ننار محض دیوتا ہی نہ تھا بلکہ ملک کا سب سے بڑا زمیندار، سب سے بڑا تاجر، سب سے بڑا کارخانے دار اور ملک کی سیاسی زندگی کا سب سے بڑا حاکم بھی تھا۔ بکثرت باغ، مکانات اور زمینیں اس مندر کے لیے وقف تھیں۔ اس جائیداد کی آمدنی کے علاوہ کسان، زمیندار، تاجر سب ہر قسم کے غلے، دودھ، سونا، کپڑا اور دوسری چیزیں لا کر مندر میں نذر بھی کرتے تھے جنہیں وصول کرنے کے لیے مندر میں ایک بہت بڑا سٹاف موجود تھا۔ بہت سے کارخانے مندر کے ماتحت قائم تھے۔ تجارتی کاروبار بھی بہت بڑے پیمانے پر مندر کی طرف سے ہوتا تھا۔ یہ سب کام دیوتا



کی نیابت میں پوجاری ہی انجام دیتے تھے۔ پھر ملک کی سب سے بڑی عدالت مندر ہی میں تھی۔ پوجاری اس کے حج تھے اور ان کے فیصلے ”خدا“ کے فیصلے سمجھے جاتے تھے۔ خود شاہی خاندان کی حاکمیت بھی نثار ہی سے ماخوذ تھی۔ اصل بادشاہ نثار تھا اور فرماں روائے ملک اس کی طرف سے حکومت کرتا تھا۔ اس تعلق سے بادشاہ خود بھی معبودوں میں شامل ہو جاتا تھا اور خداؤں کی مانند اس کی پرستش کی جاتی تھی۔

### نمرود کی وجہ تسمیہ

اُرکا شاہی خاندان جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانے میں حکمران تھا، اس کے بانی اول کا نام اُرتمو تھا جس نے ۲۳۰۰ برس قبل مسیح میں ایک وسیع سلطنت قائم کی تھی۔ اس کے حدود مملکت مشرق میں سوسہ سے لے کر مغرب میں لبنان تک پھیلے ہوئے تھے۔ اسی سے اس خاندان کو ”نمو“ کا نام ملا جو عربی میں جا کر نمرود ہو گیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ہجرت کے بعد اس خاندان اور اس قوم پر مسلسل تباہی نازل ہونی شروع ہوئی۔ پہلے عیلامیوں نے اُرکو تباہ کیا اور نمرود کو نثار کے بت سمیت پکڑ لے گئے۔ پھر لرسہ میں ایک عیلامی حکومت قائم ہوئی جس کے ماتحت اُرکا علاقہ غلام کی حیثیت سے رہا۔ آخر کار ایک عربی النسل خاندان کے ماتحت بابل نے زور پکڑا اور لرسہ اور اُر دونوں اس کے زیر حکم ہو گئے۔ ان تباہیوں نے نثار کے ساتھ اُر کے لوگوں کا عقیدہ متزلزل کر دیا کیونکہ وہ ان کی حفاظت نہ کر سکا۔

### موسوی شریعت کے آثار

تعیین کے ساتھ نہیں کہا جاسکتا کہ بعد کے ادوار میں حضرت ابراہیم کی تعلیمات کا اثر اس ملک کے لوگوں نے کہاں تک قبول کیا۔ لیکن ۱۹۱۰ قبل مسیح میں بابل کے بادشاہ حمورابی (بائبل کے اُمرا فیل) نے جو قوانین مرتب کیے تھے وہ شہادت دیتے ہیں کہ بالواسطہ یا بلاواسطہ ان کی تدوین میں مشکوٰۃ نبوت سے حاصل کی ہوئی روشنی کسی حد تک ضرور کار فرما تھی۔ ان قوانین کا مفصل کتبہ ۱۹۰۲ بعد مسیح میں ایک فرانسیسی منقش آثار قدیمہ کو ملا اور اس کا انگریزی ترجمہ G.H.W.



John نے ۱۹۰۳ء بعد مسیح میں (The Oldest Code of Law) کے نام سے شائع کیا۔ اس ضابطہ قوانین کے بہت سے اصول اور فروع موسوی شریعت سے مشابہت رکھتے ہیں۔

### نمرود کی نخوت

اب تک کی اثری تحقیقات کے نتائج اگر صحیح ہیں تو ان سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم میں شرک محض ایک مذہبی عقیدہ اور بت پرستانہ عبادات کا مجموعہ ہی نہ تھا بلکہ درحقیقت اس قوم کی پوری معاشی، تمدنی، سیاسی اور معاشرتی زندگی کا نظام اسی عقیدے پر مبنی تھا۔ اس کے مقابلے میں حضرت ابراہیم علیہ السلام توحید کی جو دعوت لے کر اٹھے تھے اس کا اثر صرف بتوں کی پرستش ہی پر نہ پڑتا تھا بلکہ شاہی خاندان کی معبودیت اور حاکمیت، پوجاریوں اور اونچے طبقوں کی معاشرتی، معاشی اور سیاسی حیثیت، اور پورے ملک کی اجتماعی زندگی اس کی زد میں آ جاتی تھی۔ ان کی دعوت کو قبول کرنے کے معنی یہ تھے کہ نیچے سے اوپر تک ساری سوسائٹی کی عمارت ادھیڑ ڈالی جائے اور اسے از سر نو توحید الہ کی بنیاد پر تعمیر کیا جائے۔ اسی لیے ابراہیم علیہ السلام کی آواز بلند ہوتے ہی عوام اور خواص، پوجاری اور نمرود سب کے سب بیک وقت اس کو دبانے کے لیے کھڑے ہو گئے۔“ (ایضاً، حاشیہ ۵۲، ص ۵۵۳-۵۵۶)

### بت پرستی سے اللہ کی پناہ

سیدنا ابراہیم خلیل اللہ نے اپنے والد سے اپنی تبلیغ و دعوت کے کام کا آغاز کیا۔ باپ سے خطاب کا تذکرہ اوپر بیان ہو چکا ہے۔ بعد میں آنے والے انبیائے کرام کے ادوار میں بھی بت پرستی اور شرک نے کئی رنگ اختیار کیے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو معلوم تھا کہ انسان کو شیطان کس طرح ورغلاتا ہے اور کیسے راہ ہدایت سے ہٹا کر شرک اور بت پرستی کا رسیا بنا دیتا ہے۔ خانہ کعبہ کی تعمیر اور اپنی آل کو وہاں آباد کرنے کے موقع پر آپ نے اللہ سے جو دعا مانگی وہ بھی اس جانب پوری طرح اشارہ کرتی ہے:

وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّ اجْعَلْ هَذَا الْبَلَدَ آمِنًا وَاجْنُبْنِي وَبَنِيَّ أَنْ نَعْبُدَ



الْأَصْنَامَ ۗ رَبِّ إِنَّهُمْ أَضَلُّنَ كَثِيرًا مِّنَ النَّاسِ ۗ فَمَنْ تَبِعَنِي فَإِنَّهُ مِنِّي ۗ وَمَنْ عَصَانِي فَإِنَّكَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿۳۶﴾ (ابراہیم ۱۴: ۳۵-۳۶)

یاد کرو وہ وقت جب ابراہیمؑ نے دعا کی تھی کہ ”پروردگار، اس شہر (یعنی مکہ) کو امن کا شہر بنا اور مجھے اور میری اولاد کو بت پرستی سے بچا۔ پروردگار، ان بتوں نے بہتوں کو گمراہی میں ڈالا ہے (ممکن ہے کہ میری اولاد کو بھی یہ گمراہ کر دیں، لہذا ان میں سے) جو میرے طریقے پر چلے وہ میرا ہے اور جو میرے خلاف طریقہ اختیار کرے تو یقیناً تو درگزر کرنے والا مہربان ہے۔





## عاد و ثمود اور مدین

### قوموں کی بدبختی

قرآن پاک میں جن مشرک اور باغی قوموں کا بتکرار تذکرہ ہوا ہے، ان میں عاد و ثمود اور مدین خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ان کے علاوہ، اصحاب الاخدود (گڑھے والے، جنھوں نے اہل ایمان کو آگ کے گڑھوں میں جلا ڈالا تھا)، اصحاب الرس (ان کا تذکرہ سورۃ الفرقان اور سورۃ ق میں آیا ہے۔ رس عربی زبان میں اندھے کنوئیں کو کہتے ہیں۔ اس بدبخت قوم نے اپنے وقت کے پیغمبر کو اندھے کنوئیں میں لٹکا کر مار ڈالا تھا۔)، اصحاب الایکہ (یہ حضرت شعیب کی قوم کا حصہ تھا۔ مدین کے مرکزی شہر کے بعد یہ دوسرا بڑا شہر تھا۔ کہا جاتا ہے کہ تبوک کا پرانا نام ایکہ تھا، جس کے لغوی معنی گھنے جنگل کے ہیں)، اصحاب الحجر (الحجر قوم ثمود کا مرکزی شہر تھا۔ گویا یہ حضرت صالح علیہ السلام کی مخاطب قوم تھی)، قوم تبع (یمنی قبیلہ خمیر کے بادشاہوں کا لقب تھا۔)، قوم لوط اور فراعنہ مصر کا تذکرہ بھی کئی مقامات پر آیا ہے۔

ان قوموں کی طرف اللہ کے نبی مبعوث ہوئے اور انھوں نے دعوت کا حق ادا کیا، مگر ان بدبخت قوموں کے سرداران اور عوام نے دعوتِ حق کو ٹھکرا دیا۔ حضرت نوح علیہ السلام پر بھی بہت کم لوگ ایمان لائے تھے اور ان انبیائے کرام پر ایمان لانے والوں کی تعداد بھی قلیل تھی۔ اللہ کے ہر نبی نے اپنی قوم کے سامنے ایک ہی دعوت پیش کی اور وہ اللہ کی توحید، آخرت پر ایمان اور معاملات کی درستگی تھی۔ ان بدبخت قوموں نے کامیابی کا راستہ چھوڑ کر ناکامی و تباہی کی روش اپنائی اور اپنے برے انجام سے دوچار ہوئیں۔



## دعوتِ حق کی یکسانیت

ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیائے کرام میں سے چند ایک کا قرآن کریم میں بھرپور تعارف کرایا گیا ہے۔ ان میں سے ہر ایک نبی نے اپنی دعوت کا خلاصہ جو پیش کیا وہ یہی تھا: **لِقَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُمْ مِنْ إِلَهٍ غَيْرُهُ** ۱۔ (الاعراف ۷: ۵۹، ۶۵، ۷۳، ۸۵) یعنی اے برادرانِ قوم! اللہ کی بندگی کرو، اس کے سوا تمہارا کوئی الہ نہیں ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام، حضرت ہود علیہ السلام، حضرت صالح علیہ السلام اور حضرت شعیب علیہ السلام سبھی نے قرآن کے الفاظ میں یہی دعوت اپنی قوموں کے سامنے پیش کی۔ جن انبیاء کا قرآن پاک میں نام لے کر تذکرہ نہیں کیا گیا، ان سب کی بھی یہی تعلیم تھی۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں فرمایا ہے: **وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُولٍ إِلَّا لِيُطَاعَ بِإِذْنِ اللَّهِ** ۲۔ (النساء ۴: ۶۴) یعنی ہم نے جو رسول بھی بھیجا ہے اسی لیے بھیجا ہے کہ اذنِ خداوندی کی بنا پر اس کی اطاعت کی جائے۔

## تذکیر اور یاد دہانی

یہ مضمون قرآن پاک میں جگہ جگہ موقع محل کی مناسبت سے تذکیر و یاد دہانی کے طور پر بیان کیا گیا ہے۔ سورہ الانبیاء میں ارشاد فرمایا:

**وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُولٍ إِلَّا نُوحِي إِلَيْهِ أَنْهُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدُونِ** ۳ (الانبیاء ۲۱: ۲۵)

ہم نے تم سے پہلے جو رسول بھی بھیجا ہے اس کو یہی وحی کی ہے کہ میرے سوا کوئی خدا نہیں ہے، پس تم لوگ میری ہی بندگی کرو۔

سورہ الشعراء میں حضرت نوح علیہ السلام، حضرت ہود علیہ السلام، حضرت صالح علیہ السلام، حضرت لوط علیہ السلام اور حضرت شعیب علیہ السلام، سبھی کی قوموں کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ انہوں نے اپنے باطل مذہب کو چھوڑ کر حق قبول کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ ان تمام انبیاء کی دعوت یہ تھی: **إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ** ۴ **فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا** ۵ **وَمَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ** ۶ **إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَى**



رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿۱۶۱﴾ (الشعراء ۲۵: ۱۰۹ تا ۱۲۵ / ۱۳۵ تا ۱۴۳ / ۱۶۲ تا ۱۶۳ / ۱۸۰ تا ۱۷۸) میں تمہارے لیے ایک امانت دار رسول ہوں۔ لہذا تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔ میں اس کام پر تم سے کسی اجر کا طالب نہیں ہوں۔ میرا اجر تو اللہ رب العالمین کے ذمے ہے۔

### قوم عاد کا جواب

ان تمام اقوام نے کسی نہ کسی صورت میں بت پرستی کو اپنا شعار بنا رکھا تھا۔ ہود علیہ السلام کو ان کی قوم نے دھمکیاں دیں اور کہا کہ ہمارے بتوں کی تم پر مار پڑ گئی ہے۔ ہم اپنے بتوں کو کسی صورت نہیں چھوڑیں گے۔

قَالُوا يَهُودُ مَا جِئْتَنَا بِبَيِّنَةٍ وَمَا نَحْنُ بِتَارِكِي آلِهَتِنَا عَنْ قَوْلِكَ وَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِينَ ﴿۵۲﴾ اِنْ نَقُولُ اِلَّا اعْتَرَاكَ بَعْضُ آلِهَتِنَا بِسُوءٍ ۗ قَالَ اِنِّىٓ اُشْهِدُ اللّٰهَ وَ اَشْهَدُ وَا اِنِّىٓ بَرِيۡءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ﴿۵۳﴾ (ہود ۵۳-۵۲)

انہوں نے جواب دیا: ”اے ہوڈ، تو ہمارے پاس کوئی صریح شہادت لے کر نہیں آیا ہے اور تیرے کہنے سے ہم اپنے معبودوں کو نہیں چھوڑ سکتے، اور تجھ پر ہم ایمان لانے والے نہیں ہیں۔ ہم تو یہ سمجھتے ہیں کہ تیرے اوپر ہمارے معبودوں میں سے کسی کی مار پڑ گئی ہے۔“ ہود علیہ السلام نے جواب میں کہا: ”میں اللہ کی شہادت پیش کرتا ہوں اور تم گواہ رہو کہ یہ جو اللہ کے سوا دوسروں کو تم نے خدائی میں شریک ٹھہرا رکھا ہے ان سے میں بیزار ہوں۔“

### قوم ثمود کا رویہ

صالح علیہ السلام کی قوم نے انہیں ان کی دعوت پر یوں جواب دیا:

قَالُوا اِطْلِحْ قَدْ كُنْتَ فِينَا مَرْجُوًّا قَبْلَ هٰذَا اَتَنْهٰنَا اَنْ نَّعْبُدَ مَا يَعْبُدُ اٰبَاؤُنَا وَاِنَّا لَفِيۡ شَكٍّ مِّمَّا تَدْعُوۡنَا اِلَيْهِ مُرِيۡبٍ ﴿۶۲﴾ (ہود ۶۲)

انہوں نے کہا ”اے صالح، اس سے پہلے تو ہمارے درمیان ایسا شخص تھا جس سے بڑی



توقعات وابستہ تھیں۔ کیا تو ہمیں ان معبودوں کی پرستش سے روکنا چاہتا ہے جن کی پرستش ہمارے باپ دادا کرتے تھے؟ تو جس طریقے کی طرف ہمیں بلا رہا ہے اس کے بارے میں ہم کو سخت شبہ ہے جس نے ہمیں خلیجان میں ڈال رکھا ہے۔“

### قوم شعیب کی بغاوت

شعیب علیہ السلام کی دعوت کے جواب میں ان کی قوم نے رعونت اور سرکشی اختیار کرتے ہوئے دین حق قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ ان کا جواب یہ تھا:

قَالُوا لَشُعَيْبٍ أَصْلُوكُ تَأْمُرُكَ أَنْ تَتْرُكَ مَا يَعْبُدُ آبَاؤُنَا وَأَنْ تَفْعَلَ فِي أَمْوَالِنَا مَا نَشَاءُ إِنَّكَ لَأَنْتَ الْحَلِيمُ الرَّشِيدُ ﴿٨٤﴾ (ہود ۱۱: ۸۷)

انہوں نے جواب دیا ”اے شعیب، کیا تیری نماز تجھے یہ سکھاتی ہے کہ ہم ان سارے معبودوں کو چھوڑ دیں جن کی پرستش ہمارے باپ دادا کرتے تھے؟ یا یہ کہ ہم کو اپنے مال میں اپنے منشا کے مطابق تصرف کرنے کا اختیار نہ ہو؟ بس تو ہی ایک عالی ظرف اور راست باز آدمی رہ گیا ہے!“

### اہل حق و باطل کا موازنہ

سابقہ انبیا اور ان کی قوموں کے یہ واقعات قرآن و حدیث اور سیرت و تاریخ میں اس وجہ سے بیان ہوئے ہیں کہ ان کے اندر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کے لیے ایک ڈھارس اور امید کا پیغام ہے اور معاندین حق کے لیے سرزنش، انذار اور عبرت کا سامان ہے۔ مکہ معظمہ کے جس بت پرست معاشرے میں اللہ نے اپنے آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا، اس میں بت پرستی جو بن پرستی تھی۔ اللہ کے نام پر بننے والے مقدس گھر بیت اللہ شریف کے اندر بھی ۳۶۰ بت سجائے گئے تھے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ سابقہ قوموں کا عبرت ناک انجام بیان کرنے کے بعد عرب کے اس بت پرست معاشرے کو بھی انذار و تذکیر کے ذریعے آنکھیں کھولنے اور ہٹ دھرمی چھوڑ کر حق کے سامنے سرنگوں ہونے کی دعوت دیتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مخالفین



اور سابقہ انبیائے کرام کا انکار کرنے والے معاشرے اپنی ذہنیت کے لحاظ سے کم و بیش ایک ہی جیسی کیفیت میں مبتلا تھے۔ حق پرستوں کی سوچ و ذہنیت بھی ہمیشہ ایک جیسی رہی ہے اور باطل پرست بھی ہر دور میں مختلف خیالات رکھنے کے باوجود ایک ہی ذہنیت کے مالک ہوتے ہیں۔

### مشرکین عرب

اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں کئی مقامات پر مشرکین عرب کی ہٹ دھرمی اور اپنی بت پرستی پر قائم رہنے کی ضد کا تذکرہ کیا ہے۔ ہم صرف ایک آیت یہاں نقل کر رہے ہیں۔ سورہ المائدہ میں ارشاد فرمایا:

وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا إِلَىٰ مَا أَنزَلَ اللَّهُ وَإِلَى الرَّسُولِ قَالُوا حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ

أَبَاءَنَا أَوْ لَوْ كَانَ آبَاءُ وَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ شَيْئًا وَلَا يَهْتَدُونَ ﴿۱۰۴﴾ (المائدہ ۵: ۱۰۴)

”اور جب ان (مشرکین عرب) سے کہا جاتا ہے کہ آؤ اس قانون کی طرف جو اللہ نے نازل کیا ہے اور آؤ اللہ کے رسول کی طرف تو وہ جواب دیتے ہیں کہ ہمارے لیے تو بس وہی طریقہ کافی ہے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے۔ کیا یہ باپ دادا ہی کی تقلید کیے چلے جائیں گے، خواہ وہ کچھ نہ جانتے ہوں اور صحیح راستے کی انھیں خبر ہی نہ ہو؟“

### شرک جلی و خفی

پس سیرت کے ابواب میں اہل علم نے ان واقعات کو اسی نقطہ نظر سے جگہ دی ہے۔ ہم نے بھی اختصار کے ساتھ ان واقعات کا احاطہ کیا ہے اور پیش نظر تذکیر ہی ہے، کیونکہ آج کا نام نہاد مسلمان معاشرہ بھی بہت سی ایسی صورتوں کا شکار ہے جنہیں شرک جلی اور شرک خفی کا نام دیا جاسکتا ہے۔ قبر پرستی اور پیر پرستی کے ساتھ ساتھ اہل اقتدار اور طاغوتی قوتوں کی معصیت الہی میں غیر مشروط اطاعت سبھی شرک کی صورتیں ہیں۔ ان سب سے خطرناک خواہشات نفس کے بت کی پوجا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں اس کا کئی مقامات پر تذکرہ کیا ہے۔ سورہ الفرقان میں فرمایا:



أَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلَهَهُ هَوَاهُ ۗ أَفَأَنْتَ تَكُونُ عَلَيْهِ وَكِيلًا ۗ (الفرقان ۲۵: ۲۳)

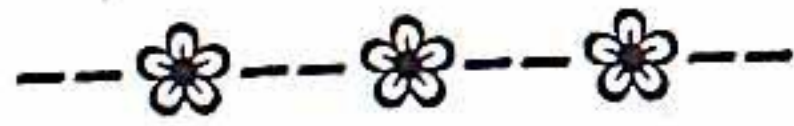
کبھی تم نے اس شخص کے حال پر غور کیا ہے جس نے اپنی خواہش نفس کو اپنا خدا بنا لیا ہو؟ تم ایسے شخص کو راہِ راست پر لانے کا ذمہ لے سکتے ہو؟

سورہ الجاثیہ میں فرمایا:

أَفَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلَهَهُ هَوَاهُ ۗ وَأَضَلَّهُ اللَّهُ عَلَىٰ عِلْمٍ وَخَتَمَ عَلَىٰ سَمْعِهِ وَغَشَّىٰ عَلَيْهِ غِشْوَةً ۗ فَتَمَنَّىٰ يَهْدِيهِ ۗ مِنْ بَعْدِ اللَّهِ ۗ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ ۗ (الجاثیہ ۲۵: ۲۳)

پھر کیا تم نے کبھی اس شخص کے حال پر غور کیا جس نے اپنی خواہش نفس کو اپنا خدا بنا لیا اور اللہ نے علم کے باوجود اسے گمراہی میں پھینک دیا اور اس کے دل اور کانوں پر مہر لگا دی اور اس کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا؟ اللہ کے بعد اب اور کون ہے جو اسے ہدایت دے؟ کیا تم لوگ کوئی سبق نہیں لیتے؟

اللہ تعالیٰ ہم کو خالص توحید اپنانے اور قرآن و سنت کے احکام پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور شرک کی ہر جلی و خفی برائی سے ہمیشہ کے لیے محفوظ رکھے۔ آمین!





## بنی اسرائیل میں بت پرستی

### حکمرانی سے غلامی تک

سیدنا ابراہیم علیہ السلام جد الانبیا ہیں۔ آپ کے بعد آنے والے اکثر و بیشتر انبیا و رسل آپ ہی کی ذریت میں سے ہیں۔ آپ کے بیٹے سیدنا اسحاق کی اولاد میں سب سے زیادہ انبیا مبعوث ہوئے۔ انھی انبیا میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد سب سے نمایاں مقام حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حاصل ہے۔ موسیٰ علیہ السلام ایک غلام قوم میں پیدا ہوئے جو مصر کے قبطنی حکمرانوں کے زیر تسلط تھی۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کے دور میں مصر پر بنی اسرائیل کو اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب نبی سیدنا یوسف علیہ السلام کے ذریعے حکمرانی بخشی جو کئی نسلوں تک چلتی رہی۔ پھر اخلاقی زوال نے ان لوگوں سے دنیا کی امامت و سیادت چھین لی۔ یوں یہ قوم حکمرانی کے مقام سے گر کر غلامی کی زنجیروں میں جکڑی گئی۔ اسی غلام قوم میں اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام اور ان کے بھائی ہارون علیہ السلام کو مبعوث فرمایا۔

### بچھڑے کی پرستش

موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے بچھڑے کی پرستش کا جرم کر کے خود کو مشرکین میں شامل کر لیا۔ اگرچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ کی نصرت سے اس فتنے کا سدباب تو کر لیا، مگر بچھڑے کی محبت اکثر لوگوں کے دلوں میں ایسی بسی کہ قرآن کے الفاظ میں وَأَشْرَبُوا فِي قُلُوبِهِمُ الْعِجْلَ یعنی باطل پرستی کی وجہ سے ان کے دلوں میں بچھڑا بسا ہوا تھا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَقَدْ جَاءَكُمْ مُوسَىٰ بِالْبَيِّنَاتِ ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْ بَعْدِ ذَٰلِكَ وَأَنْتُمْ ظَالِمُونَ ﴿١٧﴾



وَ إِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّورَ ۖ خُذُوا مَا آتَيْنَكُم بِقُوَّةٍ  
وَاسْمِعُوا ۚ قَالُوا سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا ۚ وَأُشْرِبُوا فِي قُلُوبِهِمُ الْعِجْلَ بِكُفْرِهِمْ ۚ قُلْ  
بِئْسَ مَا يُمِرُّكُمْ بِهِ ۚ إِنِّي أَنَا نَكُومٌ مِّنْكُمْ إِن كُنتُمْ مُّؤْمِنِينَ ﴿۹۳﴾ (البقرة ۲: ۹۲-۹۳)

تمہارے پاس موسیٰ کیسی کیسی روشن نشانیوں کے ساتھ آیا۔ پھر بھی تم ایسے ظالم تھے کہ اس کے پیٹھ موڑتے ہی پچھڑے کو معبود بنا بیٹھے۔ پھر ذرا اس ميثاق کو یاد کرو، جو طور کو تمہارے اوپر اٹھا کر ہم نے تم سے لیا تھا۔ ہم نے تاکید کی تھی کہ جو ہدایات ہم دے رہے ہیں، ان کی سختی کے ساتھ پابندی کرو اور کان لگا کر سنو۔ تمہارے اسلاف نے کہا کہ ہم نے سن لیا، مگر مانیں گے نہیں۔ اور ان کی باطل پرستی کا یہ حال تھا کہ دلوں میں ان کے پچھڑا بسا ہوا تھا۔ کہو: اگر تم مومن ہو تو یہ عجیب ایمان ہے، جو ایسی بری حرکات کا تمہیں حکم دیتا ہے۔

### ہنود و یہود کی مشابہت

یہ عجیب اتفاق ہے کہ ہنود و یہود میں کئی چیزیں مشترک ہیں سب سے پہلی بات تو اسلام دشمنی ہے، جس کا منظر آج بھی پوری دنیا دیکھ رہی ہے۔ دوسری بات سود کی لعنت ہے، جس میں عالمی ساہوکار یہودی و صہیونی اور بھارتی ساہوکار بنیا سرفہرست ہیں۔ اس کے علاوہ پچھڑے کی پرستش کا جرم بنی اسرائیل نے اللہ کے سچے پیغمبروں کی موجودگی میں کیا تو ہندوؤں میں بھی صدیوں سے جاری گائے کی پوجا و پرستش اور تقدس آج تک قائم ہے۔ گاندھی اور مرارجی ڈیسی جیسے بظاہر بڑے سیاست دان گائے کا پیشاب پینے تک کو سعادت سمجھتے تھے۔ اس وقت بھی گائے کے تقدس کا دعویٰ کرنے والے ہندو مسلمانوں کو بھارت کی دھرتی پر ہر روز اس بنیاد پر قتل کر دیتے ہیں کہ انھوں نے گائے کا گوشت بیچا ہے، اگرچہ وہ گوشت بھینس یا بکرے ہی کا کیوں نہ ہو۔ فرق صرف اتنا ہے کہ اسرائیلی پچھڑے یعنی نر کے پجاری تھے اور ہندو گائے یعنی مادہ کی پرستش کرتے ہیں۔ ذہنیت دونوں کی ایک جیسی ہے۔

مصر میں فرعون کی غلامی کا بدترین دور اللہ نے معجزاتی طور پر ختم فرمایا اور بنی اسرائیل کو نہ



صرف آزادی ملی بلکہ اللہ تعالیٰ نے انھیں زمین کا مالک بنا دیا۔ اس کے باوجود اس قوم کی بدبختی اور ذلت اس انتہا کو پہنچ چکی تھی کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام سمندر سے اپنی قوم کے ساتھ بخیریت نکل گئے اور ان کی آنکھوں کے سامنے ان کا دشمن فرعون اپنی فوجوں سمیت غرق ہو گیا تو اللہ کا شکر بجالانے اور اپنے محسن سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی اطاعت کرنے کی بجائے انھوں نے الٹا ایسا مطالبہ پیش کیا جس کے رد کے لیے اللہ نے ہر نبی بھیجا۔ ان کا مطالبہ اتنا احمقانہ ہے کہ تعجب ہوتا ہے۔ قرآن کے الفاظ میں اس واقعہ کا نقشہ یوں کھینچا گیا ہے:

خالق حقیقی کی بجائے بتوں سے لگاؤ

وَجَوِّزْنَا بَنِي إِسْرَائِيلَ الْبَحْرَ فَأَتَوْا عَلَى قَوْمٍ يَعْكُفُونَ عَلَى أَصْنَامٍ لَهُمْ قَالُوا  
يُؤَسَّى اجْعَلْ لَنَا إِلَهًا كَمَا لَهُمْ آلِهَةٌ ۗ قَالَ إِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُونَ ﴿۱۳۸﴾ إِنَّ هَؤُلَاءِ  
مُتَّبِعُونَ مِمَّا بَدَلُوا ۗ وَمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۱۳۹﴾ قَالَ أَغَيْرَ اللَّهِ أَبْغِيكُمْ إِلِهًا وَهُوَ  
فَضَّلَكُمْ عَلَى الْعَالَمِينَ ﴿۱۴۰﴾ (الاعراف: ۷: ۱۳۸-۱۴۰)

بنی اسرائیل کو ہم نے سمندر سے گزار دیا، پھر وہ چلے اور راستے میں ایک ایسی قوم پر ان کا گزر ہوا جو اپنے چند بتوں کی گرویدہ بنی ہوئی تھی۔ کہنے لگے: اے موسیٰ ہمارے لیے بھی کوئی ایسا معبود بنا دے جیسے ان لوگوں کے معبود ہیں۔ موسیٰ نے کہا تم لوگ بڑی نادانی کی باتیں کرتے ہو۔ یہ لوگ جس طریقے کی پیروی کر رہے ہیں وہ تو برباد ہونے والا ہے اور جو عمل وہ کر رہے ہیں وہ سراسر باطل۔ پھر موسیٰ نے کہا: کیا میں اللہ کے سوا کوئی اور معبود تمہارے لیے تلاش کروں؟ حالانکہ وہ اللہ ہی ہے جس نے تمہیں دنیا کی قوموں پر فضیلت بخشی ہے۔

صنم کدے

اس آیت کی تفسیر میں مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی نے جو تفسیری حاشیہ لکھا ہے وہ لائق مطالعہ ہے۔ آپ تحریر فرماتے ہیں: ”بنی اسرائیل نے جس مقام سے بحر احمر کو عبور کیا وہ غالباً



موجودہ سویز اور اسماعیلیہ کے درمیان کوئی مقام تھا۔ یہاں سے گزر کر یہ لوگ جزیرہ نمائے سینا کے جنوبی علاقے کی طرف ساحل کے کنارے کنارے روانہ ہوئے۔ اس زمانے میں جزیرہ نمائے سینا کا مغربی اور شمالی حصہ مصر کی سلطنت میں شامل تھا۔ جنوب کے علاقے میں موجودہ شہر طور اور ابوزنیمہ کے درمیان تانبے اور فیروزے کی کانیں تھیں جن سے اہل مصر بہت فائدہ اٹھاتے تھے اور ان کانوں کی حفاظت کے لیے مصریوں نے چند مقامات پر چھاؤنیاں قائم کر رکھی تھیں۔ انھی چھاؤنیوں میں سے ایک چھاؤنی مَفْقَہ کے مقام پر تھی جہاں مصریوں کا ایک بہت بڑا بت خانہ تھا جس کے آثار اب بھی جزیرہ نما کے جنوبی مغربی علاقے میں پائے جاتے ہیں۔ اس کے قریب ایک اور مقام بھی تھا جہاں قدیم زمانے سے سامی قوموں کی چاند دیوی کا بت خانہ تھا۔ غالباً انھی مقامات میں سے کسی کے پاس سے گزرتے ہوئے بنی اسرائیل کو، جن پر مصریوں کی غلامی نے مصریّت زدگی کا اچھا خاصا ٹھپا لگا رکھا تھا، ایک مصنوعی خدا کی ضرورت محسوس ہوئی ہوگی۔

غلامی میں بدل جاتا ہے قوموں کا ضمیر

بنی اسرائیل کی ذہنیت کو اہل مصر کی غلامی نے جیسا کچھ بگاڑ دیا تھا اس کا اندازہ اس بات سے بآسانی کیا جاسکتا ہے کہ مصر سے نکل آنے کے ۷۰ برس بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خلیفہ اول حضرت یوشع بن نون اپنی آخری تقریر میں بنی اسرائیل کے مجمع عام سے خطاب کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”تم خداوند کا خوف اور نیک نیتی اور صداقت کے ساتھ اس کی پرستش کرو اور ان دیوتاؤں کو دور کر دو جن کی پرستش تمہارے باپ دادا بڑے دریا کے پار اور مصر میں کرتے تھے اور خداوند کی پرستش کرو۔ اور اگر خداوند کی پرستش تم کو بری معلوم ہوتی ہو تو آج ہی تم اسے جس کی پرستش کرو گے چن لو۔۔۔ اب رہی میری اور میرے گھرانے کی بات سو ہم تو خداوند ہی کی پرستش کریں گے۔“ (یشوع ۲۴: ۱۴-۱۵)

اس سے انداز ہوتا ہے کہ ۴۰ سال تک حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اور ۲۸ سال تک حضرت



یوشع کی تربیت و رہنمائی میں زندگی بسر کر لینے کے بعد بھی یہ قوم اپنے اندر سے ان اثرات کو نہ نکال سکی جو فرعون مصر کی بندگی کے دور میں اس کی رگ رگ کے اندر اتر گئے تھے۔ پھر بھلا کیونکر ممکن تھا کہ مصر سے نکلنے کے بعد فوراً جو بت کدہ سامنے آ گیا تھا اس کو دیکھ کر ان بگڑے ہوئے مسلمانوں میں سے بہتوں کی پیشانیاں اس آستانے پر سجدہ کرنے کے لیے بیتاب نہ ہو جاتیں جس پر وہ اپنے سابق آقاؤں کو ماتھا رگڑتے ہوئے دیکھ چکے تھے۔“ (تفہیم القرآن، ج ۲، سورہ الاعراف، حاشیہ ۹۸، ص ۷۴-۷۵)

### ناشکرے اور باغی

موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے چالیس راتوں کے لیے کوہ طور پر طلب فرمایا۔ اس عرصے میں آپ کو تورات اور شریعت موسوی کا تحفہ عطا کیا گیا۔ اتنے عظیم اور بے مثال انعام پر پوری قوم کو اللہ کے سامنے سجدہ ریز ہو جانا چاہیے تھا، مگر تشکر کی بجائے ان لوگوں نے توحید کو چھوڑ کر شرک کا راستہ اختیار کیا اور اپنا معبود بھی ایک جانور یعنی بچھڑے کو بنا لیا۔ یہاں بھی اس قوم کی پستی قرآن کے الفاظ میں ملاحظہ فرمائیے:

وَ اتَّخَذَ قَوْمُ مُوسَىٰ مِنْ بَعْدِهِ مِنْ حُلِيِّهِمْ عِجْلًا جَسَدًا آلِهَةً خَاوِصًا بِمَسَاجِدِهِمْ وَ لَا يَهْدِيهِمْ سَبِيلًا ۚ اتَّخَذُوا وَكُورًا ۙ وَ كَانُوا ظَالِمِينَ ﴿۱۳۸﴾ وَ لَمَّا سَقَطَ فِي أَيْدِيهِمْ وَ رَأَوْا أَنَّهُمْ قَدْ ضَلُّوا ۙ قَالُوا لَئِن لَّمْ يَرْحَمْنَا رَبُّنَا وَ يُعْفِرْ لَنَا لَنَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ ﴿۱۳۹﴾ (الاعراف ۷: ۱۳۸-۱۳۹)

موسیٰ کے پیچھے اس کی قوم کے لوگوں نے اپنے زیوروں سے ایک بچھڑے کا پتلا بنا لیا جس میں سے بیل کی سی آواز نکلتی تھی۔ کیا انھیں نظر نہ آتا تھا کہ وہ نہ ان سے بولتا ہے نہ کسی معاملے میں ان کی رہنمائی کرتا ہے؟ مگر پھر بھی انھوں نے اسے معبود بنا لیا اور وہ سخت ظالم تھے۔ پھر جب ان کی فریب خوردگی کا طلسم ٹوٹ گیا اور انھوں نے دیکھ لیا کہ درحقیقت وہ گمراہ ہو گئے ہیں تو کہنے لگے کہ اگر ہمارے رب نے ہم پر رحم نہ فرمایا اور ہم سے درگزر نہ



کیا تو ہم برباد ہو جائیں گے۔

وَلَمَّا رَجَعَ مُوسَىٰ إِلَىٰ قَوْمِهِ غَضْبَانَ أَسِفًا قَالَ بِئْسَمَا خَلَفْتُمُونِي مِن بَعْدِي ۖ  
 أَعَجَلْتُمْ أَمْرَ رَبِّكُمْ ۖ وَأَلْقَى الْأُلُوحَ وَأَخَذَ بِرَأْسِ أَخِيهِ يَجُرُّهُ إِلَيْهِ ۗ قَالَ ابْنَ أُمَّ  
 إِنَّ الْقَوْمَ اسْتَضَعُّوُنِي وَكَادُوا يَقْتُلُونَنِي ۗ فَلَا تُشْمِتْ بِيَ الْأَعْدَاءَ وَلَا تَجْعَلْنِي  
 مَعَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ﴿١٥٠﴾ (الاعراف ۷: ۱۵۰)

ادھر موسیٰ غصے اور رنج میں بھرا ہوا اپنی قوم کی طرف پلٹا۔ آتے ہی اس نے کہا: ”بہت  
 بری جا نشینی کی تم لوگوں نے میرے بعد! کیا تم سے اتنا صبر نہ ہوا کہ اپنے رب کے حکم کا  
 انتظار کر لیتے؟“ اور تختیاں پھینک دیں اور اپنے بھائی (ہارون) کے سر کے بال پکڑ کر  
 کھینچا۔ ہارون نے کہا: ”اے میری ماں کے بیٹے، ان لوگوں نے مجھے دبا لیا اور قریب تھا  
 کہ مجھے مار ڈالتے۔ پس تو دشمنوں کو مجھ پر ہنسنے کا موقع نہ دے اور اس ظالم گروہ کے ساتھ  
 مجھے نہ شامل کر۔“

یہ سارا واقعہ ان چالیس دنوں کے دوران میں پیش آیا جب کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی  
 طلب پر کوہ سینا پر گئے ہوئے تھے اور یہ قوم پہاڑ کے نیچے میدان الرّاحہ میں ٹھہری ہوئی تھی۔ بنی  
 اسرائیل کی اس ذہنیت کا تجزیہ صاحب تفہیم القرآن نے ذیل کی سطور میں نہایت خوب صورت  
 اور جامع انداز میں فرمایا ہے:

”یہ اُس مصریت زدگی کا دوسرا ظہور تھا جسے لیے ہوئے بنی اسرائیل مصر سے نکلے تھے۔ مصر  
 میں گائے کی پرستش اور تقدیس کا جو رواج تھا اس سے یہ قوم اتنی شدت کے ساتھ متاثر ہو چکی تھی  
 کہ قرآن کہتا ہے: وَأَشْرَبُوا فِي قُلُوبِهِمُ الْعِجْلَ۔ یعنی ان کے دلوں میں بچھڑا بس کر رہ گیا تھا۔  
 سب سے زیادہ حیرت کا مقام یہ ہے کہ ابھی مصر سے نکلے ہوئے ان کو صرف تین مہینے ہی گزرے  
 تھے۔ سمندر کا پھٹنا، فرعون کا غرق ہونا، ان لوگوں کا بخیریت اس بند غلامی سے نکل آنا جس کے  
 ٹوٹنے کی کوئی امید نہ تھی اور اس سلسلے کے دوسرے واقعات ابھی بالکل تازہ تھے اور انھیں خوب



معلوم تھا کہ جو کچھ ہوا محض اللہ کی قدرت سے ہوا ہے، کسی دوسرے کی طاقت و تصرف کا اس میں کچھ دخل نہ تھا۔ مگر اس پر بھی انہوں نے پہلے تو پیغمبر سے ایک مصنوعی خدا طلب کیا اور پھر پیغمبر کے پیٹھ موڑتے ہی خود ایک مصنوعی خدا بنا ڈالا۔ یہی وہ حرکت ہے جس پر بعض انبیائے بنی اسرائیل نے اپنی قوم کو اس بدکار عورت سے تشبیہ دی ہے جو اپنے شوہر کے سوا ہر دوسرے مرد سے دل لگاتی ہو اور جو شب اول میں بھی بے وفائی سے نہ چوکی ہو۔

### حضرت ہارون علیہ السلام کی برأت

یہاں قرآن مجید نے ایک بہت بڑے الزام سے حضرت ہارون علیہ السلام کی برأت ثابت کی ہے جو یہودیوں نے زبردستی ان پر چسپاں کر رکھا تھا۔ بائبل میں بچھڑے کی پرستش کا واقعہ اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پہاڑ سے اترنے میں دیر لگی تو بنی اسرائیل نے بے صبر ہو کر حضرت ہارون علیہ السلام سے کہا کہ ہمارے لیے ایک معبود بنا اور حضرت ہارون نے ان کی فرمائش کے مطابق سونے کا ایک بچھڑا بنا دیا جسے دیکھتے ہی بنی اسرائیل پکارا ٹھے کہ اے اسرائیل، یہی تیرا وہ خدا ہے جو تجھے ملک مصر سے نکال لایا ہے۔ پھر حضرت ہارون نے اس کے لیے ایک قربان گاہ بنائی اور اعلان کر کے دوسرے روز تمام بنی اسرائیل کو جمع کیا اور اس کے آگے قربانیاں چڑھائیں۔ (خروج۔ باب ۳۲۔ آیت ۱-۶)۔ قرآن مجید میں متعدد مقامات پر بصراحت اس غلط بیانی کی تردید کی گئی ہے اور حقیقت واقعہ یہ بتائی گئی ہے کہ اس جرمِ عظیم کا مرتکب خدا کا نبی ہارون نہیں بلکہ خدا کا باغی سامری تھا۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو سورہ طہ، آیات ۹۰-۹۴)

### بے ضمیر قوم

بظاہر یہ بات بڑی حیرت انگیز معلوم ہوتی ہے کہ بنی اسرائیل جن لوگوں کو خدا کا پیغمبر مانتے ہیں ان میں سے کسی کی سیرت کو بھی انہوں نے داغدار کیے بغیر نہیں چھوڑا ہے اور داغ بھی ایسے سخت لگائے ہیں جو اخلاق و شریعت کی نگاہ میں بدترین جرائم شمار ہوتے ہیں، مثلاً شرک، جادوگری، زنا، جھوٹ، دغا بازی اور ایسے ہی دوسرے شدید معاصی جن سے آلودہ ہونا پیغمبر تو درکنار



ایک معمولی مومن اور شریف انسان کے لیے بھی سخت شرمناک ہے۔ یہ بات بجائے خود نہایت عجیب ہے۔ لیکن بنی اسرائیل کی اخلاقی تاریخ پر غور کرنے سے معلوم ہو جاتا ہے کہ فی الحقیقت اس قوم کے معاملے میں یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔ یہ قوم جب اخلاقی و مذہبی انحطاط میں مبتلا ہوئی اور عوم سے گزر کر ان کے خواص تک کو حتیٰ کہ علماء و مشائخ اور دینی منصب داروں کو بھی گمراہیوں اور بد اخلاقیوں کا سیلاب بہا لے گیا تو ان کے مجرم ضمیر نے اپنی اس حالت کے لیے عذرات تراشنے شروع کیے اور اسی سلسلے میں انہوں نے وہ تمام جرائم جو یہ خود کرتے تھے، انبیاء علیہم السلام کی طرف منسوب کر ڈالے تاکہ یہ کہا جاسکے کہ جب نبی تک ان چیزوں سے نہ بچ سکے تو بھلا اور کون بچ سکتا ہے۔ اس معاملے میں یہودیوں کا حال ہندوؤں سے ملتا جلتا ہے۔ ہندوؤں میں بھی جب اخلاقی انحطاط انتہا کو پہنچ گیا تو وہ لٹریچر تیار ہوا جس میں دیوتاؤں کی، رشیوں، مینیوں اور اوتاروں کی، غرض جو بلند ترین آئیڈیل قوم کے سامنے ہو سکتے تھے ان سب کی زندگیاں بد اخلاقی کے تارکول سے سیاہ کر ڈالی گئیں تاکہ یہ کہا جاسکے کہ جب ایسی ایسی عظیم الشان ہستیاں ان قبائح میں مبتلا ہو سکتی ہیں تو بھلا ہم معمولی فانی انسان ان میں مبتلا ہوئے بغیر کیسے رہ سکتے ہیں، اور پھر جب یہ افعال اتنے اونچے مرتبے والوں کے لیے بھی شرمناک نہیں ہیں تو ہمارے لیے کیوں ہوں۔“ (ایضاً، حاشیہ ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ص ۸۰-۸۲)

### حضرت عزیزؑ اور حضرت مسیحؑ کی الوہیت

یہود و نصاریٰ اہل کتاب کہلاتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت یہی لوگ پڑھے لکھے سمجھے جاتے تھے۔ اپنے علاوہ دیگر لوگوں کو یہ امی (ناخواندہ) قرار دیتے تھے۔ امی لوگ بت پرستی کے جرم میں مبتلا ہو گئے تو یہود و نصاریٰ بھی ان سے پیچھے نہ رہے۔ سابقہ ادوار میں انہوں نے اصنام پرستی کے لیے جس شوق کا اظہار کیا تھا، وہ اوپر کے صفحات میں بیان ہو چکا ہے۔ قرآن پاک میں ان لوگوں کے ایک اور شرک کا بھی تذکرہ کیا گیا ہے۔ یہودیوں نے حضرت عزیزؑ کو اور عیسائیوں نے حضرت مسیحؑ کو الوہیت میں اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرایا۔ اللہ



تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَقَالَتِ الْيَهُودُ عُزَيْرٌ ابْنُ اللَّهِ وَقَالَتِ النَّصَارَى الْمَسِيحُ ابْنُ اللَّهِ ۗ ذَٰلِكَ قَوْلُهُمْ  
بِأَفْوَاهِهِمْ ۗ يُضَاهِئُونَ قَوْلَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ قَبْلُ ۗ قَتَلْتَهُمُ اللَّهُ ۗ أَنَّى  
يُؤْفَكُونَ ۚ ﴿٣٠﴾ اِتَّخَذُوا أَحْبَابًا مِمَّنْ رُءُوبَانَهُمْ ۗ رَبَّابًا ۗ مِنْ دُونِ اللَّهِ وَالْمَسِيحَ ابْنَ  
مَرْيَمَ ۗ وَمَا أُمْرُوًا إِلَّا لِيَعْبُدُوا إِلَهًا وَاحِدًا ۗ لَآ إِلَهَ إِلَّا هُوَ ۗ سُبْحٰنَهُ عَمَّا  
يُشْرِكُونَ ۚ ﴿٣١﴾ (التوبہ ۹: ۳۰-۳۱)

یہودی کہتے ہیں کہ عزیر اللہ کا بیٹا ہے، اور عیسائی کہتے ہیں کہ مسیح اللہ کا بیٹا ہے۔ یہ بے  
حقیقت باتیں ہیں جو وہ اپنی زبانوں سے نکالتے ہیں ان لوگوں کی دیکھا دیکھی جو ان سے  
پہلے کفر میں مبتلا ہوئے تھے۔ خدا کی مار ان پر، یہ کہاں سے دھوکہ کھا رہے ہیں۔ انہوں  
نے اپنے علما اور درویشوں کو اللہ کے سوا اپنا رب بنا لیا ہے اور اسی طرح مسیح ابن مریم کو  
بھی۔ حالانکہ ان کو ایک معبود کے سوا کسی کی بندگی کرنے کا حکم نہیں دیا گیا تھا، وہ جس کے  
سوا کوئی مستحق عبادت نہیں، پاک ہے وہ ان مشرکانہ باتوں سے جو یہ لوگ کرتے ہیں۔

سید مودودی نے اس مضمون کو اپنی تفسیر میں یوں بیان فرمایا ہے:

### حضرت عزیرؑ کی عظیم شخصیت

”عزیر سے مراد عزرا (Ezra) ہیں جن کو یہودی اپنے دین کا مجدد مانتے ہیں۔ ان کا زمانہ  
۴۵۰ قبل مسیح کے لگ بھگ بتایا جاتا ہے۔ اسرائیلی روایات کے مطابق حضرت سلیمان علیہ السلام کے  
بعد جو دور ابتلا بنی اسرائیل پر آیا اس میں نہ صرف یہ کہ تورات دنیا سے گم ہو گئی تھی بلکہ بابل کی  
اسیری نے اسرائیلی نسلوں کو اپنی شریعت، اپنی روایات اور اپنی قومی زبان، عبرانی تک سے نا آشنا  
کر دیا تھا۔ آخر کار انھی عزیر یا عزرا نے بابل کے پرانے عہد نامے کو مرتب کیا، اور شریعت کی  
تجدید کی۔ اسی وجہ سے بنی اسرائیل ان کی بہت تعظیم کرتے ہیں اور یہ تعظیم اس حد تک بڑھ گئی کہ  
بعض یہودی گروہوں نے ان کو ابن اللہ تک بنا دیا۔ یہاں قرآن مجید کے ارشاد کا مقصود یہ نہیں



ہے کہ تمام یہودیوں نے بالاتفاق عزرا کا ہن کو خدا کا بیٹا بنایا ہے بلکہ مقصود یہ بتانا ہے کہ خدا کے متعلق یہودیوں کے اعتقادات میں جو خرابی رونما ہوئی وہ اس حد تک ترقی کر گئی کہ عزرا کو خدا کا بیٹا قرار دینے والے بھی ان میں پیدا ہوئے۔

### خدائی کا مقام

حدیث میں آتا ہے کہ حضرت عدی بن حاتم جو پہلے عیسائی تھے، جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہو کر مشرف باسلام ہوئے تو انھوں نے منجملہ اور سوالات کے ایک یہ سوال بھی کیا تھا کہ اس آیت میں ہم پر اپنے علما اور درویشوں کو خدا بنا لینے کا جو الزام عائد کیا گیا ہے اس کی اصلیت کیا ہے۔ جواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ جو کچھ یہ لوگ حرام قرار دیتے ہیں اسے تم حرام مان لیتے ہو اور جو کچھ یہ حلال قرار دیتے ہیں اسے حلال مان لیتے ہو؟ انھوں نے عرض کیا کہ یہ تو ضرور ہم کرتے رہے ہیں۔ فرمایا: بس یہی ان کو خدا بنا لینا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ کتاب اللہ کی سند کے بغیر جو لوگ انسانی زندگی کے لیے جائز و ناجائز کی حدود مقرر کرتے ہیں وہ دراصل خدائی کے مقام پر بزعم خود متمکن ہوتے ہیں اور جو ان کے اس حق شریعت سازی کو تسلیم کرتے ہیں وہ انھیں خدا بناتے ہیں۔

یہ دونوں الزام یعنی کسی کو خدا کا بیٹا قرار دینا، اور کسی کو شریعت سازی کا حق دینا، اس بات کے ثبوت میں پیش کیے گئے ہیں کہ یہ لوگ ایمان باللہ کے دعوے میں جھوٹے ہیں۔ خدا کی ہستی کو چاہے یہ مانتے ہوں، مگر ان کا تصور خدائی اس قدر غلط ہے کہ اس کی وجہ سے ان کا خدا کو ماننا نہ ماننے کے برابر ہو گیا ہے۔“ (تفہیم القرآن، جلد ۲، سورۃ التوبہ، حاشیہ ۱۲۹ اور ۳۱،

ص ۱۸۹-۱۹۰)





## سیدنا الیاس کی بت شکنی

### حضرت الیاس اور بعل کا بت

قرآن پاک میں بت پرستی کے باب میں جگہ جگہ سابقہ قوموں کے تذکرے ملتے ہیں۔ حضرت الیاس علیہ السلام کا ذکر قرآن پاک میں دو مقامات پر آیا ہے، ایک جگہ سورہ الانعام میں دیگر انبیاء کے ساتھ صرف ان کا اسم گرامی بیان ہوا ہے۔ دوسری جگہ سورہ الصافات میں ان کا تذکرہ قدرے تفصیلاً ملتا ہے۔ حضرت الیاس علیہ السلام بنی اسرائیل میں سے تھے۔ انھوں نے پتھر کے بتوں کے علاوہ اپنے جدا مجد سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی طرح ایوان اقتدار میں بیٹھے بتوں یعنی سلاطین وقت کو بھی جرأت مومنانہ کے ساتھ لکارا اور ان کے تکبر کے بت کو زمین بوس کر دیا۔ سورہ الصافات میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے بتایا ہے کہ حضرت الیاس علیہ السلام کی قوم بعل بت کی پرستش کرتی تھی۔ انھوں نے قوم کو اس بت پرستی سے توبہ کرنے کی دعوت دی اور پھر پوری زندگی اس تبلیغ میں صرف کر دی۔ تاہم اس قوم نے دیگر بت پرستوں کی طرح اللہ کے نبی کو جھٹلایا اور اس کے نتیجے میں اس قوم کو تباہ و برباد کر دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

### سلام علی الیاسین

وَإِنَّ إِلْيَاسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِينَ ۗ إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ أَلَا تَتَّقُونَ ۚ أَتَدْعُونَ بَعْلًا  
وَتَذَرُونَ أَحْسَنَ الْخَالِقِينَ ۚ اللَّهُ رَبُّكُمْ وَرَبُّ آبَائِكُمُ الْأَوَّلِينَ ۚ  
فَكَذَّبُوهُ فَأَنَّهُمْ لَمُحْضَرُونَ ۚ إِلَّا عِبَادَ اللَّهِ الْمُخْلَصِينَ ۚ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي  
الْآخِرِينَ ۚ سَلَّمَ عَلَىٰ آلِ يَاسِينَ ۚ إِنَّا كَذَلِكْ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ۚ إِنَّهُ مِنْ



عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِينَ ﴿۳۷﴾ (الصافات ۳۷: ۱۲۳-۱۳۲)

اور الیاس بھی یقیناً مرسلین میں سے تھا۔ یاد کرو جب اس نے اپنی قوم سے کہا تھا کہ تم لوگ ڈرتے نہیں ہو؟ کیا تم بعل کو پکارتے ہو اور احسن الخالقین کو چھوڑ دیتے ہو، اس اللہ کو جو تمہارا اور تمہارے اگلے پچھلے آباؤ اجداد کا رب ہے؟ مگر انہوں نے اسے جھٹلا دیا، سوا ب یقیناً وہ سزا کے لیے پیش کیے جانے والے ہیں، بجز ان بندگانِ خدا کے جن کو خالص کر لیا گیا تھا۔ اور الیاس کا ذکر خیر ہم نے بعد کی نسلوں میں باقی رکھا۔ سلام ہے الیاس پر۔ ہم نیکی کرنے والوں کو ایسی ہی جزا دیتے ہیں۔ واقعی وہ ہمارے مومن بندوں میں سے تھا۔

حضرت الیاس علیہ السلام کے حالات صرف سورہ الصافات میں بیان ہوئے ہیں۔ ان آیات کی تفسیر میں کم و بیش تمام مفسرین نے اس موضوع کو تفصیلاً بیان کیا ہے۔ ہم تفہیم القرآن سے مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کے تحریر کردہ تفسیری حاشیے یہاں نذر قارئین کر رہے ہیں۔ ان سے حضرت الیاس علیہ السلام کی شخصیت اور بت پرست قوم کی ذہنیت و تاریخ کا خوب پتا چلتا ہے۔ مولانا مرحوم رقم طراز ہیں:

حضرت الیاس علیہ السلام

”حضرت الیاس علیہ السلام انبیائے بنی اسرائیل میں سے تھے۔ ان کا ذکر قرآن مجید میں صرف دو ہی مقامات پر آیا ہے۔ ایک یہ مقام اور دوسرا الانعام آیت ۸۵۔ موجودہ زمانے کے محقق ان کا زمانہ ۸۷۵ اور ۸۵۰ ق م کے درمیان متعین کرتے ہیں۔ وہ جلعاد کے رہنے والے تھے (قدیم زمانے میں جلعاد اس علاقے کو کہتے تھے جو آج کل موجودہ ریاست اردن کے شمالی اضلاع پر مشتمل ہے اور دریائے یرموک کے جنوب میں واقع ہے)۔ بائبل میں ان کا ذکر ایلیاہ تیشبی (Elijah the Tishbite) کے نام سے کیا گیا ہے۔ ان کے مختصر حالات حسب ذیل ہیں:

سیاسی اور اخلاقی زوال

حضرت سلیمان علیہ السلام کی وفات کے بعد ان کے بیٹے رجعام (Rehoboam) کی نااہلی



کے باعث بنی اسرائیل کی سلطنت کے دو ٹکڑے ہو گئے تھے۔ ایک حصہ جو بیت المقدس اور جنوبی فلسطین پر مشتمل تھا، آل داؤد کے قبضے میں رہا اور دوسرا حصہ جو شمالی فلسطین پر مشتمل تھا اس میں ایک مستقل ریاست اسرائیل کے نام سے قائم ہو گئی اور بعد میں سامریہ اس کا صدر مقام قرار پایا۔ اگرچہ حالات دونوں ہی ریاستوں کے دگرگوں تھے۔ لیکن اسرائیل کی ریاست شروع ہی سے ایسے سخت بگاڑ کی راہ پر چل پڑی تھی جس کی بدولت اس میں شرک و بت پرستی، ظلم و ستم اور فسق و فجور کا زور بڑھتا چلا گیا۔ یہاں تک کہ جب اسرائیل کے بادشاہ انخی اب (Ahab) نے صیدا (موجودہ لبنان) کے بادشاہ کی لڑکی ایزبل (Jezebel) سے شادی کر لی تو یہ فساد اپنی انتہا کو پہنچ گیا۔ اس مشرک شہزادی کے اثر میں آ کر انخی اب خود بھی مشرک ہو گیا، اس نے سامریہ میں بعل کا مندر اور مذبح تعمیر کیا، خدائے واحد کی پرستش کے بجائے بعل کی پرستش رائج کرنے کی بھرپور کوشش کی اور اسرائیل کے شہروں میں علانیہ بعل کے نام پر قربانیاں کی جانے لگیں۔

### رسول حق کی وارننگ

یہی زمانہ تھا جب حضرت الیاس علیہ السلام کا ایک منظر عام پر نمودار ہوئے اور انھوں نے جلعاد سے آ کر انخی اب کو نوٹس دیا کہ تیرے گناہوں کی پاداش میں اب اسرائیل کے ملک پر بارش کا ایک قطرہ بھی نہ برے گا، حتیٰ کہ اس تک نہ پڑے گی۔ خدا کے نبی کا یہ قول حرف بحرف صحیح ثابت ہوا اور ساڑھے تین سال تک بارش بالکل بند رہی۔ آخر کار انخی اب کے ہوش کچھ ٹھکانے آئے اور اس نے حضرت الیاس علیہ السلام کو تلاش کرا کے بلوایا۔ انھوں نے بارش کے لیے دعا کرنے سے پہلے یہ ضروری سمجھا کہ اسرائیل کے باشندوں کو اللہ رب العالمین اور بعل کا فرق اچھی طرح بتادیں۔ اس غرض کے لیے انھوں نے حکم دیا کہ ایک مجمع عام میں بعل کے پوجاری بھی آ کر اپنے معبود کے نام پر قربانی کریں اور میں بھی اللہ رب العالمین کے نام پر قربانی کروں گا۔ دونوں میں سے جس کی قربانی بھی انسان کے ہاتھوں سے آگ لگائے بغیر غیبی آگ سے بھسم ہو جائے اس کے معبود کی سچائی ثابت ہو جائے گی۔ انخی اب نے یہ بات قبول کر لی۔ چنانچہ کوہ کرمل (Carmel) پر بعل



کے ساڑھے آٹھ سو پوجاری جمع ہوئے اور حضرت الیاس نے سب کے سامنے یہ ثابت کر دیا کہ بعل ایک جھوٹا خدا ہے، اصل خدا وہی ایک اکیلا خدا ہے جس کے نبی کی حیثیت سے وہ مامور ہو کر آئے ہیں۔ اس کے بعد حضرت الیاس نے اسی مجمع عام میں بعل کے پوجاریوں کو قتل کر دیا اور پھر بارش کے لیے دعا کی جو فوراً قبول ہوئی یہاں تک کہ پورا ملک اسرائیل سیراب ہو گیا۔

اللہ کے نبی کی فریاد

لیکن ان معجزات کو دیکھ کر بھی زن مرید انخی اب اپنی بت پرست بیوی کے شکنجے سے نہ نکلا۔ اس کی بیوی ایزبل حضرت الیاس علیہ السلام کی دشمن ہو گئی اور اس نے قسم کھالی کہ جس طرح بعل کے پوجاری قتل کیے گئے ہیں اسی طرح الیاس علیہ السلام بھی قتل کیے جائیں گے۔ ان حالات میں حضرت الیاس علیہ السلام کو ملک چھوڑنا پڑا اور چند سال تک وہ کوہ سینا کے دامن میں پناہ گزیں رہے۔ اس موقع پر انھوں نے جو اللہ تعالیٰ سے فریاد کی تھی اسے بائبل ان الفاظ میں نقل کرتی ہے:

”بنی اسرائیل نے تیرے عہد کو ترک کیا اور تیرے مذبحوں کو ڈھا دیا اور تیرے نبیوں کو تلوار سے قتل کیا اور ایک میں ہی اکیلا بچا ہوں سو وہ میری جان لینے کے درپے ہیں۔“

اسی زمانے میں بیت المقدس کی یہودی ریاست کے فرمانروا یہورام (Jehoran) نے اسرائیل کے بادشاہ انخی اب کی بیٹی سے شادی کر لی اور اس مشرک شہزادی کے اثر سے وہی تمام خرابیاں جو اسرائیل میں پھیلی ہوئی تھیں، یہودیہ کی ریاست میں بھی پھیلنے لگیں۔ حضرت الیاس علیہ السلام نے یہاں بھی فریضہ نبوت ادا کیا اور یہورام کو ایک خط لکھا جس کے یہ الفاظ بائبل میں نقل ہوئے ہیں:

مکتوب حق بیان

”خداوند تیرے باپ دادا، کا خدا یوں فرماتا ہے: اس لیے کہ تو نہ اپنے باپ یہوسفط کی راہوں پر اور نہ یہوداہ کے بادشاہ آسا کی راہوں پر چلا بلکہ اسرائیل کے بادشاہوں کی راہ پر چلا ہے اور یہوداہ اور یروشلم کے باشندوں کو زنا کار بنایا جیسا انخی اب کے خاندان نے



کیا تھا اور اپنے باپ کے گھرانے میں سے اپنے بھائیوں کو جو تجھ سے اچھے تھے قتل بھی کیا، سو دیکھ خداوند تیرے لوگوں کو اور تیرے سارے مال کو بڑی آفتوں سے مارے گا اور تو انتزیوں کے مرض سے سخت بیمار ہو جائے گا یہاں تک کہ تیری انتزیاں اس مرض کے سبب سے روز بروز نکلتی چلی جائیں گی۔“ (۲-تواریخ ۲۱:۱۲-۱۵)

اس خط میں حضرت الیاس علیہ السلام نے جو کچھ فرمایا تھا وہ پورا ہوا۔ پہلے یہورام کی ریاست بیرونی حملہ آوروں کی تاخت سے تباہ ہوئی اور اس کی بیویوں کو دشمن پکڑ کر لے گئے، پھر وہ خود انتزیوں کے مرض سے ہلاک ہوا۔

### دوبارہ اسرائیل میں تشریف آوری

چند سال بعد حضرت الیاس علیہ السلام پھر اسرائیل تشریف لے گئے اور انہوں نے انخی اب کو اور اس کے بعد اس کے بیٹے آخزیاہ کو راہ راست پر لانے کی مسلسل کوشش کی، مگر جو بدی سامریہ کے شاہی خاندان میں گھر کر چکی تھی وہ کسی طرح نہ نکلی۔ آخر کار حضرت کی بددعا سے انخی اب کا گھر انا ختم ہو گیا اور اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو دنیا سے اٹھالیا۔ ان واقعات کی تفصیل کے لیے بائبل کے حسب ذیل ابواب ملاحظہ ہوں: ۱- سلاطین، باب ۱۷-۱۸-۱۹-۲۱-۲- سلاطین باب ۱-۲- ۳، تواریخ باب ۲۱- (تفہیم القرآن، ج ۴، سورۃ الصافات، حاشیہ ۷۰، ص ۳۰۲-۳۰۴)

### بعل کا مکمل تعارف

بعل ایک بت تھا۔ اس کا مکمل تعارف مولانا مودودی نے تاریخی اور لسانی حوالوں کے ساتھ جس انداز میں پیش کیا ہے وہ قابل مطالعہ ہے۔ تحریر فرماتے ہیں:

”بعل کے لغوی معنی آقا کے ہیں۔ شوہر کے لیے بھی یہ لفظ بولا جاتا ہے اور متعدد مقامات پر خود قرآن مجید میں استعمال ہوا ہے، مثلاً سورۃ البقرہ آیت ۲۲۸، سورۃ النساء آیت ۷۷، سورۃ ہود آیت ۷۲ اور سورۃ نور آیت ۳۱ میں۔ لیکن قدیم زمانے کی سامی اقوام اس لفظ کو الہ یا خداوند کے معنی میں استعمال کرتی تھیں اور انہوں نے ایک خاص دیوتا کو بعل کے نام سے موسوم کر رکھا



تھا۔ خصوصیت کے ساتھ لبنان کی فنیقی قوم (Phoenicians) کا سب سے بڑا دیوتا بعل تھا اور اس کی بیوی عشارات (Ashtoreth) ان کی سب سے بڑی دیوی تھی۔ محققین کے درمیان اس امر میں اختلاف ہے کہ آیا بعل سے مراد سورج ہے یا مشتری اور عشارات سے مراد چاند ہے یا زہرہ۔ بہر حال یہ بات تاریخی طور پر ثابت ہے کہ بابل سے لے کر مصر تک پورے مشرق وسطیٰ میں بعل پرستی پھیلی ہوئی تھی، اور خصوصاً لبنان اور شام و فلسطین کی مشرک اقوام بری طرح اس میں مبتلا تھیں۔ بنی اسرائیل جب مصر سے نکلنے کے بعد فلسطین اور شرق اردن میں آ کر آباد ہوئے، اور تورات کے سخت امتناعی احکام کی خلاف ورزی کر کے انہوں نے ان مشرک قوموں کے ساتھ شادی بیاہ اور معاشرت کے تعلقات قائم کرنے شروع کر دیے تو ان کے اندر بھی یہ مرض پھیلنے لگا۔ بابل کا بیان ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خلیفہ اول، حضرت یوشع بن نون علیہ السلام کی وفات کے بعد ہی بنی اسرائیل میں یہ اخلاقی و دینی زوال رونما ہونا شروع ہو گیا تھا۔

”اور بنی اسرائیل نے خدا کے آگے بدی کی اور بعلم کی پرستش کرنے لگے۔۔۔۔ اور وہ

خداوند کو چھوڑ کر بعل اور عشارات کی پرستش کرنے لگے۔“ (قضاة ۲: ۱۱-۱۲)

”سو بنی اسرائیل کنعانیوں اور حتیوں اور اموریوں اور حویلوں اور یوسیوں کے درمیان

بس گئے اور ان کی بیٹیوں سے آپ نکاح کرنے اور اپنی بیٹیاں ان کے بیٹوں کو دینے اور

ان کے دیوتاؤں کی پرستش کرنے لگے۔“ (قضاة ۲: ۵-۶)

انبیائے کرام کا اصلاحی کارنامہ

اس زمانے میں بعل پرستی اسرائیلیوں میں اس قدر گھس چکی تھی کہ بابل کے بیان کے

مطابق ان کی ایک بستی میں علانیہ بعل کا مذبح بنا ہوا تھا جس پر قربانیاں کی جاتی تھیں۔ ایک خدا

پرست اسرائیلی اس حالت کو برداشت نہ کر سکا اور اس نے رات کے وقت چپکے سے مذبح توڑ دیا۔

دوسرے روز ایک مجمع کثیر اکٹھا ہو گیا اور وہ اس شخص کے قتل کا مطالبہ کرنے لگا جس نے شرک کے

اس اڈے کو توڑا تھا۔ (قضاة ۲: ۵-۶)۔ اس صورت حال کو آخر کار حضرت سموایل، طالوت،



داؤد علیہ السلام اور سلیمان علیہ السلام نے ختم کیا اور نہ صرف بنی اسرائیل کی اصلاح کی بلکہ اپنی مملکت میں بالعموم شرک و بت پرستی کو دبا دیا۔ لیکن حضرت سلیمان علیہ السلام کی وفات کے بعد یہ فتنہ پھرا بھرا اور خاص طور پر شمالی فلسطین کی اسرائیلی ریاست بعل پرستی کے سیلاب میں بہہ گئی۔ (ایضاً، حاشیہ ۷۱، ص ۳۰۴-۳۰۵)

### بعد از مرگ قدردانی

انسانی تاریخ المیوں سے بھری پڑی ہے۔ اکثر و بیشتر تو میں اپنے درمیان خیر خواہی اور اخلاص کے ساتھ کام کرنے والے ناصحین کو اذیتیں ہی پہنچاتی رہی ہیں۔ سیدنا الیاس علیہ السلام کی زندگی بھی آزمائشوں سے بھری، مگر استقامت سے مالا مال داستان پیش کرتی ہے۔ جس نہی برحق کو ان کی زندگی میں کسی علاقے میں بد بخت لوگوں نے چین سے نہ بیٹھنے دیا، ان کے معجزات آنکھوں سے دیکھے، مگر جیتے جی ان کی قدر نہ پہچانی اس نے ان کی رحلت کے بعد انھیں تقدس کا وہ مقام دیا جس کا تذکرہ ان کی تاریخ میں ملتا ہے۔ ایسے ہی موقع پر شاعر نے کہا تھا:

عمر بھر سنگ زنی کرتے رہے اہل وطن

یہ الگ بات کہ دفنائیں گے اعزاز کے ساتھ

اسی طرح ایک اور شاعر نے ان حالات کی ترجمانی یوں کی ہے:

جیتے جی تو بہر عیادت آ نہ سکے

اب آرہے ہیں خاک اڑانے لحد کی مری

یہ شعر بھی ایسے واقعات و سانحات پر منطبق ہوتا ہے۔

اس کو ناقد ری عالم کا صلہ کہتے ہیں

مر گئے ہم تو زمانے نے بہت یاد کیا

ان دردناک اور عبرت انگیز واقعات کی صحیح عکاسی کرتے ہوئے سید مودودیؒ حضرت

الیاس علیہ السلام کے حالات میں تحریر فرماتے ہیں:



”حضرت الیاس علیہ السلام کو ان کی زندگی میں تو بنی اسرائیل نے جیسا کچھ ستایا اس کی داستان گزر چکی ہے، مگر بعد میں وہ ان کے ایسے گرویدہ و شیفتہ ہوئے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد کم ہی لوگوں کو انہوں نے ان سے بڑھ کر جلیل القدر مانا ہوگا۔ ان کے ہاں مشہور ہو گیا کہ الیاس علیہ السلام ایک بگولے میں آسمان پر زندہ اٹھالیے گئے ہیں۔ (۲-سلاطین، باب دوم) اور یہ کہ وہ پھر دنیا میں تشریف لائیں گے۔ چنانچہ بائبل کی کتاب ملاکی میں لکھا ہے:

”دیکھو، خداوند کے بزرگ اور ہولناک دن کے آنے سے پہلے میں ایلیاہ نبی کو تمہارے پاس بھیجوں گا۔ (۵:۴)

### حضرت الیاس کا انتظار

حضرت یحییٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بعثت کے زمانے میں یہودی بالعموم تین آنے والوں کے منتظر تھے۔ ایک حضرت الیاس علیہ السلام، دوسرے مسیح، تیسرے ”وہ نبی“ (یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم)۔ جب حضرت یحییٰ علیہ السلام کی نبوت شروع ہوئی اور انہوں نے لوگوں کو اصطباغ دینا شروع کیا تو یہودیوں کے مذہبی پیشواؤں نے ان کے پاس جا کر پوچھا کیا تم مسیح ہو؟ انہوں نے کہا نہیں۔ پھر پوچھا کیا تم ایلیاہ ہو؟ انہوں نے کہا نہیں۔ پھر پوچھا کیا تم ”وہ نبی“ ہو؟ انہوں نے کہا میں وہ بھی نہیں ہوں۔ تب انہوں نے کہا اگر تم نہ مسیح ہو، نہ ایلیاہ، نہ وہ نبی، تو پھر تم ہتسمہ کیوں دیتے ہو؟ (یوحنا: ۱۹-۲۶)۔ پھر کچھ مدت بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا غلغلہ بلند ہوا تو یہودیوں میں یہ خیال پھیل گیا کہ شاید ایلیاہ نبی آگئے ہیں۔ (مرقس: ۶: ۱۴-۱۵) خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں میں بھی یہ خیال پھیلا ہوا تھا کہ ایلیاہ نبی آنے والے ہیں۔ مگر حضرت نے یہ فرما کر ان کی غلط فہمی کو رفع فرمایا کہ ایلیاہ تو آچکا ہے، اور لوگوں نے اسے نہیں پہچانا بلکہ جو چاہا اس کے ساتھ کیا۔ اس سے حواری خود جان گئے کہ دراصل آنے والے حضرت یحییٰ علیہ السلام تھے نہ کہ آٹھ سو برس پہلے گزرے ہوئے حضرت الیاس۔ [متی: ۱۱: ۱۴ اور متی: ۱۷: ۱۰-۱۳]۔

(ایضاً، حاشیہ ۷۳، ص ۳۰۵-۳۰۶)



## الیاس اور الیاسین

حضرت الیاس علیہ السلام کا نام اس سلسلہ آیات میں الیاسین بھی آیا ہے۔ اس کی تشریح میں

مولانا مودودی تحریر فرماتے ہیں:

اصل میں الفاظ ہیں سَلَّمَ عَلٰی اِلٰی یَاسِیْنَ ﴿۳۰﴾ اس کے متعلق بعض مفسرین کہتے ہیں کہ یہ

حضرت الیاس علیہ السلام کا دوسرا نام ہے، جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کا دوسرا نام ابراہام تھا۔ اور بعض دوسرے مفسرین کا قول ہے کہ اہل عرب میں عبرانی اسما کے مختلف تلفظ رائج تھے، مثلاً میکال اور میکائیل اور میکائین ایک ہی فرشتے کو کہا جاتا تھا۔ ایسا ہی معاملہ حضرت الیاس کے نام کے ساتھ بھی ہوا ہے۔ خود قرآن مجید میں ایک ہی پہاڑ کا نام طور سینا بھی آیا اور اور طور سینین بھی۔

(ایضاً، حاشیہ ۷۴، ص ۳۰۶)

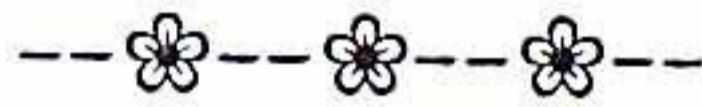
گویا حضرت الیاس ہی کو عربی میں الیاسین کہا گیا ہے اور یہ عربی میں متداول تھا، کوئی نئی

بات نہ تھی۔ بعل کا بت جسے اللہ کے نبی حضرت الیاس علیہ السلام نے بے شمار آزمائشوں سے گزرتے

ہوئے پاش پاش کر دیا تھا، بعد میں بھی مختلف قوموں اور علاقوں میں پوجا جاتا رہا۔ خود عربوں کے

ہاں بھی یہ بت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں موجود تھا جسے آپ نے منہدم اور ملیا میٹ

کر دیا۔





## جاہلیت کی دیگر رسومات

### جانوروں کا تقدس

جب انسان راہِ راست سے بھٹکتا ہے تو پھر کسی ایک مقام پر رکتا نہیں بلکہ پستیوں میں لڑھکتا ہی چلا جاتا ہے۔ بت پرستی کو شعاع بنانے کے بعد مشرکین کی کیفیت عجیب و غریب نظر آتی ہے۔ انہوں نے جانوروں کے بارے میں ایسے توہمات اور لغویات کو اپنے عقائد کا حصہ بنا لیا جنہیں دیکھ کر انسان دنگ رہ جاتا ہے کہ یہ اشرف المخلوقات کیسے اسفل السافلین کے مقام پر گرتی ہے۔ عربوں کے ہاں معروف جانور اونٹ اور بکری تھے۔ بھیڑ اور گائے بھی اگرچہ پائی جاتی تھیں، مگر نسبتاً کم۔ ان جانوروں میں سے کفار نے اونٹ اور بکری کے متعلق جو فاسد عقائد اختیار کیے ان کے مطابق بحیرہ، سائبہ، وصیلہ اور حام کی اصطلاحات مروّج ہوئیں۔ اس کا تذکرہ قرآن مجید میں کیا گیا ہے۔ سورۃ المائدہ میں ارشاد فرمایا:

مَا جَعَلَ اللَّهُ مِنْ بَحِيرَةٍ وَلَا سَائِبَةٍ وَلَا وَصِيلَةٍ وَلَا حَامٍ ۚ وَلَكِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا يَفْتَرُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ ۗ وَأَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ ﴿۱۰۳﴾ (المائدہ ۵: ۱۰۳)

اللہ نے نہ کوئی بحیرہ مقرر کیا ہے نہ سائبہ اور نہ وصیلہ اور نہ حام۔ مگر یہ کافر اللہ پر جھوٹی تہمت لگاتے ہیں اور ان میں سے اکثر بے عقل ہیں (کہ ایسے اوہام کو مان رہے ہیں)۔ ان چاروں اصطلاحات کے معنی اپنی تفاسیر میں مفسرین قرآن نے بیان کیے ہیں۔ سید مودودیؒ تفہیم القرآن جلد اول میں لکھتے ہیں: ”جس طرح ہمارے ملک میں گائے، بیل اور بکرے خدا کے نام پر یا کسی بت یا قبر یا دیوتا یا پیر کے نام پر چھوڑ دیے جاتے ہیں اور ان سے کوئی



خدمت لینایا انھیں ذبح کرنا یا کسی طور پر ان سے فائدہ اٹھانا حرام سمجھا جاتا ہے، اسی طرح زمانہ جاہلیت میں اہل عرب بھی مختلف طریقوں سے جانوروں کو چن کر کے چھوڑ دیا کرتے تھے اور ان طریقوں سے چھوڑے ہوئے جانوروں کے الگ الگ نام رکھتے تھے۔

### بجیرہ

اس اونٹنی کو کہتے تھے جو پانچ دفعہ بچے جن چکی ہو اور آخری بار اس کے ہاں زبچہ پیدا ہوا ہو۔ اس کا کان چیر کر اسے آزاد چھوڑ دیا جاتا تھا۔ پھر نہ کوئی اس پر سوار ہوتا، نہ اس کا دودھ پیا جاتا، نہ اسے ذبح کیا جاتا، نہ اس کا اون اتارا جاتا۔ اسے حق تھا کہ جس کھیت اور جس چراگاہ میں چاہے چرے اور جس گھاٹ سے چاہے پانی پیے۔

### سائبہ

اس اونٹ یا اونٹنی کو کہتے تھے جسے کسی منت کے پورا ہونے یا کسی بیماری سے شفا پانے یا کسی خطرے سے بچ جانے پر بطور شکرانہ کے چن کر دیا گیا ہو۔ نیز جس اونٹنی نے دس مرتبہ بچے دیے ہوں اور ہر بار مادہ ہی جنی ہو اسے بھی آزاد چھوڑ دیا جاتا تھا۔

### وصیلہ

اگر بکری کا پہلا بچہ نہ ہوتا تو وہ خداؤں کے نام پر ذبح کیا جاتا، اور اگر وہ پہلی بار مادہ جنتی تو اسے اپنے لیے رکھ لیا جاتا تھا۔ لیکن اگر نر اور مادہ ایک ساتھ پیدا ہوتے تو نر کو ذبح کرنے کے بجائے یونہی خداؤں کے نام پر چھوڑ دیا جاتا تھا اور اس کا نام وصیلہ تھا۔

### حام

اگر کسی اونٹ کا پوتا سواری دینے کے قابل ہو جاتا تو اس بوڑھے اونٹ کو چھوڑ دیا جاتا تھا۔ نیز اگر کسی اونٹ کے نطفے سے دس بچے پیدا ہو جاتے تو اسے بھی آزادی مل جاتی۔“ (تفہیم

القرآن، ج ۱، سورۃ المائدہ، حاشیہ ۱۱۸، ص ۵۰۸-۵۰۹)



### تفسیر ابن کثیر

امام ابن کثیر اپنی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں کہ بحیرہ وہ اونٹنی ہوتی تھی جس پر نہ تو کوئی سوار ہو سکتا تھا، نہ اس کا دودھ دودھ دودھ سکتا تھا جبکہ سائبہ اس اونٹ یا اونٹنی کو کہتے تھے جسے منت پوری ہونے کے بعد بطور تقدس اپنے بتوں کے نام منسوب کر دیتے تھے۔ پھر اس سے کوئی خدمت لینا یا اس پر سواری کرنا ممنوع ہوتا تھا۔ وہ جدھر چاہے چرے چگے، کوئی اسے منع نہ کر سکتا تھا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ سب سے پہلے جس شخص نے سائبہ اور وصیلہ وغیرہ کا تصور عربوں میں متعارف کرایا وہ عمرو بن لُحیؓ تھا۔ آپ نے فرمایا: میں نے اسے دیکھا کہ وہ دوزخ کے اندر اپنی انتڑیاں گھیٹتا ہوا درد کے مارے چیخا پکار کر رہا تھا۔ اسی طرح حضرت عمرو رضی اللہ عنہ نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے یہی روایت بیان کی ہے جس میں عمرو کے جہنم میں رسوا کن عذاب کا تذکرہ ملتا ہے۔ یہ روایت بھی صحیح بخاری میں ہے۔

### صحابی کا خدشہ اور رسول رحمت کا جواب

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک روایت بھی امام ابن کثیر نے بیان کی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بیان کرتے ہوئے سنا کہ آپ نے اپنے صحابی حضرت اکتھم بن جون سے کہا کہ اے اکتھم! میں نے عمرو بن لُحیؓ کو دوزخ میں انتڑیاں گھیٹتے ہوئے دیکھا۔ اس کی شکل و صورت بالکل تمھاری شکل و صورت جیسی تھی۔ یہ سن کر حضرت اکتھم نے عرض کیا: یا رسول اللہ! اس دوزخی سے میری مشابہت کیا میرے لیے ضرر رساں ہوگی؟ آپ نے فرمایا: لا، انک مومن و هو کافر، انه اول من غیر دین ابراہیم، و بحر البَحیرة، و سَیَّب السائبۃ، و حمی الحامی۔ یعنی نہیں تمھیں ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ تم بلاشبہ مومن ہو اور وہ کافر ہے۔ وہ پہلا شخص ہے جس نے دین ابراہیم کو تبدیل کیا اور بحیرہ اور سائبہ اور حام کی جاہلی رسوم کو متعارف کرایا۔ (تفسیر ابن کثیر، المجلد الثانی، دارالاندلس، بیروت، ص ۶۶۳-۶۶۴)

۱- ابن کثیر نے عمرو بن عامر الخزاعی بھی لکھا ہے، مگر حقیقت میں یہ شخص عمرو بن لُحیؓ بن قمعہ بن خندف ہے۔



امام قرطبی نے بھی اپنی تفسیر میں یہی روایات نقل کی ہیں، مگر انہوں نے دین ابراہیم کی جگہ دین اسماعیل لکھا ہے: وهو كافر انه اول من غير دين اسماعيل۔ (الجامع لاحكام القرآن، الجزء السادس، طبع دارالکتب العربی، قاہرہ، ص ۳۳۶-۳۳۷)

### کفار کی ہٹ دھرمی

کفار جن غلط رسومات پر اڑے ہوئے تھے، ان کی لیے اندھی تقلید کے سوا ان کے پاس کوئی دلیل نہیں ہوتی۔ انھیں جب بھی یہ کہا جائے کہ آؤ اس کائنات کے خالق و مالک سے اس کے بھیجے ہوئے رسول کی وساطت سے فیصلہ کرا لیتے ہیں تو وہ پیٹھ پھیر جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمارے لیے ہمارے آباؤ اجداد کا طریقہ ہی حجت ہے۔ قرآن مجید نے اس ضمن میں کئی مقامات پر ان کی اس ہٹ دھرمی کا تذکرہ کیا ہے۔ بحیرہ، وصیلہ، سائبہ اور حام کی رسم کا تذکرہ کرنے کے فوراً بعد اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا إِلَىٰ مَا أَنزَلَ اللَّهُ وَإِلَى الرَّسُولِ قَالُوا حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ

أَبَاءَنَا أَوْ لَوْ كَانَ آبَاءُ وَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ شَيْئًا وَلَا يَهْتَدُونَ ﴿۱۰۴﴾ (المائدہ ۵: ۱۰۴)

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ آؤ اس قانون کی طرف جو اللہ نے نازل کیا ہے اور آؤ پیغمبر کی طرف۔ وہ جواب دیتے ہیں کہ ہمارے لیے تو بس وہی طریقہ کافی ہے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے۔ کیا یہ باپ دادا ہی کی تقلید کیے چلے جائیں گے خواہ وہ کچھ نہ جانتے ہوں اور صحیح راستے کی انھیں خبر ہی نہ ہو؟





## آنحضور ﷺ کا نسب

ساٹھ پشتیں

سیدنا اسماعیل علیہ السلام نے بنو جرہم میں شادی کی اور اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان کو بارہ بیٹے عطا فرمائے۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں ان کے بیٹوں کے جو نام دیے گئے ہیں ان میں قیدار کی اولاد سرزمین حجاز میں آباد ہوئی۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں کئی نامور شخصیات نے تاریخ میں اپنا سکہ منوایا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا نسب نامہ جو بیان کیا جاتا ہے اس میں مورخین بعض پشتوں کو چھوڑ جاتے ہیں۔ علامہ شبلی نعمانی اور دیگر محققین کے مطابق آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر حضرت اسماعیل علیہ السلام تک ساٹھ پشتیں بنتی ہیں۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جو نسب نامہ آپ کے جد امجد عدنان تک بیان ہوا ہے وہ یہ ہے: محمد بن عبد اللہ بن عبد المطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام تک بعض پشتوں کو نظر انداز کر کے عمومی طور پر نو یا دس نام لکھے گئے ہیں۔

عدنان کے بعد کا نسب نامہ

ابن سعد نے طبقات میں حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے لکھا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا نسب بیان کرتے ہوئے معذ بن عدنان بن ادد کے بعد سکوت فرمایا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے بقول اس کے بعد کا نسب ماہرین انساب نے اپنے خیال کے مطابق گڑھ لیا، پھر یہ آیت تلاوت فرمائی: أَلَمْ يَأْتِكُمْ نَبُؤُا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ قَوْمِ



نُوحٌ وَعَادٌ وَثَمُودٌ وَالَّذِينَ مِنْ بَعْدِهِمْ لَا يَعْلَمُهُمْ إِلَّا اللَّهُ ط - [ابراہیم ۱۲: ۹]۔ (طبقات ابن سعد، ج ۱، ص ۵۶)

ابن سعد نے ہشام بن محمد کے حوالے سے لکھا ہے کہ معد عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کے ہم عصر تھے اور ان کا نسب یوں ہے: معد بن عدنان بن ادد بن زید بن یقذد بن یقذم بن امین بن منخر بن صابوح بن اشمیسغ بن یثجب بن یعر ب بن العوام بن نبت بن سلمان بن حمل بن قیذریا نابت بن اسماعیل بن ابراہیم۔ ابن سعد نے ہشام بن محمد بن السائب عن ابیہ وغیرہ کے حوالے سے حضرت آدم علیہ السلام تک جو شجرہ لکھا ہے وہ یوں ہے: ابراہیم بن آزر (یہ نام قرآن مجید کی سورہ الانعام میں مذکور ہے) بن تارح بن ناحور بن ساروغ (شروغ) بن ارغوا بن فالغ (فالخ) بن عابر بن شالخ (سالخ) بن ارفخشذ بن سام بن نوح علیہ السلام بن لمک بن متوخی (متوخی) بن اخنوخ (حضرت ادریس علیہ السلام کا نام ہے) بن ریز (یارذ یا یازر) بن مہلائیل بن قینان بن انوش بن شیت (شیت ان کا لقب ہبۃ اللہ ہے) بن آدم علیہ السلام۔ (طبقات ابن سعد، ج ۱، ص ۵۸-۵۹)

یہ تو مورخین کا بیان ہے۔ واللہ اعلم بالصواب!

### قائدین قوم

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آبا و اجداد میں ہر شخصیت اپنے اپنے دور میں بہت نمایاں اور ممتاز مقام کی حامل رہی ہے۔ سیادت و قیادت اور سخاوت و وجاہت، غرض ہر خوبی سے اللہ نے ان کو نوازا۔ آپ کے والد جناب عبد اللہ آپ کی پیدائش سے بھی قبل بالکل تھوڑی ہی عمر میں اللہ کو پیارے ہو گئے۔ البتہ آپ کے دادا عبدالمطلب نے لمبی عمر پائی۔ وہ بہت رعب دار شخصیت کے حامل تھے۔ انھوں نے بھی اپنے پوتے در یتیم کی طرح بچپن میں والد کا سایہ سر سے اٹھ جانے کی وجہ سے یتیمی کا زخم کھایا تھا۔ ان کے چچا جناب مطلب بن عبد مناف نے ان کی بہت توجہ اور محبت کے ساتھ پرورش کی۔ طبقات میں ابن سعد نے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا عبدالمطلب کا نام شیبۃ الحمد تھا (اپنے چچا مطلب کی کفالت، پرورش اور بے پناہ شفقت و محبت کی



وجہ سے ان کا نام عبدالمطلب پڑ گیا جسے وہ خود بھی پسند کرتے تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی نام کی طرف اپنی نسبت فرمائی۔

### بنو قریش

عبدالمطلب کے والد ہاشم تھے، جن کا ایک نام عمرو بھی بیان ہوا ہے۔ ان کے والد عبدمناف کا نام مغیرہ تھا۔ مغیرہ کے والد مشہور عرب سردار قصی تھے، جن کا اصلی نام ابن سعد کے مطابق زید تھا۔ وہ کلاب بن مرہ بن کعب بن غالب بن فہر کے بیٹے تھے۔ فہر وہ شخصیت ہیں جن کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ انھوں نے اپنے آپ کو قریش کے لقب سے موسوم کیا۔ زرقانی میں ایک شعر ہے:

اما قریش فالاصح فہر

جماعها والاکثرون النضر

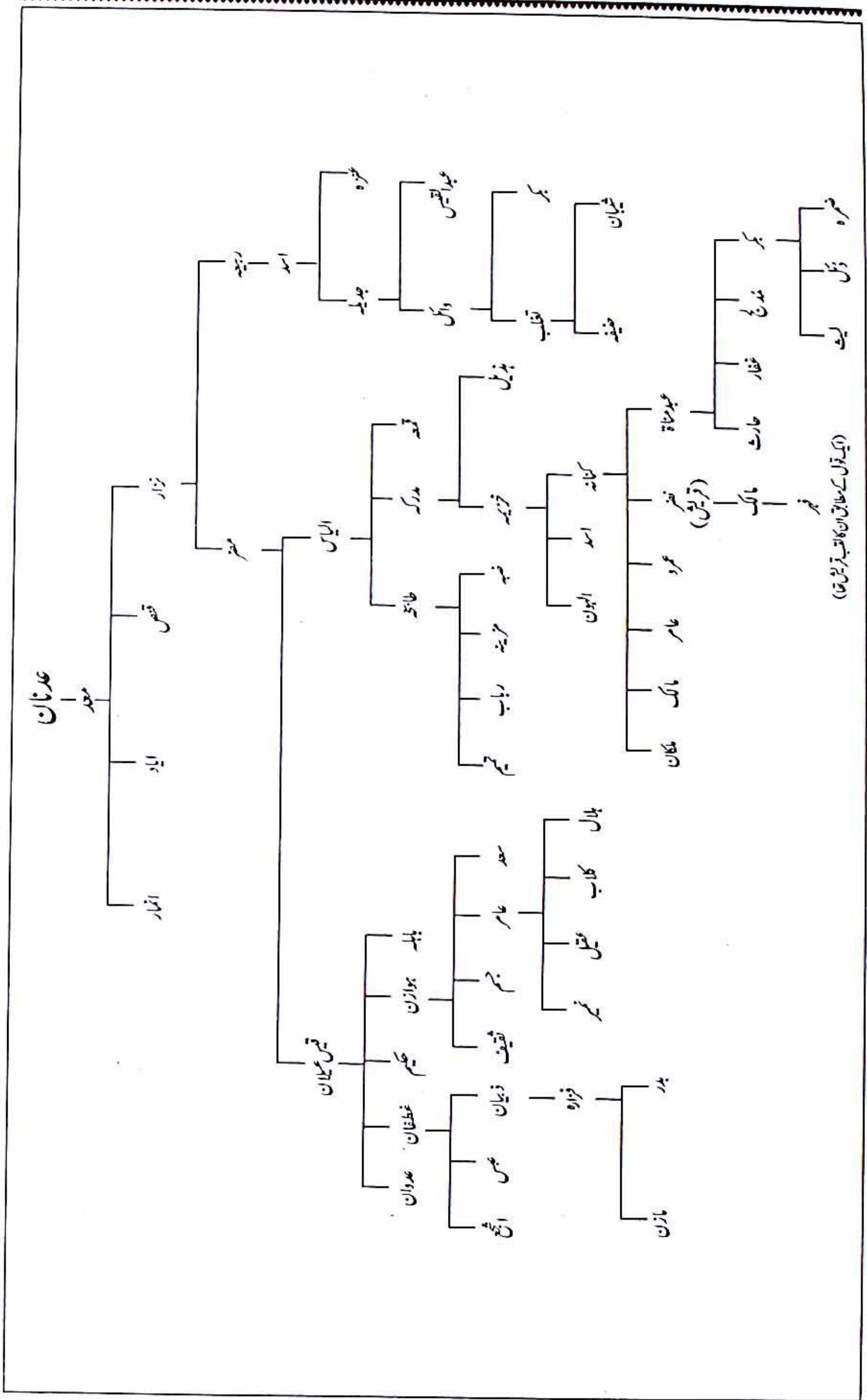
صحیح بات تو یہ ہے کہ فہر ہی کا نام قریش ہے [جس نے قبیلے کو یک جان و یک جا کیا]۔ البتہ اکثر لوگوں نے نضر کو یہ لقب دیا ہے۔ (سیرۃ النبیؐ، از شبلی نعمانی، جلد ۱، ص ۱۱۵)

اس شعر سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ فہر اور ان کے دادا نضر بن کنانہ دونوں میں سے کسی ایک نے قریش کا لفظ اپنے اور اپنے خاندان کے لیے استعمال کیا۔ معروف اور مستند یہی ہے کہ یہ فہر بن مالک تھے جن سے قریشیت کا آغاز ہوا۔ نضر بھی بہت بار عرب شخصیت کے مالک تھے اور ان کے پوتے فہر کو بھی اللہ نے عزت و احترام سے نوازا تھا۔

### تولیت کعبہ

خانہ کعبہ کی تولیت اصلاً تو بنو اسماعیل ہی کا استحقاق تھا، جنھوں نے اس کی تعمیر کی، لیکن مرور زمانہ سے حالات بدلتے رہتے ہیں۔ ایک دور ایسا بھی آیا کہ بنو خزاعہ حرم کے متولی بن گئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا کے دادا جناب قصی کو اللہ نے بڑی صلاحیتیں بخشی تھیں۔ ان کا



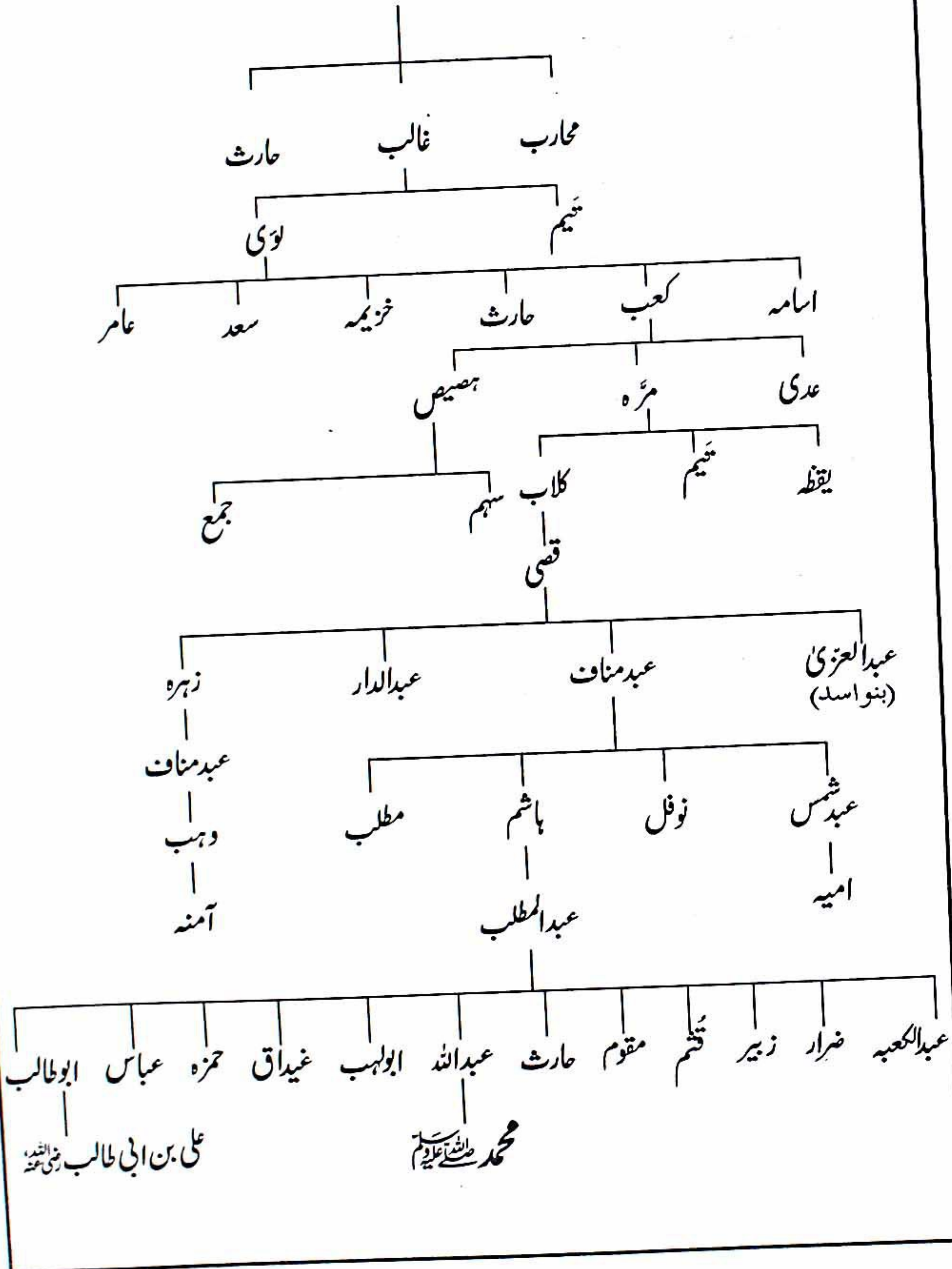


(اٹلس سیرت نبوی، از ڈاکٹر شوقی ابو خلیل، مطبوعہ دار السلام، صفحہ ۵۴)



# نسب قریش

## فہر (قریش)



(اتلس سیرت نبوی، از ڈاکٹر شوقی ابو خلیل، مطبوعہ دار السلام، صفحہ ۵۶)



ذہن بہت زرخیز اور سوچ نہایت سلیم اور دور رس تھی۔ ان کے دور میں خانہ کعبہ کے متوتی حلیل خزاعی تھے۔ جناب قصی نے ان سے ان کی بیٹی خنسی کا رشتہ اپنے لیے مانگا تو انھوں نے بخوشی اپنی بیٹی کا رشتہ دے دیا۔ حلیل اپنے داماد قصی کی قابلیت و ذہانت اور اخلاق کریمانہ کے بہت معترف تھے۔ انھوں نے محسوس کیا کہ قصی کے اندر ان کے اپنے بیٹوں سے کہیں زیادہ صلاحیتیں ہیں۔ اپنی وفات کے وقت حلیل نے وصیت کی کہ ان کے مرنے کے بعد حرم کی خدمت و تولیت قصی کے سپرد کر دی جائے۔ اس کے نتیجے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جد اعلیٰ قصی بن کلاب کو خانہ کعبہ کا متوتی ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ قصی نے اپنا خاندانی شرف نہایت حکمت و دانائی سے دوبارہ حاصل کر لیا۔ عرب میں کسی کو کوئی مقام حاصل کرنے کے لیے ضرب و حرب کا راستہ اختیار کرنا پڑتا تھا۔ جناب قصی نے بہت سوچ سمجھ کر یہ حکیمانہ حکمت عملی اختیار کی کہ اپنے لیے رشتہ طلب کیا اور جب یہ رشتہ ہو گیا تو اپنے اخلاق و کردار سے اپنے سر کا دل جیت لیا۔ یوں انھیں وہ شرف ضرب و حرب کے بغیر حاصل ہو گیا جس کے لیے عربوں کی تاریخ میں خون ریزی کے بے شمار واقعات موجود ہیں۔

### قصی بن کلاب اور دارالندوہ

بیت اللہ شریف کے اندر، مشہور عمارت دارالندوہ کا تاریخ میں بڑا تذکرہ ملتا ہے۔ یہ عمارت تعمیر کرنے کا سہرا بھی جناب قصی کے سر ہے۔ قریش جب بھی کوئی بڑا فیصلہ کرنا چاہتے تو یہیں پر تمام خاندانوں کے اصحاب الرائے بزرگ اور سردار جمع ہوتے اور موضوع متعلقہ پر بحث و مباحثے کے بعد فیصلہ کرتے، گویا یہ ان کی پارلیمنٹ تھی۔ باہر سے آنے والے مہمانوں کو بھی یہاں ٹھہرایا جاتا۔ شادی نکاح کی تقریبات بھی یہاں منعقد ہوتیں۔ جنگی مہمات یا بیرونی ممالک کو بھیجے جانے والے تجارتی قافلوں کے بارے میں بھی یہیں فیصلے ہوتے۔ غرض اس عمارت کی بہت زیادہ اہمیت تھی۔ قصی کی شخصیت کے حوالے سے ابن سعد نے طبقات الکبریٰ میں لکھا ہے کہ



انہوں نے اپنے دور میں تمام قریش کو دارالندوہ میں جمع کیا اور ایک جامع اور تاریخی خطاب فرمایا۔ اس خطاب کا تقریباً تمام مورخین نے تذکرہ کیا ہے۔ (طبقات ابن سعد، ج ۱، ص ۶۶-۶۹، سیرۃ ابن ہشام، القسم الاول، ص ۱۲۳-۱۲۶، البداية والنهاية، ج ۱، طبع دار ابن حزم، بیروت، ص ۳۵۹-۳۶۲)

### تاریخی اور یادگار خطاب

اس تاریخی خطاب کے متعلق علامہ شبلی لکھتے ہیں کہ انہوں نے تمام قریش کو کہا: ”سیکڑوں، ہزاروں کوس سے لوگ حرم کی زیارت کو آتے ہیں، ان کی میزبانی قریش کا فرض ہے، چنانچہ قریش نے [قصی کی ترغیب پر] ایک سالانہ رقم مقرر کی جس سے منیٰ اور مکہ معظمہ میں حجاج کو مفت کھانا تقسیم کیا جاتا تھا، اس کے ساتھ چرمی حوض بنوائے جن میں ایام حج میں پانی بھر دیا جاتا تھا کہ حجاج کے کام آئے، مشعر حرام بھی انھی کی ایجاد ہے، جس پر ایام حج میں چراغ جلائے جاتے تھے، چنانچہ العقد الفرید میں تصریح کی گئی ہے، قصی نے اس قدر شہرت اور اعتبار حاصل کیا کہ بعض لوگوں کا بیان ہے کہ قریش کا لقب اول انھی کو ملا۔ علامہ ابن عبد ربہ نے العقد الفرید میں یہ بھی لکھا ہے اور یہ تصریح کی ہے کہ قصی نے چونکہ خاندان کو جمع کر کے کعبہ کے آس پاس بسایا، اس لیے ان کو قریش کہتے ہیں، کیونکہ تقریش کے معنی جمع کرنے کے ہیں، اسی بنا پر ان کو مُجَمِّع [جمع کرنے والا] بھی کہتے تھے، چنانچہ شاعر کہتا ہے:

قصی ابوکم من یسَمیٰ مُجَمِّعًا

به جَمَعَ اللّٰهُ الْقَبَائِلَ مِنْ فَهْرٍ

تمہارے جد امجد قصی کو مُجَمِّع کہا جاتا ہے۔ آلِ فہر سے تعلق رکھنے والے تمام قبائل کو

اللہ نے اسی کے ذریعے مجتمع کیا۔ (سیرۃ النبیؐ، از شبلی نعمانی، ج ۱، ص ۱۱۶)

وجہ تسمیہ

قریش کے متعلق اور بھی عجیب اور دل چسپ مباحث تاریخ کی کتب میں لکھے ہوئے ہیں۔



مثلاً طبقات ابن سعد نے یہ عبارت لکھی ہے:

قریش کی وجہ تسمیہ میں اختلاف ہے بعض کہتے ہیں کہ قریش کے معنی جمع کرنے کے ہیں، قصی نے لوگوں کو ایک رشتے میں منسلک کیا، اس لیے قریش کہلائے، بعض کہتے ہیں کہ ایک مچھلی کا نام ہے، جو تمام مچھلیوں کو کھا جاتی ہے، چونکہ قصی بہت بڑے سردار تھے، اس لیے ان کو اس مچھلی سے تشبیہ دی گئی، عام خیال یہ ہے کہ قریش قصی یا کسی اور شخص کا نام ہے، لیکن سہیلی کی تحقیق یہ ہے کہ یہ قبیلے کا نام ہے (ج ۱، ص ۷۰ و ۷۱ مطبع جمالیہ مصر، ۱۳۳۲ھ، ۱۹۱۴ء، "ض") جس طرح قبائل عرب جانوروں کے نام پر بچوں کے نام رکھتے تھے، مثلاً اسد، نمر وغیرہ اسی طرح مچھلی کے نام پر یہ نام معروف ہوا۔ مورخین یورپ کا خیال ہے کہ قبائل جانوروں کی پرستش کرتے تھے اور ان جانوروں کے نام سے مشہور ہو جاتے تھے، لیکن عربی تاریخوں میں اس کا ثبوت نہیں ملتا۔ یہ محض ایک گمان ہے۔

(طبقات ابن سعد، ج ۱، ص ۵۴-۵۹)

## جنگ نہیں جرگہ!

جناب قصی کی اولاد کے بارے میں تاریخ سے پتا چلتا ہے کہ ان کے چھ بچے تھے، جن کے نام ترتیب وار یہ ہیں: عبدالدار، عبدمناف، عبدالعزیٰ، عبد بن قصی، تخمر اور برہہ۔ قصی بہت سمجھدار آدمی تھے، مگر معلوم نہیں کس حکمت و مصلحت کے تحت انہوں نے مرتے وقت حرم کی خدمت کے تمام مناصب اپنے بڑے بیٹے عبدالدار کو سونپ دیے، حالانکہ اس کے اندر وہ صلاحیتیں نہیں تھیں جو اس منصب کا حق ادا کرنے کے لیے ضروری ہیں۔ قصی کے دوسرے بیٹے اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جد امجد عبدمناف کو قریش کی عمومی قیادت سونپی گئی۔ عبدمناف کے بھی بیٹے تھے۔ جن میں سب سے نمایاں نام ہاشم بن عبدمناف کا ہے۔ جب ہاشم قیادت کے مقام پر سرفراز ہوئے تو انہوں نے اپنے بھائیوں سے مشورہ کیا کہ عبدالدار اور ان کی اولاد نے اپنے فرائض منصبی ٹھیک طرح ادا نہیں کیے جس کی وجہ سے حجاج وزائرین کو قسم قسم کی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔



اس سے اللہ کے گھر کی شان میں بھی فرق آتا ہے اور قریش کے نام کو بھی بڑھ لگتا ہے۔ تمام حجاج وزائرین واپس جا کر تحسین کی بجائے تنقید و اعتراضات کرتے ہیں، جس کی وجہ سے ہم لوگوں کی عزت پر حرف آتا ہے۔ اس لیے ان سے یہ مناصب واپس لے لینے چاہئیں۔ جب عبدالدار کی اولاد کو اس کا علم ہوا تو انہوں نے مناصب سے دست بردار ہونے سے انکار کر دیا اور جنگ کے لیے تیار ہو گئے۔ آخر مشاورت سے طے ہوا کہ باہمی گفت و شنید کے ذریعے مسئلے کا پرامن حل نکالا جائے۔ اس کے مطابق خاندانوں کے درمیان طے پایا کہ سقایہ اور رفادہ (حاجیوں کو پانی پلانا اور کھانا کھلانا) ہاشم کو دے دیا جائے۔ چنانچہ بخیر و خوبی جنگ و جدل کے بغیر یہ فیصلہ رو بہ عمل لایا گیا۔

ہاشم ایک عظیم شخصیت

ہاشم کے بارے میں مورخین نے ان کی جو خوبیاں بیان کی ہیں ان کا خلاصہ جناب شبلی نعمانی نے بہترین انداز میں لکھا ہے وہ لکھتے ہیں:

ہاشم نے اپنے فرض کو نہایت خوبی سے انجام دیا۔ حجاج کو نہایت سیر چشمی سے کھانا کھلاتے تھے، چرمی حوضوں میں پانی بھرا کر زم زم اور منیٰ کے پاس سبیل رکھتے تھے، تجارت کو نہایت ترقی دی، قیصر روم سے خط و کتابت کر کے فرمان لکھوایا کہ قریش جب اس کے ملک میں اسباب تجارت لے کر جائیں تو ان سے کوئی ٹیکس نہ لیا جائے۔ حبش کے بادشاہ نجاشی سے بھی اسی قسم کا فرمان حاصل کیا۔ چنانچہ اہل عرب جاڑوں میں یمن اور گرمیوں میں شام اور ایشیائے کوچک تک تجارت کے لیے جایا کرتے تھے۔ اس زمانے میں انگوریہ (انقرہ) جو ایشیائے کوچک کا مشہور شہر ہے، قیصر کا پایہ تخت تھا۔ تجارتی قافلے انگوریہ میں جاتے تو قیصر نہایت عزت اور احترام سے خیر مقدم کرتا تھا۔

قریش کے مامون ہونے کی اصل وجہ

عرب میں راستے محفوظ نہ تھے، ہاشم نے مختلف قبائل میں دورے کر کے قبائل سے یہ معاہدہ کیا کہ قریش کے کاروان تجارت کو ضرر نہ پہنچائیں گے، جس کے صلے میں کاروان



قریش ان قبائل میں ان کی ضرورت کی چیزیں خود لے کر جائے گا اور ان سے خرید و فروخت کرے گا۔ یہ سبب تھا کہ عرب میں باوجود عام لوٹ مار کے قریش کا قافلہ تجارت ہمیشہ محفوظ رہتا تھا۔

یہ علامہ شبلی کا تجزیہ ہے اور اس میں یقیناً وزن ہے تاہم ہمارے نزدیک اصل بات یہ ہے کہ قریش کے حرم بیت اللہ کے متولی ہونے کی وجہ سے اللہ نے ان کو تمام قبائل، اقوام اور علاقوں میں ایک خاص عزت و احترام عطا فرمادیا تھا۔ قرآن پاک میں اللہ کا ارشاد ہے:

لَا يَلْفُ قُرَيْشٍ ۝۱ الْفِهُم بِرِحْلَةِ الشِّتَاءِ وَالصَّيْفِ ۝۲ فَلْيَعْبُدُوا رَبَّ هَذَا الْبَيْتِ ۝۳  
الَّذِي أَطْعَمَهُمْ مِنْ جُوعٍ ۝۴ وَآمَنَهُمْ مِنْ خَوْفٍ ۝۵ (قریش ۱: ۱۰۶-۱۰۴)

چوں کہ قریش مانوس ہوئے، (یعنی) جاڑے اور گرمی کے سفروں سے مانوس، لہذا ان کو چاہیے کہ اس گھر کے رب کی عبادت کریں جس نے انھیں بھوک سے بچا کر کھانے کو دیا اور خوف سے بچا کر امن عطا کیا۔

وَقَالُوا إِن تَتَّبِعِ الْهُدَىٰ مَعَكَ نَتَّخِظُ مِنْ أَرْضِنَا ۚ أَوْ لَمْ نُمْكِنْ لَهُمْ حَرَمًا  
أَمِنًا يُجْبَىٰ إِلَيْهِ ثَمَرَاتُ كُلِّ شَيْءٍ رِزْقًا مِّن لَّدُنَّا وَلَكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا  
يَعْلَمُونَ ۝۵۷ (القصص ۲۸: ۵۷)

وہ کہتے ہیں کہ اگر ہم تمہارے ساتھ اس ہدایت کی پیروی اختیار کر لیں تو اپنی زمین سے اچک لیے جائیں گے۔ کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ ہم نے ایک پر امن حرم کو ان کے لیے جائے قیام بنا دیا جس کی طرف ہر طرح کے ثمرات کھچے چلے آتے ہیں، ہماری طرف سے رزق کے طور پر؟ مگر ان میں سے اکثر لوگ جانتے نہیں ہیں۔

أَوْ لَمْ يَرَوْا أَنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا مِّنَّا وَيَتَخَفُّ النَّاسُ مِنْ حَوْلِهِمْ ۚ أَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُونَ  
وَبِنِعْمَةِ اللَّهِ يَكْفُرُونَ ۝۵۸ (العنکبوت ۲۹: ۶۷)

کیا یہ دیکھتے نہیں ہیں کہ ہم نے ایک پر امن حرم بنا دیا ہے، حالانکہ ان کے گرد و پیش لوگ



اچک لیے جاتے ہیں۔ کیا پھر بھی یہ لوگ باطل کو مانتے ہیں اور اللہ کی نعمت کا کفران کرتے ہیں؟

قرآن مجید کی مندرجہ بالا اور کئی دیگر آیات کی روشنی میں یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے گھر کی حرمت و برکت کی بدولت قریش کو ایک خاص عزت عطا فرمائی تھی۔ علاقہ بھر کے قبائل اور قریبی ممالک کی آبادیاں ان کو قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھتی تھیں۔ یہ بنیادی عامل تھا جس نے ان کو بلد الحرام ہی میں نہیں بلکہ پوری دنیا میں امن و امان سے نواز دیا تھا۔ البتہ اس میں شک نہیں کہ مختلف تاریخی ادوار میں آلِ اسماعیل کے زیرک اور جہاندیدہ سپوت اپنی مہارت و قابلیت سے بادشاہوں اور گردونواح کے رئیسوں سے معاہدے بھی کرتے رہے جن سے اہل مکہ مستفید ہوئے۔

قرآن مجید کی مندرجہ بالا اور کئی دیگر آیات کی روشنی میں قریش کے قافلوں کی عزت اور ہر علاقے میں امن و امان کی حالت اللہ کا خاص انعام اور بیت اللہ شریف کی برکت تھی۔ البتہ اس بات سے صرف نظر نہیں کیا جاسکتا کہ قریش کے مختلف سرداروں نے اپنے اپنے ادوار میں گردونواح کے حکمرانوں اور روسا کے ساتھ معاہدے بھی کیے ہوں گے۔

### ہاشم منبج خیر

جناب ہاشم کی شخصیت سراپا خیر تھی۔ ایسے لوگ انسانیت کے لیے عظیم نعمت ہوتے ہیں۔ ان کے صلب سے محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کو دنیا میں آنا تھا، آخر کیوں نہ ایسا ہوتا۔ ایک دفعہ مکہ میں قحط پڑا۔ ہاشم نے اس قحط میں شوربہ اور روٹیاں چورا کر کے لوگوں کو کھلائیں۔ اس وقت سے ان کا نام ہاشم مشہور ہو گیا، عربی میں چورا کرنے کو ہشم کہتے ہیں، جس کا اسم فاعل ہاشم ہے۔ ہاشم بن عبدمناف بہت بارعب شخصیت کے حامل تھے۔ جسم مضبوط، چہرہ خوب صورت اور گفتگو میں شایستگی اور قائدانہ رعب۔ پیشے کے لحاظ سے تاجر تھے۔ تجارت میں اللہ خوب نفع دیتا تھا اور اس نفع میں سے صلہ رحمی، غریب پروری اور مہمان نوازی کا خوب حق ادا کرتے تھے۔ بسلسلہ تجارت



شام کا سفر درپیش تھا۔ اس سفر میں ہمیشہ جاتے اور آتے یثرب میں رکا کرتے تھے۔ یہاں بنو خزرج کے ساتھ دوستیاں بھی تھیں اور رشتہ داری بھی۔

### مبارک شادی

ہاشم ایک مرتبہ شام جاتے ہوئے جب مدینہ میں ر کے تو اتفاق سے مدینہ کا سالانہ میلہ لگا ہوا تھا۔ میلہ دیکھنے کے لیے گئے تو وہاں ایک نہایت مہذب خاتون کو دیکھا۔ اس کے اندازِ گفت و شنید سے سمجھ گئے کہ وہ حسین و جمیل ہونے کے ساتھ انتہائی سمجھ دار اور حیا دار بھی ہے۔ معلوم ہوا کہ اس خاتون کا تعلق یثرب کے مشہور قبیلے بنی خزرج کے نامور خاندان بنی نجار سے ہے۔ ہاشم کے ل میں خیال پیدا ہوا کہ اس خاتون سے شادی کر لیں۔ حقیقت میں یہ سب کچھ اللہ کی طرف سے طے شدہ ہوتا ہے۔ معلوم کیا تو پتا چلا کہ خاتون کا نام سلمیٰ ہے۔ اس کے خاندان سے رابطہ کیا، رشتہ مانگا تو بنو نجار نے بخوشی رشتہ دے دیا۔ وہ ہاشم اور اس کے خاندان کی قدر و منزلت سے اچھی طرح واقف تھے۔ شادی ہو گئی، انھوں نے کچھ دن یثرب میں قیام کیا، پھر اپنے تجارتی سفر پر شام کی طرف چلے گئے۔

### ہاشم کا مدفن غزہ

اسی سفر کے دوران میں اجل مستحی آ گئی اور غزہ کے تاریخی مقام پر قریش کے اس عظیم سردار کا انتقال ہو گیا۔ اس دوران میں ان کی اہلیہ سلمیٰ حاملہ ہو چکی تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں بیٹا عطا فرمایا، جس کا نام شیبۃ الحمد رکھا گیا۔ یہی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا محترم جناب عبدالمطلب ہیں۔ کیا خوب مماثلت ہے، دادا اور پوتے میں! دادا بھی رحم مادر میں تھا کہ والد کا سایہ سر سے اٹھ گیا اور پوتا بھی ماں کے پیٹ میں تھا کہ ان کے والد گرامی عالم جاودانی کو سدھار گئے۔ یہ عجیب حسن اتفاق ہے کہ ہاشم مدینہ سے شام کی طرف جاتے ہوئے غزہ میں فوت ہوئے اور ان کے پوتے عبد اللہ بھی شام سے مکہ آتے ہوئے مدینہ میں ر کے اور وہاں موت کا پیغام آ گیا۔ (سیرۃ ابن ہشام، القسم الاول، ص ۱۳۶-۱۳۸، طبقات ابن سعد، ج ۱، ص ۷۵-۷۹، البدایۃ



والنہایۃ، ج ۱، طبع دار ابن حزم، بیروت، ص ۳۶۳)

## چچا بھتیجے کی ملاقات

عبدالمطلب (شیبہ) نے اپنے ننھیال میں بچپن کے ابتدائی سال گزارے۔ ان کے ننھیالی خاندان کا ہر فرد بڑے، چھوٹے مرد و خواتین ان سے محبت کرتے تھے۔ ہاشم کے بھائی مطلب کو اس واقعہ کا علم کئی سال بعد ہوا۔ حقیقت معلوم ہونے پر وہ مدینہ پہنچے۔ اپنے بھتیجے کے بارے میں معلومات لیں اور اس تک رسائی حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ اپنے بھائی کے سسرالی خاندان سے مل کر انھیں بے انتہا خوشی ہوئی کہ وہ بہت اعلیٰ پائے کا خاندان ہے، جس میں شرافت و نجابت اور تمام خوبیاں موجود ہیں۔ انھوں نے اپنے نواسے کے چچا کی اتنی خاطر مدارت کی کہ انھیں اپنے بھائی ہاشم کے اس فیصلے پر شرح صدر حاصل ہوا۔ اپنے بھتیجے کو ملتے ہی گلے لگا لیا، اس کا ماتھا چوما اور یوں محسوس ہوا جیسے بھتیجا بھی ان سے پوری طرح مانوس ہے۔ اس وقت شیبہ کی عمر تقریباً آٹھ برس تھی۔ چار دن قیام کرنے کے بعد مطلب نے اپنے میزبانوں سے اجازت چاہی کہ وہ اپنے بھتیجے کو اپنے ساتھ مکہ لے جائیں۔ انھوں نے بخوشی اجازت دی۔

شیبۃ الحمد سے عبدالمطلب

مطلب نے اپنے بھتیجے کی پرورش یوں کی کہ قریش کے تمام لوگ حیران تھے کہ وہ اپنے بچوں سے کہیں زیادہ اپنے یتیم بھتیجے کا خیال رکھتے تھے۔ شیبہ میں بھی اللہ نے قیادت و سیادت کی صلاحیت بدرجہ اتم پیدا کی تھی۔ چچا کا حسن سلوک ضرب المثل بن گیا اور شیبہ بن ہاشم اپنے اصلی نام سے زیادہ عبدالمطلب کے نام سے معروف ہو گئے۔ لفظی معنی ہے مطلب کا غلام۔ انھوں نے بخوشی یہ نام اختیار کیا تھا اور اس پر وہ فخر کرتے تھے۔ بہت سے عرب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی عموماً ابن عبدالمطلب کے نام سے مخاطب کرتے تھے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی اسی نام کو اختیار کیا۔ آپ نے کئی بار کہا: انا ابن



عبدالطلب یعنی میں عبدالطلب کا بیٹا ہوں۔ غزوہ حنین کا مشہور واقعہ ہے جس میں مسلمانوں کے قدم اکھڑ گئے تھے، مگر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے کچھ صحابہ کے ساتھ میدان جنگ میں ڈٹے رہے اور مسلسل آگے بڑھتے رہے۔ اس موقع پر آپ کی زبان اقدس پر یہ الفاظ تھے:

انا      النبی      لا      کذب

انا      ابن      عبدالطلب

(صحیح بخاری، باب یوم حنین، عن براء ابن عازب)





## چاہِ زم زم اور آلِ عبدالمطلب

### چاہِ زم زم کی بندش

عبدالمطلب اہل قریش کے درمیان بہت معزز اور محترم شخصیت تھے۔ اللہ نے ان کو بے پناہ خوبیوں سے نوازا تھا۔ وہ اپنے چچا مطلب کے احسانات کو ہمیشہ یاد کیا کرتے تھے۔ انھوں نے مطلب کی اولاد کو اپنی اولاد کی طرح سمجھا۔ تاریخی لحاظ سے بھی ان دونوں خاندانوں کے درمیان اتنا قریبی اور گہرا تعلق تھا کہ کوئی چچیرے بھائی آپس میں ایسا تعلق نہ رکھتے ہوں گے۔ عبدالمطلب کو اللہ تعالیٰ نے ایک خاص رعب عطا فرمایا تھا کہ ان کی مجلس میں ان کی گفتگو کے دوران خاموشی چھا جاتی تھی۔ سقایہ اور رفادہ بنو ہاشم کے پاس تھا۔ کافی عرصہ قبل چاہِ زم زم مرور ایام سے بند ہو گیا تھا۔ اس کا محل وقوع بھی صحیح طرح سے معلوم نہ ہو پارہا تھا۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے عبدالمطلب کے دل میں یہ بات ڈالی کہ چاہِ زم زم کو دوبارہ کھودا جائے۔ کئی دن رات وہ سرگرداں رہے، آخر اللہ تعالیٰ نے انھیں وہ مقام دکھا دیا جہاں سے یہ چشمہ صافی پھوٹتا ہے۔ یہ ان کا بڑا تاریخی کارنامہ ہے کہ انھوں نے چاہِ زم زم کو دوبارہ کھودا اور وہ آج تک جاری و ساری ہے۔

### قریش کی رکاوٹ اور عبدالمطلب کی منت

چاہِ زم زم کی کھدائی کے حوالے سے تمام سیرت نگاروں نے بہت دل چسپ واقعات بیان کیے ہیں۔ ایک واقعہ یوں بیان ہوا ہے کہ جب عبدالمطلب نے چاہِ زم زم کی کھدائی کا کام شروع کیا تو قریش کے دیگر قبائل اس میں آڑے آگئے۔ اس پر انھوں نے منت مانی کہ اگر اللہ تعالیٰ انھیں دس بیٹے عطا فرمائے اور وہ جوانی کی عمر کو پہنچ جائیں تو وہ اپنی قوت کے بل بوتے پر چاہِ زم زم



کو کھودیں گے۔ ایک دوسری روایت کے مطابق انہوں نے یہ منت مانی تھی کہ اگر اللہ تعالیٰ نے دس بیٹے عطا فرمائے تو وہ ایک بیٹے کو اللہ کے نام پر قربان کر دیں گے۔ اللہ نے ان کی یہ آرزو پوری کی اور دس بیٹے جوانی کی عمر کو پہنچے۔ اب انہوں نے قرعہ فال ڈالا تو اتفاق سے عبد اللہ کا نام نکلا۔ یہ دیکھ کر عبد اللہ کی بہنیں رونے لگیں اور انہوں نے اپنے والد سے کہا کہ ہمارے بھائی کے بدلے میں دس اونٹ ذبح کر دیں۔

### ذبح ابن ذبیح

عبدالمطلب خود بھی اپنے پیارے بیٹے کو قربان کرنے کی بجائے کوئی متبادل صورت سوچ رہے تھے، پھر ان کی بہنوں کا اصرار اور تجویز بھی معقول تھی۔ چنانچہ اس تجویز پر عمل کیا گیا تو اللہ تعالیٰ نے عبد اللہ کو اسی طرح محفوظ رکھا جس طرح ان کے جد امجد اسماعیل بن ابراہیم علیہما السلام کو چھری سے بچا کر مینڈھا ذبح کرنے کا حکم دیا۔ وہ مینڈھا جنت سے آیا تھا اور جبریل لے کر آئے تھے۔ عبد اللہ کے بدلے میں اسی زمین پر چلنے پھرنے والے جانوروں یعنی اونٹوں کی قربانی کا فیصلہ ہوا۔ یوں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ذبح ابن ذبیح ہیں۔

عبد اللہ اور دس اونٹوں پر قرعہ ڈالا گیا تو بھی عبد اللہ ہی کا نام نکلا۔ دس دس اونٹ بڑھا کر کئی مرتبہ قرعہ ڈالا تو ہر مرتبہ عبد اللہ ہی کا نام نکلا۔ یہاں تک کہ اونٹوں کی تعداد سو تک پہنچ گئی۔ اب قرعہ ڈالا تو سو اونٹوں پر نکل آیا۔ یوں عبدالمطلب نے عبد اللہ کے بدلے میں سو اونٹ ذبح کیے۔ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم انسانیت کا مرتبہ بلند کرنے کے لیے بھیجے گئے تھے۔ آپ نے حقیر لوگوں کو آسمان کی بلندیوں تک پہنچانا تھا۔ آپ کے والد کی قربانی کا واقعہ یہ بتا رہا ہے کہ انسان کا مقام کس طرح بلند سے بلند تر ہوتا چلا گیا۔ دس اونٹوں کی جگہ اب انسان کے خون بہا کی مقدار دس گنا بڑھ گئی۔ اسماعیل کی قربانی کا واقعہ قرآن و حدیث میں تفصیلاً آیا ہے اور پچھلے صفحات میں اس کا خلاصہ گزر چکا ہے۔ جناب عبد اللہ کی قربانی کا واقعہ مستند حوالوں سے تاریخ میں محفوظ ہے۔



## اولادِ عبدالمطلب

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والد جناب عبد اللہ کو بھی آپ کے جد اعلیٰ سیدنا اسماعیل علیہ السلام کی طرح ذبح اللہ کہا گیا ہے۔ اس طرح آپ کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ آپ ابن ذبیحین ہیں یعنی اللہ کے راستے میں قربان کیے جانے والے دو باپ اپنے نسب میں رکھتے ہیں۔ عبدالمطلب نے اونٹوں کی قربانی کرنے کے بعد اپنے ارادے پر یک سوئی کے ساتھ عمل درآمد کا فیصلہ کیا۔ اپنے بیٹوں کو ساتھ لے کر کھدائی شروع کی تو قریش کے دیگر قبائل نے مزاحمت کرنے کی کوشش کی، مگر ان کی دال نہ گلی اور چاہِ زم زم کو دوبارہ بحال کرنے کا اعزاز آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جد امجد کو حاصل ہو گیا۔ انہوں نے چاہِ زم زم کو کھدوایا اور نئے سرے سے اس کا انتظام و انصرام درست کیا تو سب لوگوں کے لیے یہ ایک صدقہ جاریہ بن گیا۔ عبدالمطلب نے دس بیٹوں کی منت مانی تھی اللہ تعالیٰ نے ان کو بارہ بیٹے عطا فرمائے اور چھ بیٹیوں کی رحمت سے بھی نوازا۔ دو بیٹے اس واقعہ کے بعد پیدا ہوئے۔ گویا وہ مقدس منت مزید انعامات کا سبب بنی۔ عربوں کے ہاں ہی نہیں پوری دنیا میں مال و دولت کی فراوانی اور بیٹوں کی کثرت شان و شوکت کی علامت سمجھی جاتی تھی۔ جناب عبدالمطلب کے بیٹوں اور بیٹیوں کے نام درج ذیل ہیں:

۱- حارث بن عبدالمطلب: انہی کے نام سے عبدالمطلب ابو الحارث کی کنیت سے معروف تھے۔ یہ اپنے والد کی زندگی ہی میں انتقال کر گئے تھے۔ مشہور صحابی سفیان بن حارث انہی کے بیٹے تھے۔

۲- زبیر بن عبدالمطلب: زبیر کو عبدالمطلب نے اپنا جانشین بنایا۔

۳- ابوطالب بن عبدالمطلب: ان کا نام عبد الکعبہ اور عبد مناف بھی بیان ہوا ہے۔ اپنے بیٹے طالب کی نسبت سے ابوطالب کہلائے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والد عبد اللہ اور ابوطالب ایک والدہ سے تھے۔

۴- عبد اللہ بن عبدالمطلب: آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والد گرامی قدر۔ یہ بھی اپنے والد کی



زندگی ہی میں عنفوان شباب میں انتقال کر گئے تھے۔

- ۵- ابوہب بن عبدالمطلب: اس کا نام عبدالعزیٰ تھا اور کنیت ابوعتبہ تھی۔ سرخ و سفید چہرے کی وجہ سے والد نے اس کو ابوہب کہا اور یہی نام مشہور ہو گیا۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بدترین دشمن تھا۔ قرآن پاک میں سورہ لہب میں اس کا نام لے کر اللہ نے اس پر لعنت بھیجی ہے۔
- ۶- قثم بن عبدالمطلب: ابن سعد کے مطابق یہ لا ولد فوت ہو گئے تھے۔ حضرت عباسؓ نے اپنے بیٹے قثم کا نام اپنے اسی بھائی کے نام پر رکھا تھا۔
- ۷- ضرار بن عبدالمطلب: یہ اپنی خوب صورتی اور حسن و جمال کے ساتھ سخاوت و فیاضی کی وجہ سے بھی تمام قریش میں ممتاز اور معروف تھے۔
- ۸- حضرت حمزہؓ بن عبدالمطلب: اسد اللہ و اسد رسولہ، بدر کے معرکے میں بہترین کارنامے سرانجام دیے اور احد کے میدان میں شہادت کے رتبے پر فائز ہوئے۔ شہادت کے بعد کفار نے ان کے جسد اطہر کا مثلہ کیا، جس سے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم انتہائی رنجیدہ ہوئے اور آپؐ نے فرمایا کہ اگر اللہ نے مجھے ان کفار پر فتح عطا فرمائی تو میں ان کے ستر آدمیوں کا مثلہ کروں گا۔ بعد میں اللہ نے آیت نازل فرمائی: **وَإِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوا بِمِثْلِ مَا عَاقَبْتُمْ بِهِ ۗ وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِلصَّابِرِينَ** (النحل ۱۶: ۱۲۶)۔ اور اگر تم لوگ بدلہ لو تو بس اسی قدر لو، جس قدر تم پر زیادتی کی گئی ہو۔ لیکن اگر تم صبر کرو تو یقیناً یہ صبر کرنے والوں کے حق میں بہتر ہے۔ اس کے بعد آپؐ نے اپنے ارادے سے رجوع فرمایا اور زندگی بھر کبھی کسی کا مثلہ نہیں کیا، بلکہ سخت الفاظ میں اس سے منع فرمایا۔
- (تفسیر ابن کثیر، ج ۴، ص ۲۳۶-۲۳۷)
- ۹- المقوم بن عبدالمطلب
- ۱۰- حضرت عباس بن عبدالمطلب: صحابی رسول جن کو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے باپ



کے برابر قرار دیا۔

- ۱۱- حبل بن عبدالمطلب: ان کا نام مغیرہ بھی مورخین نے بیان کیا ہے۔
- ۱۲- الغیداق بن عبدالمطلب: ان کا نام مصعب بھی بیان ہوا ہے۔ ان کی ماں کا نام ممنعہ بنت عمرو تھا۔ ان کے ماں جائے بھائی عوف بن عبدعوف تھے، جو مشہور صحابی [یکے از عشرہ مبشرہ] حضرت عبدالرحمن بن عوف کے والد تھے۔

### بنات عبدالمطلب

جناب عبدالمطلب کے بارہ بیٹوں کے علاوہ اللہ نے انھیں چھ بیٹیاں بھی عطا فرمائیں۔ ان کی بیٹیوں کے نام بھی تاریخ اور سیرت کی کتابوں میں مذکور ہیں۔ اس ریکارڈ کے مطابق چھ بیٹیوں کے نام ذیل میں دیے جا رہے ہیں۔

- ۱- ام حکیم بنت عبدالمطلب: جن کا اصلی نام البیضاء تھا۔
- ۲- عاتکہ بنت عبدالمطلب
- ۳- برہ بنت عبدالمطلب
- ۴- امیمہ بنت عبدالمطلب
- ۵- اروکی بنت عبدالمطلب
- ۶- حضرت صفیہ بنت عبدالمطلب: مشہور صحابیہ اور حواری رسول حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ [یکے از عشرہ مبشرہ] کی والدہ محترمہ تھیں۔ یہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی بھابی بھی لگتی تھیں۔ عوام بن خویلد حضرت خدیجہ کے سگے بھائی تھے۔

### آنحضور ﷺ کی امہات

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ محترمہ آمنہ بنت وہب بن عبدالمنف بن زہرہ بن کلاب بن مرہ ہیں۔ ان کی والدہ یعنی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نانی کا نام برہ بنت عبدالعزیٰ بن عثمان بن عبدالدار بن قصی بن کلاب ہے۔ نانی محترمہ کی والدہ ام حبیب بنت اسد بن عبدالعزیٰ



بن قصی بن کلاب ہیں۔ ان کی والدہ کا نام بھی آپ کی نانی اماں کی طرح بڑہ ہے، بڑہ بنت عوف بن عوتج بن عدی بن کعب بن لوی۔ ان کی والدہ کا نام قلابہ بنت الحارث بن مالک بن حباشہ بن غنم، بن لحيان بن عاد یہ بن صعصعہ بن کعب بن ہند بن طابخہ بن لحيان بن ہذیل بن مدرکہ ابن الیاس بن مضر ہے۔ ابن سعد نے اس سلسلے کو کئی پشتوں تک لکھا ہے۔ یہاں تک کہ انہوں نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پانچ سوماؤں کا تذکرہ کیا ہے اور لکھا ہے کہ یہ سب کی سب پاک دامن اور عقیقہ خواتین تھیں۔ جو شائقین پوری فہرست دیکھنا چاہیں، وہ طبقات ابن سعد میں دیکھ سکتے ہیں۔ (طبقات ابن سعد، ج ۱، ص ۵۹-۶۰)

امام ابن کثیر نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سلسلہ نسب کے حوالے سے صفحہ ۳۴۵ پر ذکر باب بنی اسماعیل اور صفحہ ۳۵۶ پر الکلام علی قریش، صفحہ ۳۵۹ خبر قصی بن کلاب کے تحت تفصیلات لکھی ہیں۔ ابن سعد نے طبقات میں صفحہ ۵۵ سے ۵۹ تک اس موضوع پر اپنی تحقیق کا خلاصہ دیا ہے۔ (تفصیلات کے لیے دیکھیے: البداية والنهاية، جلد اول اور طبقات ابن سعد، جلد اول، کے متعلقہ صفحات)





## واقعہ ابرہہ

### ابرہہ کا عروج

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ حبشہ کے بادشاہ نجاشی نے اپنے ایک سپہ سالار ابو صحم اریاط کو چار ہزار فوج دے کر یمن بھیجا تھا۔ اریاط نے یمنی سرداروں پر غلبہ حاصل کر کے ملک کو مسخر کر لیا اور اہل عزت کو ذلیل کر ڈالا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ یمن کا قدیم بادشاہی قبیلہ بھی محتاج بنا دیا گیا اور غربا و فقرا کو تو حد سے زیادہ ذلیل کر دیا گیا۔ اس شکست و ریخت سے جو حالات مرتب ہوئے ان کی بنا پر اہل یمن میں ایک شدید رد عمل پیدا ہوا۔ اس صورت حال کو دیکھ کر یمن میں مقیم حبشہ کا ایک شخص جس کا نام ابرہہ الاشرم تھا اٹھ کھڑا ہوا اور اہل یمن کو اپنی اطاعت کی دعوت دی۔ لوگوں نے اس کی دعوت قبول کی اور اریاط کے خلاف بغاوت کر دی۔ اہل یمن کے ساتھ مل کر ابرہہ نے اریاط کو مار ڈالا اور یمن اس کے قبضے میں آ گیا۔ اب ابرہہ یمن کا حکمران اور نجاشی کا اطاعت گزار تھا۔ (البدایۃ والنہایۃ، ج ۱، طبع دار ابن حزم، بیروت، ص ۳۳۵-۳۳۶)

### حبشی حکمران کے برے ارادے

حکومت پر قبضہ کرنے کے بعد ابرہہ نے دیکھا کہ حج کے موسم میں لوگ حج بیت اللہ کی تیاری کا سامان کر رہے ہیں تو اس نے پوچھا کہ یہ لوگ کہاں جا رہے ہیں؟ جواب دیا گیا کہ یہ حج بیت اللہ کے لیے مکہ جا رہے ہیں۔ اس نے دریافت کیا کہ بیت اللہ کس چیز سے بنایا گیا ہے؟ اس کو بتایا گیا کہ پتھر سے، پھر پوچھا کہ اس کی پوشش کیا ہے؟ کہا گیا کہ یہاں سے جو دھاری دار کپڑے جاتے ہیں وہی اس کی پوشش کے کام آتے ہیں۔ یہ سن کر ابرہہ نے کہا مسیح کی قسم! میں



تمہارے لیے اس سے اچھا گھر تعمیر کروں گا۔ بالآخر اس نے ایک عمارت تعمیر کر لی جسے وہ خانہ کعبہ یعنی بیت اللہ الحرام کا متبادل بنانا چاہتا تھا۔ اپنے شیطانی ارادوں کو عملی جامہ پہنانے کے لیے اس نے پوری منصوبہ بندی کر لی۔ اسے کیا معلوم تھا کہ اس کائنات کا مالک رب ہے۔ نشہ اقتدار میں بدست دنیا دار حکمران بھول جاتے ہیں کہ ان کے اختیار میں کچھ بھی نہیں وہ اپنی چالیں چلتے ہیں، مگر اللہ کا اپنا منصوبہ ہوتا ہے: وَمَكْرُؤًا وَّمَكْرَدًا لِلَّهِ وَاللَّهُ خَيْرٌ الْمَكْرِيْنَ ﴿۵۴﴾ (آل عمران ۳: ۵۴)

### جعلی کعبہ

ابرہہ نے اہل یمن کے لیے یہ گھر سفید، سرخ، زرد و سیاہ پتھروں سے بنایا جو سونے چاندی سے مزین اور جواہرات سے مرصع کیا گیا تھا۔ اس میں کئی دروازے رکھے گئے تھے جن میں سونے کی تختیاں اور زرین گل میخیں جڑی گئی تھیں اور بیچ بیچ میں ہیرے جواہر بھی لگائے گئے تھے۔ اس مکان میں ایک سرخ رنگ کا بڑا سا بیش قیمت یا قوت لگا ہوا تھا۔ ریشم کے قیمتی کپڑے کا غلاف اس عمارت پر ڈالا گیا تھا۔ مقام مندل کا عود جو خوشبویات کے لیے مشہور تھا، اسے لوبان کے ساتھ ملا کر سلگایا جاتا تھا کہ عمارت کا ماحول معطر رہے۔

### جہلا کا عملِ باطل

لوگوں کو اس نو تعمیر شدہ معبد کا حج کرنے کا حکم جاری کیا گیا۔ کئی قبائل چند سالوں تک اس جعلی کعبے کا حج کرتے رہے۔ عبادت، رہبانیت، زہد اور نام نہاد پارسائی کے لیے متعدد اشخاص اس شیطانی عمارت میں معتکف بھی رہتے تھے اور مختلف مناسک یہیں ادا کرتے تھے۔ جہلا اور سفہا کا یہ اقدام شیطان کی سوچوں کا غماز تھا اور شیطان اس صورت حال پر خوش تھا۔ اس سب کچھ کے باوجود کچھ لوگ چھپ چھپا کر خانہ کعبہ کی طرف حج و عمرہ کے لیے چلے جاتے تھے۔ جو قبائل یمن کی سرحدوں پر آباد تھے، وہ اس نو تعمیر شدہ عمارت کی طرف آنے سے گریزاں اور بیت اللہ کی طرف سفر کرنے میں خوشی محسوس کرتے تھے۔ خود دار الحکومت میں رہنے والے عرب بھی اس عمارت سے



نفرت کرتے تھے کیوں کہ انہوں نے کبھی دل سے اس کا تقدس تسلیم نہ کیا تھا۔

### عربی حمیت

بنو نضیم کے ایک غیرت مند عرب کے دل میں بیت اللہ شریف کی محبت اور اس نئے عبادت خانے سے شدید نفرت تھی۔ اس نے نیت کر رکھی تھی کہ اس عبادت خانے کے متعلق کوئی مکروہ حرکت کرے گا تا کہ اس کے تقدس کا بھید کھل جائے۔ اس دوران کچھ عرصہ گزر گیا۔ آخر ایک تاریک اور خاموش رات میں جب اس عرب نے کسی متنفس کو جنبش کرتے نہ دیکھا تو اٹھا اور نجاست و غلاظت اٹھالایا۔ پھر اس نے صومعہ کی عمارت کو اس سے آلودہ کر دیا اور بہت سی گندگی جمع کر کے اس کے اندر بھی ڈال دی۔ یہ کام اگرچہ اس عرب نے قومی حمیت کے تحت کیا تھا، مگر خانہ کعبہ کی محبت اس کی بنیاد بنی تھی۔ ابرہہ کو جب اس کی اطلاع ملی تو سخت غضب ناک ہوا اور کہنے لگا: ”کسی عرب نے فقط اپنے آباؤ اجداد کے گھر (کعبۃ اللہ) کے لیے غضب میں آ کر یہ حرکت کی ہے، میں اس کی عقیدت کے مرکز کو ڈھا دوں گا اور اس کے ایک ایک پتھر کو توڑ ڈالوں گا تا کہ نہ رہے بانس نہ بچے بانسری! (سیرۃ ابن ہشام، القسم الاول، ص ۳۶-۳۷)

### لشکرِ جرار اور ہاتھی

حبشہ کے بادشاہ وقت نجاشی کو ابرہہ نے ایک ایلیچی کے ذریعے اس واقعہ کی اطلاع دی اور اس سے درخواست کی کہ اپنا ہاتھی جس کا نام محمود تھا بھیج دے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ ہاتھی ایسا تھا کہ عظمت و جسامت اور قوت کے لحاظ سے روئے زمین پر کسی نے اس کی نظیر نہ دیکھی تھی۔ نجاشی نے ابرہہ کی درخواست قبول کر کے یہ ہاتھی اس کے پاس بھیج دیا۔ یہ ہاتھی جب ابرہہ کے پاس آیا تو ابرہہ مکہ پر چڑھائی کرنے کے لیے فوج لے کر نکلا۔ اس کی فوج میں ہزاروں کا لشکر اور اس کے ساتھ تیرہ ہاتھی بھی تھے۔ کئی عرب مجبوری یا مصلحت کے تحت اس کے ساتھ ہو لیے۔ انھی میں خنجر کے بادشاہ اور بنو نضیم کے رئیس نفیل بن حبیب لشعمی بھی تھے۔ ان دونوں نے ابرہہ کا مقابلہ کیا تھا، مگر اس سے شکست کھائی اور گرفتار ہو گئے۔ ابرہہ نے انہیں قتل کرنے کی بجائے اپنے ساتھ اس



مہم جوئی میں شمولیت کی دعوت دی۔ اس لیے یہ نہ چاہتے ہوئے بھی مجبوراً اس فوج میں شامل ہوئے۔ حرم کے قریب پہنچے تو ابرہہ نے فوج کو حکم دیا کہ لوگوں کی بھیڑ بکریاں، مال مویشی اور اونٹ لوٹ لیں۔ اس حکم کے مطابق سپاہیوں نے چھاپا مارا اور دیگر لوگوں کے مویشیوں کے علاوہ سردار قریش جناب عبدالمطلب کے کچھ اونٹ بھی پکڑ لیے۔ (البداية والنهاية، ج ۱، طبع دار ابن حزم، بیروت، ص ۳۳۶، سیرة ابن ہشام، القسم الاول، ص ۴۳-۴۵)

### عبدالمطلب کی ابرہہ سے ملاقات

نفیل عبدالمطلب کا دوست تھا۔ اونٹوں کے متعلق عبدالمطلب نے اس سے بات چیت کی تو وہ انھیں اپنے ساتھ لے کر ابرہہ کے پاس گیا اور اس سے کہا: اے شہنشاہ! تیرے حضور میں ایسا شخص آیا ہے جو تمام عرب کا سردار ہے، فضل و عظمت اور شرف و عزت میں سب پر فائق ہے۔ لوگوں کو اچھے اچھے گھوڑوں پر سوار کراتا ہے، انتہائی سخی ہے کہ عطیات دیتا ہے، مہمان نواز ہے کہ لوگوں کو کھلے دل سے کھانا کھلاتا ہے اور جب تک ہوا چلتی ہے (یعنی جب تک دنیا قائم ہے) یہی اس کا وتیرہ و شیوہ ہے۔ نفیل نے اس تقریر کے بعد اکرام و اعزاز کے ساتھ عبدالمطلب کو ابرہہ کے سامنے پیش کیا۔ ابرہہ نے عبدالمطلب سے ان کے آنے کی وجہ پوچھی تو عبدالمطلب نے کہا: رُذَّ عَلِيَّ اِبْلِيَّ۔ یعنی مجھے میرے اونٹ واپس دے دو۔ ابرہہ نے کہا: انی اری ما بلغنی عنک الا الغرور وقد ظننتُ انک تکلمنی فی بیتکم هذا الذی سبب شرفکم۔ یعنی میری رائے ہے کہ تیرے متعلق جو اطلاع مجھے ملی وہ محض دھوکے پر مبنی تھی، میں تو اس گمان میں تھا کہ تو مجھ سے اپنے اس گھر کے متعلق گفتگو کرے گا، جس کے ساتھ تم سب کی عزت و شرف وابستہ ہے۔ عبدالمطلب نے جواب دیا: رُذَّ عَلِيَّ اِبْلِيَّ، وَدُونَكَ وَالْبَيْتِ، فَاِنَّ لَهُ رَبًّا سَيَمْنَعُهُ۔ یعنی مجھے میرے اونٹ واپس دے دے، بیت اللہ کے ساتھ جو چاہے کر کیونکہ اس گھر کا ایک پروردگار ہے، عن قریب وہ خود ہی اس کی حفاظت فرمائے گا۔



## دعائے خالص

ابرہہ نے حکم دیا کہ عبدالمطلب کے اونٹ واپس دے دیے جائیں۔ جب اونٹ مل گئے تو عبدالمطلب نے ان کے سموں پر چمڑے چڑھا دیے، ان پر نشان لگا دیے اور ان کو قربانی کے لیے مخصوص کر کے حدود حرم میں چھوڑ دیا کہ انھیں دشمن پکڑیں گے تو پروردگار حرم غضب ناک ہوگا اور ان سے انتقام لے لے گا۔ ابرہہ سے ملاقات کر کے واپس آئے تو عبدالمطلب حرا پر چڑھ گئے، ساتھ میں عمرو بن عاید بن عثمان بن مخزوم، مطعم بن عدی اور ابو مسعود ثقفی تھے۔ واقعہ ابرہہ کی اہمیت اپنی جگہ پر یوں بھی تاریخ میں مسلم ہے، لیکن اس کی اصل اہمیت یہ ہے کہ اس واقعہ سے اللہ تعالیٰ نے پوری دنیا پر واضح کر دیا کہ بیت اللہ کا نگہبان و محافظ خود خالق کائنات ہے۔ عبدالمطلب اور دیگر سرداروں نے خانہ کعبہ کے غلاف سے لپٹ کر ایک اللہ سے اپنے اور خانہ کعبہ کی حفاظت کے لیے گڑگڑا کر دعائیں بھی کیں، جن کا تذکرہ کتب سیرت میں تفصیلاً آیا ہے۔ مفسرین نے بھی سورہ الفیل کی تفسیر میں مکمل تفصیلات لکھی ہیں۔

دوسرے اس واقعہ کی اہمیت یہ ہے کہ اس سال اندھیری دنیا میں وہ نورِ مبین اور سراج منیر تشریف لائے جن کے وجودِ مسعود سے دنیا منور ہوئی اور اندھیرے پسپا ہو گئے۔ تیسری اہم بات یہ ہے کہ قریش جو شرک میں مبتلا ہو چکے تھے اس واقعہ کے بعد سات یا بعض روایات کے مطابق دس سال تک توحید پر قائم رہے اور شرک سے مکمل طور پر اجتناب کیا۔ چوتھی اہم بات یہ ہے کہ اسی عرصے میں بہت سی شخصیات دنیا سے رخصت ہوئیں جن میں بالخصوص نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ اور آپ کے دادا محترم قابل ذکر ہیں۔

اس پورے واقعہ کو جس موثر انداز میں مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی نے اپنی تفسیر میں بیان کیا ہے وہ کہیں اور نظر نہیں آتا۔ ہم قارئین کے لیے قندِ مکرر کے طور پر ان کی زندہ جاوید عبارت پیش کر رہے ہیں جو اگرچہ طویل ہے، مگر اس موضوع کا حق ادا نہ ہوگا اگر ہم اس میں زیادہ کانٹ چھانٹ کریں گے۔ آپ لکھتے ہیں:



## سیاسی، معاشی اور مذہبی مقاصد

یمن میں پوری طرح اپنا اقتدار مضبوط کر لینے کے بعد ابرہہ نے اس مقصد کے لیے کام شروع کر دیا جو اس مہم کی ابتدا سے رومی سلطنت اور اس کے حلیف حبشی عیسائیوں کے پیش نظر تھا، یعنی ایک طرف عرب میں عیسائیت پھیلانا اور دوسری طرف اس تجارت پر قبضہ کرنا جو بلادِ مشرق اور رومی مقبوضات کے درمیان عربوں کے ذریعے ہوتی تھی۔ یہ ضرورت اس بنا پر اور بڑھ گئی تھی کہ ایران کی ساسانی سلطنت کے ساتھ روم کی کشمکش اقتدار نے بلادِ مشرق سے رومی تجارت کے دوسرے تمام راستے بند کر دیے تھے۔

## کلیسا میں غلاظت اور آتش زنی

ابرہہ نے اس مقصد کے لیے یمن کے دارالسلطنت صنعا میں ایک عظیم الشان کلیسا تعمیر کرایا جس کا ذکر عرب مورخین نے اَلْقَلِيسِ یا الْقَلِيسِ یا الْقَلِيسِ کے نام سے کیا ہے۔ (یہ یونانی لفظ Ekklesia کا معرب ہے اور اردو کا لفظ کلیسا بھی اسی یونانی لفظ سے ماخوذ ہے)۔ محمد بن اسحاق کی روایت ہے کہ اس کام کی تکمیل کے بعد اس نے شاہِ حبش کو لکھا کہ میں عربوں کا حج کعبہ سے اس کلیسا کی طرف موڑے بغیر نہ رہوں گا۔ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ اس نے یمن میں علی الاعلان اپنے اس ارادے کا اظہار کیا اور اس کی منادی کرادی۔ اس کی اس حرکت کا مقصد ہمارے نزدیک یہ تھا کہ عربوں کو غصہ دلائے تاکہ وہ کوئی ایسی کارروائی کریں جس سے اس کو مکہ پر حملہ کرنے اور کعبے کو منہدم کر دینے کا بہانہ مل جائے۔ محمد بن اسحاق کا بیان ہے کہ اس کے اس اعلان پر غضبناک ہو کر ایک عرب نے کسی نہ کسی طرح کلیسا میں گھس کر رفع حاجت کر ڈالی۔ ابن کثیر کہتے ہیں کہ یہ فعل ایک قریشی نے کیا تھا اور مقاتل بن سلیمان کی روایت ہے کہ قریش کے بعض نوجوانوں نے جا کر اس کلیسا میں آگ لگا دی تھی۔

ان میں سے کوئی واقعہ بھی اگر پیش آیا ہو تو کوئی قابلِ تعجب امر نہیں ہے، کیونکہ ابرہہ کا یہ اعلان یقیناً سخت اشتعال انگیز تھا اور قدیم جاہلیت کے دور میں اس پر کسی عرب، یا قریشی نوجوان کا



مشتعل ہو کر کلیسا کو گندا کر دینا یا اس میں آگ لگا دینا کوئی ناقابل فہم بات نہیں ہے۔ لیکن یہ بھی کچھ بعید نہیں کہ ابرہہ نے خود اپنے کسی آدمی سے خفیہ طور پر ایسی حرکت کرائی ہوتا کہ اسے مکہ پر چڑھائی کرنے کا بہانہ مل جائے اور اس طرح وہ قریش کو تباہ اور تمام اہل عرب کو مرعوب کر کے اپنے دونوں مقصد حاصل کر لے۔ بہر حال دونوں صورتوں میں سے جو صورت بھی ہو، جب ابرہہ کے پاس یہ رپورٹ پہنچی کہ کعبے کے معتقدین نے اس کے کلیسا کی توہین کی ہے تو اس نے قسم کھائی کہ میں اس وقت تک چین نہ لوں گا جب تک کعبے کو ڈھانہ دوں۔

### لات کے پجاری کی حماقت

اس کے بعد وہ ۵۷۰ء میں ۶۰ ہزار فوج اور ۱۳ اہاتھی (اور بروایت بعض ۹ ہاتھی) لے کر مکہ کی طرف روانہ ہوا۔ راستے میں پہلے یمن کے ایک سردار نضر نے عربوں کا ایک لشکر جمع کر کے اس کی مزاحمت کی، مگر وہ شکست کھا کر گرفتار ہو گیا۔ پھر خشم کے علاقے میں ایک عرب سردار نفیل بن حبیب خشمی اپنے قبیلے کو لے کر مقابلے پر آیا، مگر وہ بھی شکست کھا کر گرفتار ہو گیا اور اس نے اپنی جان بچانے کے لیے بد رتے کی خدمت انجام دینا قبول کر لیا۔ طائف کے قریب پہنچا تو بنی ثقیف نے محسوس کیا کہ اتنی بڑی طاقت کا وہ مقابلہ نہ کر سکیں گے، اور ان کو خطرہ لاحق ہوا کہ کہیں وہ ان کے معبودات کا مندر تباہ نہ کر دے۔ چنانچہ ان کا سردار مسعود ایک وفد لے کر ابرہہ سے ملا اور اس نے کہا کہ ہمارا بت کدہ وہ معبد نہیں ہے جسے آپ ڈھانے آئے ہیں، وہ تو مکہ میں ہے، اس لیے آپ ہمارے معبد کو چھوڑ دیں، ہم مکہ کا راستہ بتانے کے لیے آپ کو بد رتہ فراہم کیے دیتے ہیں۔ ابرہہ نے یہ بات قبول کر لی اور بنو ثقیف نے ابورغال نامی ایک آدمی کو اس کے ساتھ کر دیا۔ جب مکہ تین کوس رہ گیا تو المغمس (یا المغمس) نامی مقام پر پہنچ کر ابورغال مر گیا، اور عرب مدتوں اس کی قبر پر سنگ باری کرتے رہے۔ بنی ثقیف کو بھی وہ سا لہا سال تک طعنے دیتے رہے کہ انہوں نے لات کے مندر کو بچانے کے لیے بیت اللہ پر حملہ کرنے والوں سے تعاون کیا۔



## سردار قریش کی بارعب شخصیت

محمد بن اسحاق کی روایت ہے کہ المنعمس سے ابرہہ نے اپنے مقدمۃ الجیش کو آگے بڑھایا اور وہ اہل تہامہ اور قریش کے بہت سے مویشی لوٹ لے گیا جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا عبدالمطلب کے بھی دو سوانٹ تھے۔ اس کے بعد اس نے اپنے ایک ایلچی کو مکہ بھیجا اور اس کے ذریعے سے اہل مکہ کو یہ پیغام دیا کہ میں تم سے لڑنے نہیں آیا ہوں بلکہ اس گھر (کعبہ) کو ڈھانے آیا ہوں۔ اگر تم نہ لڑو تو میں تمہاری جان و مال سے کوئی تعرض نہ کروں گا۔ نیز اس نے اپنے ایلچی کو ہدایت کی کہ اہل مکہ اگر بات کرنا چاہیں تو ان کے سردار کو میرے پاس لے آنا۔ مکہ کے سب سے بڑے سردار اس وقت عبدالمطلب تھے۔ ایلچی نے ان سے مل کر ابرہہ کا پیغام پہنچایا۔ انہوں نے کہا کہ ہم میں ابرہہ سے لڑنے کی طاقت نہیں ہے۔ یہ اللہ کا گھر ہے، وہ چاہے گا تو اپنے گھر کو بچالے گا۔ ایلچی نے کہا کہ آپ میرے ساتھ ابرہہ کے پاس چلیں۔ وہ اس پر راضی ہو گئے اور اس کے ساتھ چلے گئے۔ وہ اس قدر وجیہہ اور شان دار شخص تھے کہ ان کو دیکھ کر ابرہہ بہت متاثر ہوا اور اپنے تخت سے اتر کر ان کے پاس آ کر بیٹھ گیا۔ پھر پوچھا کہ آپ کیا چاہتے ہیں؟ انہوں نے کہا کہ میرے جو اونٹ پکڑ لیے گئے ہیں وہ مجھے واپس دے دیے جائیں۔ ابرہہ نے کہا کہ آپ کو دیکھ کر تو میں بہت متاثر ہوا تھا، مگر آپ کی اس بات نے آپ کو میری نظر سے گرا دیا ہے کہ آپ اپنے اونٹوں کا مطالبہ کر رہے ہیں اور یہ گھر جو آپ کا اور آپ کے دین آباء کا مرجع ہے اس کے بارے میں کچھ نہیں کہتے۔ انہوں نے کہا: میں تو صرف اپنے اونٹوں کا مالک ہوں اور انھی کے بارے میں آپ سے درخواست کر رہا ہوں۔ رہا یہ گھر تو اس کا ایک رب ہے، وہ اس کی حفاظت خود کر لے گا۔ ابرہہ نے جواب دیا: وہ اس کو مجھ سے نہ بچا سکے گا۔ عبدالمطلب نے کہا: آپ جانیں اور وہ جانے۔ یہ کہہ کر ابرہہ کے پاس سے اٹھ آئے اور اس نے ان کے اونٹ واپس کر دیے۔

## توحید پر مبنی موقف اور اشعار

محمد بن اسحاق بیان کرتے ہیں کہ ابرہہ کی لشکرگاہ سے واپس آ کر عبدالمطلب نے قریش



والوں سے کہا کہ اپنے بال بچوں کو لے کر پہاڑوں میں چلے جائیں تاکہ ان کا قتل عام نہ ہو جائے۔ پھر وہ اور قریش کے چند سردار حرم میں حاضر ہوئے اور کعبے کے دروازے کا گنڈا پکڑ کر انھوں نے اللہ سے دعائیں مانگیں کہ وہ اپنے گھر اور اس کے خادموں کی حفاظت فرمائے۔ اس وقت خانہ کعبہ میں ۳۶۰ بت موجود تھے، مگر یہ لوگ اس نازک گھڑی میں ان سب کو بھول گئے اور انھوں نے صرف اللہ کے آگے دستِ سوال پھیلا یا۔ ان کی جو دعائیں تاریخوں میں منقول ہوئی ہیں ان میں اللہ واحد کے سوا کسی دوسرے کا نام تک نہیں پایا جاتا۔ ابن ہشام نے سیرت میں عبدالمطلب کے جو اشعار نقل کیے ہیں وہ یہ ہیں:

لَا هُمْ  
ان العبد يمنع

رحله فامنع جلالك

خدا یا بندہ اپنے گھر کی حفاظت کرتا ہے تو بھی اپنے گھر کی حفاظت فرما۔

لَا  
يغلبن صليهم

ومحالهم غدواً محالك

کل ان کی صلیب اور ان کی تدبیر تیری تدبیر کے مقابلے میں غالب نہ آنے پائیں۔

ان  
تار كهم

وقبلتنا فامر ما بدالك

اگر تو ان کو اور ہمارے قبلے کو اپنے حال پر چھوڑ دینا چاہتا ہے تو جو تو چاہے کر۔

سہیلی نے روض الانف میں اس سلسلے کا یہ شعر بھی نقل کیا ہے:

وانصرنا على آل الصليب

وعابديه اليوم آلك

صلیب کی آل اور اس کے پرستاروں کے مقابلے میں آج اپنی آل کی مدد فرما۔

ابن جریر نے عبدالمطلب کے یہ اشعار بھی نقل کیے ہیں جو اس موقع پر دعائے مانگتے ہوئے



انہوں نے پڑھے تھے:

یارب لارجو لہم سواکا

یارب فامنع منہم رحماکا

اے میرے رب! تیرے سوا میں ان کے مقابلے میں کسی سے امید نہیں رکھتا۔ اے میرے رب ان سے اپنے حرم کی حفاظت کر۔

ان عدو البیت من عادا کا

امنعم ان یخربوا اقراکا

اس گھر کا دشمن تیرا دشمن ہے۔ اپنی بستی کو تباہ کرنے سے ان کو روک دے۔

(تفہیم القرآن، ج ۶، دیباچہ سورۃ الفیل، ص ۴۶۳-۴۶۶)

ابرہہ کا انجام

یہ تاریخی واقعہ سیرت و تاریخ کی جملہ کتب کے علاوہ تمام تفاسیر میں بھی پوری جزئیات کے ساتھ نقل کیا گیا ہے۔ ہم یہاں اختصار کے ساتھ اس واقعہ کو بیان کر رہے ہیں۔ ابرہہ کی فوج مکہ کی طرف بڑھ رہی تھی اور کسی کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ اس لشکر جرار اور ہاتھیوں کا انجام کیا ہونے والا ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے قرآن پاک میں اس واقعہ کو سورۃ الفیل میں یوں بیان فرمایا ہے کہ سمندر کوزے میں بند نظر آتا ہے۔ ارشاد باری ہے:

أَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِأَصْحَابِ الْفِيلِ ۗ أَلَمْ يَجْعَلْ كَيْدَهُمْ فِي تَضْلِيلٍ ۗ

أَرْسَلَ عَلَيْهِمْ طَيْرًا أَبَابِيلَ ۖ تَزْمِيهِمْ بِحِجَارَاتٍ مِّنْ سِجِّيلٍ ۗ فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ

مَّا كُوِّلَ ۗ (الفیل ۱۰۵: ۱-۵)

تم نے دیکھا نہیں کہ تمہارے رب نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیا کیا؟ کیا اس نے ان کی تدبیر کو اکارت نہیں کر دیا؟ اور ان پر پرندوں کے جھنڈ کے جھنڈ بھیج دیے جو ان کے اوپر پکی ہوئی مٹی کے پتھر پھینک رہے تھے، پھر ان کا یہ حال کر دیا جیسے (جانوروں کا) کھایا ہوا



بھوسا۔

ابرہہ جب مختلف قبائلی سرداروں کو شکست دیتا ہوا حجاز مقدس میں پہنچا تو سردار قریش عبدالمطلب اللہ تعالیٰ سے اپنے گھر کی حفاظت اور دشمن کی تباہی کی دعائیں مانگ کر اپنے قبیلے کے ساتھ پہاڑوں پر چڑھ گئے۔ ابرہہ جب مکہ کے قریب پہنچا تو اس کا خاص ہاتھی جسے محمود کا نام دیا گیا تھا اور جو پورے لشکر کی قیادت کر رہا تھا، یکا یک رکا اور پھر بیٹھ گیا۔ بار بار کوڑے کھانے کے باوجود نہ اٹھا تو اسے تیز نیزوں سے کچوکے لگائے گئے۔ زخمی تو ہو گیا، مگر آگے بڑھنے سے مکمل طور پر انکاری رہا۔

اسی دوران اللہ تبارک و تعالیٰ نے وادی محصب میں اس طاغوتی لشکر پر اپنے قدسی لشکر بھیج دیے۔ ان کے پاس نہ تیر و تفنگ تھا، نہ کوئی اور ہتھیار۔ یہ چڑیا کے حجم کے برابر چھوٹے چھوٹے اور معمولی پرندے تھے جو جھنڈ کے جھنڈا چانک فضا میں نمودار ہوئے۔ ہر پرندے کے پاس مٹر کے دانے کے برابر تین کنکریاں تھیں، ایک چونچ میں اور دو پنچوں میں۔ وہ جس پر کنکری گراتے اسے سخت کھجلی محسوس ہوتی، پھر اس کی جلد پھٹنے اور گوشت جھڑنے کا عمل شروع ہو جاتا۔ اس طرح گوشت گرنے کے بعد صرف ہڈیاں باقی رہ جاتیں۔ دنیا کی تاریخ میں ایسی جنگ نہ کبھی پہلے ہوئی تھی اور نہ آج تک کسی کو اس کا تجربہ ہوا ہے۔ یہ لوگ واپس بھاگنے لگے، مگر نفیل بن حبیب خزعمی جو مجبوراً ان کے ساتھ آیا تھا اور جسے انھوں نے اپنا بدرقہ بنایا تھا، اس منظر کو دیکھ کر خوش ہو رہا تھا۔ انھوں نے اس سے رہنمائی کی درخواست کی تو اس نے کورا جواب دیا کہ اب اپنی خباثت کے نتائج بھگتو۔ اس کے کئی اشعار بھی مورخین نے سیرت کی کتابوں میں نقل کیے ہیں۔

این المفّرّ والآ له الطالب

والاشرم المغلوب لیس الغالب

اب بھاگنے کی جگہ کہاں ہے جبکہ خدا تعاقب کر رہا ہے اور نکلا (ابرہہ) مغلوب ہے، غالب نہیں ہے۔



نفیل نے مزید کہا:

الَا حَيْتُ عَنَا يَا رُدَيْنَا  
 نَعْمُنَاكُمْ مَعَ الْإِصْبَاحِ عَيْنَا  
 رُدَيْنَةُ لَوْ رَأَيْتِ وَلَا تَرِيهِ  
 لَدَى جَنْبِ الْمُحْصَبِ مَا رَأَيْنَا  
 إِذَا لَعَذَرْتِنِي وَحَمِدْتَ أَمْرِي  
 وَلَمْ تَأْسَى عَلَيَّ مَا فَاتَ بَيْنَنَا  
 حَمِدْتُ اللَّهَ إِذْ أَبْصَرْتُ طَيْرًا  
 وَخِفْتُ حَجَارَةً تُلْقَى عَلَيْنَا  
 وَكَلَّ الْقَوْمُ يَسْأَلُ عَنْ نَفِيلِ  
 كَانَ عَلَيَّ لِلْحُبْشَانِ دَيْنَا

شاعر نے اپنی بیوی رودینہ کے نام سے تشبیہ کرتے ہوئے اس عظیم واقعہ کا تذکرہ ان اشعار میں کیا ہے۔ ان کا ترجمہ ذیل میں دیا جا رہا ہے۔

اے رودینہ! کیا تو ہمیں مبارک باد اور سلام نہ پیش کرے گی، ہم نے تم سب لوگوں کے لیے نعمتوں کے حصول کا اہتمام کر دیا ہے۔

اے رودینہ! کاش تو دیکھ سکتی، مگر نہیں دیکھ سکی، ہم نے جو منظر وادی محصب میں دیکھا۔ پھر تو میری یہ داستان سن کر اللہ کا شکر ادا کر اور جو ہمارے درمیان جدائی کے ایام گزرے ان پر کوئی افسوس نہ کر۔

جب میں نے پرندوں کے جھنڈ فضا میں دیکھے تو اللہ تعالیٰ کا شکر اور اس کی حمد بیان کی، صورت حال یہ تھی کہ ہمیں بھی خوف تھا کہ کہیں کوئی کنکر ہمارے اوپر بھی نہ آگرے۔

اس وقت سب [حملہ آور] لشکری پوچھ رہے تھے کہ نفیل کہاں ہے؟ جیسے ان (ذلیل)



حبشیوں کا میرے ذمے کوئی قرض ہو۔ (سیرۃ ابن ہشام، القسم الاول، ص ۵۳،  
البدایۃ و النہایۃ، ج ۱، طبع دار ابن حزم، بیروت، ص ۳۳۸)

### عذاب زدہ وادی

یہ واقعہ وادی محصب کے قریب جس مقام پر پیش آیا اسے محسّر کہا جاتا ہے یہ مقام مزدلفہ اور منیٰ کے درمیان پڑتے ہیں اور تمام حجاج یومِ عرفہ کے دن یہاں سے عرفات کی طرف جاتے اور واپس آتے ہیں۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے حج کے دوران وادی محسّر میں اپنی اونٹنی کو تیز تیز چلایا اور صحابہ کو بھی تلقین فرمائی کہ وہ اس وادی سے تیزی کے ساتھ نکل جائیں۔ یہی وہ مقام ہے جہاں اللہ کا عذاب نازل ہوا تھا۔ مورخین بیان کرتے ہیں کہ اس وادی میں کڑوی بلیں اور پودے اگتے تھے۔ اس سال بھی وہ پودے تو موجود تھے لیکن ان کے اندر کڑواہٹ نام کی کوئی چیز موجود نہیں تھی۔ مثلاً حرم، حنظل اور عشر۔ حرم کو اردو میں بھی حرم ہی کہا جاتا ہے، حنظل ثمبہ اور عشر کڑوا اور دودھ والا آک۔ (سیرۃ ابن ہشام، القسم الاول، ص ۵۴)

### حضور ﷺ کی تشریف آوری

اسی سال آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش ہوئی۔ اس سال کو عام الفیل کہا جاتا ہے۔ لشکر ابرہہ کی تباہی کے پچاس دن بعد یا دو ماہ بعد آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں تشریف لائے۔ قریش دس سال تک اپنے اس عہد پر قائم رہے جو ابرہہ کے لشکر کی آمد پر خانہ کعبہ کے غلاف سے لپٹ کر انہوں نے باندھا تھا۔ یہ مدت بعض روایات کے مطابق سات سال ہے۔ اس عرصے میں بت پرستی سے اجتناب اور توحید پر قائم رہنا ایک یادگار واقعہ ہے۔ اسی عرصے میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ محترمہ اور دادا جان کا انتقال ہوا۔ (تفہیم القرآن، ج ۶، دیباچہ سورہ الفیل، ص ۴۶۸)۔ تفصیلات کے لیے دیکھیے: سیرۃ ابن ہشام، القسم الاول، ص ۴۳-۶۱، البدایۃ و النہایۃ، ج ۱، طبع دار ابن حزم، بیروت، ص ۳۳۵-۳۴۰۔

ماہر القادری نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت اور اس سے قبل کے حالات اپنی ایک



نعت میں بہت خوب صورت انداز میں بیان کیے ہیں۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد ظلم و ستم کے خاتمے کا اعلان تھا۔ آپ کے دنیا میں آنے سے قبل اللہ تعالیٰ نے ایک جانب متکبر نکلے حبشی حکمران کو اس کی فوجوں سمیت عبرت کا نشان بنایا اور دوسری طرف قریش کو بت پرستی سے تائب ہونے کی توفیق دی۔ اگرچہ یہ دس سال تک ہی اس پر قائم رہے، مگر یہ بھی اپنی جگہ ایک معجزہ ہے۔ بقول ماہر القادری:

کچھ کفر نے فتنے پھیلانے، کچھ ظلم نے شعلے بھڑکانے  
 سینوں میں عداوت جاگ اٹھی انساں سے انساں ٹکرائے  
 پامال کیا، برباد کیا، کمزور کو طاقت والوں نے  
 جب ظلم و ستم حد سے گزرے، تشریف محمدؐ لے آئے  
 رحمت کی گھٹائیں لہرائیں، دنیا کی امیدیں بر آئیں  
 اکرام و عطا کی بارش کی، اخلاق کے موتی برسائے  
 تہذیب کی شمعیں روشن کیں، اونٹوں کے چرانے والوں نے  
 کانٹوں کو گلوں کی قسمت دی، ذروں کے مقدر چمکائے  
 کچھ کیف دیا، کچھ ہوشیاری، کچھ سوز دیا، کچھ ساز دیا  
 میخانہ علم و عرفان میں توحید کے ساغر چھلکائے  
 ہر چیز کو رعنائی دے کر، دنیا کو حیاتِ نو بخشی  
 صبحوں کے بھی چہروں کو دھویا، راتوں کے بھی گیسو سلجھائے  
 اللہ سے رشتے کو جوڑا، باطل کے طلسموں کو توڑا  
 خود وقت کے دھارے کو موڑا، طوفاں میں سفینے تیرائے  
 تلوار بھی دی، قرآن بھی، دنیا بھی عطا کی عقبی بھی  
 مرنے کو شہادت فرمایا، جینے کے طریقے سمجھائے



مکہ کی زمیں اور عرش کہاں، دم بھر میں یہاں، پل بھر میں وہاں  
 پتھر کو عطا گویائی کی، اور چاند کے ٹکڑے فرمائے  
 مظلوموں کی فریاد سنی، مجبوروں کی غم خواری کی  
 زخموں پر خلقِ مرجم رکھا، بے چین دلوں کے کام آئے  
 عورت کو حیا کی چادر دی، غیرت کا غازہ بھی بخشا  
 شیشوں میں نزاکت پیدا کی، کردار کے جوہر چمکائے  
 توحید کا دھارا رک نہ سکا، اسلام کا پرچم جھک نہ سکا  
 کفار بہت کچھ جھنجلائے، شیطان نے ہزاروں بل کھائے  
 اے نام محمد صلیٰ علیٰ، ماہر کے لیے تو سب کچھ ہے  
 ہونٹوں پہ تبسم بھی آیا آنکھوں میں بھی آنسو بھر آئے









## شَجَرَةُ طَيْبَةٍ

عبداللہ بن عبدالمطلب

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آباؤ اجداد کا تذکرہ اس سے قبل ہو چکا ہے۔ آپ کے اجداد میں ہر شخصیت اپنے اپنے دور میں مجسمہ کمال تھی۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کی یہ سنت ہے کہ انبیائے کرام اعلیٰ و ارفع نسب کے حامل ہوتے ہیں۔ مورخین اور سیرت نگاروں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا پورا شجرہ نسب آپ کی ذات سے لے کر سیدنا ابراہیم، پھر سیدنا نوح اور آگے جد انسانیت حضرت آدم علیہ السلام تک محفوظ کیا ہے۔ بعض نام آج کل اجنبی محسوس ہوتے ہیں، مگر اپنے اپنے دور میں وہ بامعنی نام تھے۔ اس باب میں ہم آپ کے والد گرامی جناب عبداللہ بن عبدالمطلب اور والدہ محترمہ سیدہ آمنہ بنت وہب کا تذکرہ اختصار کے ساتھ کر رہے ہیں۔

پر نور پیشانی

عبداللہ بن عبدالمطلب اپنے والد کو تمام اولاد میں سب سے زیادہ عزیز تھے۔ انہوں نے عبداللہ کی خاطر سواونٹ بخوشی ذبح کیے تھے۔ ابن سعد نے جناب عبداللہ کے بچپن اور جوانی کے زمانے میں ان کی شرافت و نجابت اور سنجیدگی و متانت کا تذکرہ کرتے ہوئے ان کی تجارت اور اس میں کامیابیوں کا بھی ذکر کیا ہے۔ پاکیزہ نظر و پاکباز نوعمر عبداللہ کے اندر عجیب کشش تھی جسے ہر شخص اپنی آنکھوں سے دیکھتا اور اپنے دل میں محسوس کرتا تھا۔ ان کی پیشانی پر مستقل طور پر ایک نور جگمگاتا رہتا تھا۔ ہر انسان کی زندگی میں اس کی ازدواجی زندگی بڑی اہمیت کی حامل ہوتی ہے۔ مورخ مذکور نے جناب عبداللہ کی شادی کا واقعہ یوں بیان کیا ہے:



## مثالی رشتہ

جب عبد اللہ بالغ ہوئے تو ان کے والد کو ان کی شادی کی فکر ہوئی۔ عبدالمطلب چاہتے تھے کہ جس طرح ان کا بیٹا تمام خوبیوں میں بے مثال ہے، اسی طرح اس کے رشتے کے لیے بھی ایسی ہی کوئی بے مثال دو شیزہ تلاش کی جائے۔ انھوں نے اپنے خاندان ہی میں ایک رشتہ تلاش کیا۔ یہ تھیں آمنہ بنت وہب بن عبدمناف بن زہرہ بن کلاب۔ ابن سعد نے یہ تصریح کی ہے کہ اس وقت آمنہ اپنے چچا وہیب بن عبدمناف بن زہرہ کے زیر تربیت وزیر پرورش تھیں۔ وہ انھیں اپنی بیٹیوں سے زیادہ عزیز رکھتے تھے۔ جب عبدالمطلب نے اپنے بیٹے عبد اللہ کے لیے رشتہ طلب کیا تو آمنہ کے چچا نے بخوشی یہ درخواست قبول کر لی۔ عبد اللہ کی عمر سترہ سال یا اس سے کچھ زائد تھی۔ ہماری رائے میں یہ روایت درست نہیں۔ جناب عبد اللہ کی عمر چوبیس سال کے لگ بھگ تھی۔ ان کی وفات کے وقت ابن سعد کے مطابق ان کی عمر پچیس سال تھی۔ آمنہ کی عمر بھی بعض مورخین نے کم و بیش سترہ سال کی لکھی ہے۔ لیکن اغلب یہ ہے کہ ان کی عمر بھی اس سے زیادہ ہوگی۔

## ایک مجلس میں باپ اور بیٹے کا نکاح

بڑی دل چسپ بات یہ ہے کہ آمنہ کا رشتہ اپنے بیٹے کے لیے مانگنے کے ساتھ عبدالمطلب نے وہیب سے درخواست کی کہ وہ اپنی بیٹی ہالہ بنت وہیب کا رشتہ خود ان کے لیے قبول کر لیں تو وہ اس سے نکاح کریں گے۔ عربوں کے عرف اور روایات کے مطابق اس میں کوئی حرج کی بات نہیں تھی۔ چنانچہ وہیب نے جہاں اپنی بھتیجی کا رشتہ عبد اللہ کے لیے دیا، وہیں اپنی بیٹی کا رشتہ عبدالمطلب کو دے دیا۔ یہ بھی دل چسپ بات ہے کہ دونوں نکاح ایک ہی مجلس میں منعقد ہوئے۔ ہالہ بنت وہیب نکاح کے بعد عبدالمطلب کے گھر میں چلی گئیں، جبکہ عربوں کے معروف طریقے کے مطابق کنوارے عبد اللہ اپنی شادی کے بعد تین دن، رات کے لیے اپنے سسرال میں ٹھہرے۔ یہ حسن اتفاق ہے کہ ہالہ بنت وہیب کے بطن سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حمزہ بن عبدالمطلب پیدا ہوئے، جبکہ آمنہ بنت وہب نے سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کو جنم دیا۔ یوں



حضرت حمزہ اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم آپس میں چچا بھتیجا بھی ہیں اور خالہ زاد بھائی بھی۔ پھر عمر کے لحاظ سے بھی کم و بیش برابر ہیں۔ حضرت حمزہ نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ کا دودھ پیا اور آپ نے حضرت حمزہ کی والدہ ہالہ کا دودھ پیا۔ اس طرح دونوں عظیم شخصیات آپس میں رضاعی بھائی بھی ہیں۔

نور کی منتقلی

ایک خاتون قتیلہ بنت نوفل جو ورقہ بن نوفل کی بہن تھی، اپنے لیے کسی نجیب الطرفین نوجوان کی تلاش میں تھی جو اس کا جیون ساتھی بن جائے۔ عبد اللہ کا نکاح ہو جانے کے دوسرے روز اس نے جناب عبد اللہ کو دیکھا تو انھیں کہا کہ میں آپ کو اپنے لیے جیون ساتھی بنانا چاہتی ہوں۔ عبد اللہ نے کہا کہ ابھی تو میں بہت مصروف ہوں، جب ذرا فراغت ہوگی تو اس موضوع پر سوچ بچار کریں گے۔ آنے والی رات کو جب عبد اللہ نے آمنہ بنت وہب کے پاس شبِ عروسی گزارا تو حمل ٹھہر گیا۔ اگلے دن جب قتیلہ سے ملے اور اس سے کہا کہ کیا تو اپنی پیش کش پر برضا و رغبت اب بھی تیار ہے تو اس نے ان کے چہرے پر نظر ڈال کر کہا کہ نہیں۔ کل جب تو یہاں سے گزرا تھا تو تیرے چہرے پر ایک دل رُبان نور چمک رہا تھا۔ آج میں دیکھ رہی ہوں کہ وہ نور غائب ہے۔ تیری دونوں آنکھوں کے درمیان اور تیری پیشانی کے اوپر کل جو حسن و جمال تھا آج وہ ناپید ہے۔ گویا وہ نور اب منتقل ہو چکا ہے۔ حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے بھی اس واقعہ کا تذکرہ کیا ہے۔

رات گئی بات گئی

ایک اور روایت کے مطابق قبیلہ بنو خثعم کی ایک معروف عورت فاطمہ بنت مر جو خوب صورت ہونے کے ساتھ ساتھ نہایت پاک دامن اور صاحبِ کردار خاتون تھی۔ اس نے بھی جناب عبد اللہ بن عبد المطلب کو دیکھ کر اس خواہش کا اظہار کیا کہ وہ ان سے اپنا رشتہ عقد جوڑنا چاہتی ہے۔ اس خاتون کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس نے تورات و انجیل وغیرہ پڑھی ہوئی تھی



اور اس کے ذہن میں یہ بات تھی کہ عربوں کے درمیان آخری نبی کا ظہور ہونے والا ہے۔ اس نے بھی عبد اللہ کے چہرے میں ایک خاص نور کی لاٹ دیکھی۔ جب اس نے عبد اللہ سے بات کی تو انہوں نے فرمایا کہ حرام راستہ تو میرے لیے بالکل بند ہے، جبکہ حلال طریقے سے، یعنی نکاح کے بعد، تجھ سے تمتع کے لیے ابھی فرصت اور وقت نہیں ہے۔ اس خاتون کے بارے میں بھی آتا ہے کہ جب اگلے دن اسے جناب عبد اللہ نظر آئے تو اس نے ان کے چہرے پر نظریں گاڑ دیں۔ انہوں نے پوچھا وہ کیوں ان کو غور سے دیکھ رہی ہے؟ کیا وہ کل والی بات کرنا چاہتی ہے تو اس نے کہا: قد کان ذاک مرة فالیوم لا۔ یعنی وہ اس وقت کی بات تھی، اب یہ ممکن نہیں۔ یہ بات تو عربوں میں ضرب المثل کے طور پر مشہور ہو گئی کہ جب موقع ہاتھ سے نکل جائے تو وہ کہا کرتے تھے: قد کان ذاک مرة فالیوم لا۔ اس کا ایک بامحاورہ معنی ہے یعنی ”رات گئی بات گئی۔“ اس خاتون نے بھی پوچھا کہ آپ نے کل رات کہاں گزاری؟ تو فرمایا کہ اپنی بیوی آمنہ بنت وہب کے پاس۔ اس پر وہ پکار اٹھی: بخدا کل تیرے چہرے میں جو روشنی تھی وہ نور نبوت کی مانند چمک رہی تھی۔ میں اسی کی طلب گار تھی، اب وہ تمہارے اندر باقی نہیں رہی۔ مجھے اب تم سے کوئی سروکار نہیں۔

### تقدیر کے فیصلے

شادی کے بعد جناب عبد اللہ اپنے تجارتی سفر کے لیے شام کی طرف روانہ ہوئے، وہاں اپنا کاروبار کرنے کے بعد سامان تجارت کے ساتھ واپسی کے لیے رخت سفر باندھا۔ وہ جلد از جلد مکہ پہنچنا چاہتے تھے۔ انسان کی سوچ کچھ ہوتی ہے اور تقدیر کے فیصلے کچھ اور ہوتے ہیں۔ ہوتا وہی ہے جو اللہ چاہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَمَا تَشَاءُونَ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ ﴿۲۹﴾ (التکویر ۸۱: ۲۹)۔ اور تمہارے چاہنے سے کچھ نہیں ہوتا جب تک اللہ رب العالمین نہ چاہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: مَا شَاءَ اللَّهُ كَانَ وَمَا لَمْ يَشَأْ لَمْ يَكُنْ۔ یعنی اللہ جو چاہتا ہے وہ ہو کر رہتا ہے اور وہ جو نہ چاہے وہ نہیں ہو سکتا۔ (دلائل النبوة للبيهقي، روایت حضرت



ابوالدرداء)۔

مسافر کی منزل مکہ تھی، مگر راستے میں مدینہ میں معمول کے مطابق رکے تو بیمار پڑ گئے۔ ان کی بیماری کی خبر مکہ میں بھی پہنچی، جس پر عبدالمطلب بہت مضطرب ہوئے۔ اپنے بڑے بیٹے حارث بن عبدالمطلب کو تیز رفتار سواری پر مدینہ بھیجا کہ اپنے بھائی کی خبر لے کر آئے۔ یہ عجیب اتفاق ہے کہ بھائی کے پہنچنے سے پہلے جناب عبد اللہ مدینہ ہی میں وفات پا گئے۔ وہیں ان کی قبر بنی۔ یہاں ان کے اور ان کے والد عبدالمطلب کے ننھیال بنو عدی بن نجار تھے۔ وہ انھی کے ہاں ایک مہینے تک ٹھہرے۔ حارث کے پہنچنے پر ان کی وفات اور تجہیز و تکفین ہو چکی تھی۔ حارث کو یہ خبر سن کر بڑا صدمہ ہوا۔ جب یہ خبر مکہ میں پہنچی تو پورا خاندان سوگوار ہو گیا۔ عبد اللہ تمام خاندان میں سب سے زیادہ محبوب شخصیت تھے۔ جناب عبد اللہ نے تر کے میں کیا چھوڑا؟ سیرت نگاروں کے مطابق کچھ نقدی کے علاوہ چند اونٹ، بکریاں اور ایک کنیرام ایمن چھوڑی، جس کا اصلی نام برکہ تھا۔ یہ سب چیزیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تر کے میں ملیں۔

قدرت کے کیا کرشمے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا روز اول سے یہ فیصلہ تھا کہ اس کے محبوب، آمنہ کے لعل، درّ یتیم، محمد مصطفیٰ کا مستقر بیثرب ہوگا۔ وہیں آپ کی قبر مبارک ہوگی اور اسی کو یہ شرف حاصل ہوگا کہ اسے مدینۃ النبی کا درجہ ملے گا۔ آپ کے والد کی قبر اس شہر میں ہونا اور پھر اسے آپ کا مستقل مسکن بنا دیا جانا کوئی اتفاقی بات نہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کا اپنا فیصلہ تھا۔

بیوی کا مرحوم میاں کے لیے مرثیہ

جناب عبد اللہ کی وفات پر ان کے عزیز واقارب میں سے بہت سے لوگوں نے مرثیے لکھے۔ ان کی اہلیہ محترمہ آمنہ بنت وہب کا جو مرثیہ تاریخوں میں منقول ہے اس کے چند اشعار ہم طبقات ابن سعد سے نقل کر رہے ہیں:

عفا جانب البطحاء من ابن ہاشم  
وجاور لحداً خارجاً فی الغمام



دَعْتُهُ الْمَنَايَا دَعْوَةً فَاجَابَهَا  
 وَمَا تَرَكَتْ فِي النَّاسِ مِثْلَ ابْنِ هَاشِمٍ  
 عَشِيَّةً رَاحُوا يَحْمِلُونَ سَرِيرَهُ  
 تَعَاوَرَهُ أَصْحَابُهُ فِي التَّرْحِمِ  
 فَإِنَّ يَكُ غَالَتُهُ الْمَنَايَا وَرَيْبُهَا  
 فَقَدْ كَانَ مِعْطَاءً كَثِيرًا التَّرْحِمِ

فرزند ہاشم کی وفات کے باعث کنارہ بطحا کے اطراف و اکناف پر اداسی اور غم چھا گیا ہے۔ یہ نوحہ اور بکا و گریہ و شور اس کے فراق میں ہے جو اپنی لحد میں لمبی تان کر سو گیا ہے۔ موت نے اسے دعوت دی اور اس نے وہ دعوت قبول کر لی، انسانوں میں سے کسی ایک کو بھی موت نے ایسا نہ چھوڑا جو فرزند ہاشم جیسا ہوتا۔

لمحات شب میں [احباب] اس کا تابوت اٹھا کے چلے تو اس کے ساتھیوں کے انبوہ نے تابوت کو باری باری، دست بدست کندھا دیا۔

اگر وہ مر گیا تو کیا ہوا، اس کے آثار خیر تو نہیں مرے، کیونکہ وہ نہایت ہی درجہ فیاض اور بہت ہی رحم دل تھا۔ (طبقات ابن سعد، ج ۱، ص ۱۰۰)

### بشارت اور اللہ کی پناہ

حضرت آمنہ فرمایا کرتی تھیں: مجھے یہ محسوس ہی نہ ہوا کہ میں حاملہ ہوں، نہ کسی قسم کے ناقابل برداشت بوجھ اور گرانی کا احساس ہوا جیسا عورتوں کو ہوا کرتا ہے۔ البتہ نئی بات خصوصی ایام کی بندش تھی، وہ بھی کبھی بند ہو جاتے اور پھر کبھی عود کر آتے۔ ایک مرتبہ میں سوتے جاگتے یعنی غنودگی اور نیند کی درمیانی حالت میں تھی کہ ایک آنے والے نے آ کے مجھ سے کہا: ”تو نے محسوس بھی کیا کہ تو حاملہ ہے؟“ میں نے اس کا یوں جواب دیا: ”میں کیا جانوں“۔ اس نے کہا: ”تیرے رحم میں اس امت کا سردار، پیغمبر حق ہے اور یہ واقعہ یعنی استقرارِ حمل دو شنبہ کو ہوا ہے۔“



آمنہ کہتی ہیں کہ یہی بات تھی جس نے مجھ کو حمل کا یقین دلایا۔ پھر ایک زمانے تک سکوت رہا، تا آنکہ ولادت کا وقت قریب آیا تو وہی خواب میں آنے والا پھر آیا اور اس نے کہا: ”قلی اَعِيذُ بِالصَّمَدِ الْوَاحِدِ مِنْ شَرِّ كُلِّ حَاسِدٍ لِعِنِّي كَهُوَ كَمَا فِي هَرَاكٍ حَاسِدٍ كَثْرَتِ اس بِنِي كَلِي خَدَائِي وَاحِدٍ وَصَدِّ كِي پِنَاهِ طَلْبِ كَرْتِي هُون۔“ حضرت موسیٰ ؑ کی پیدائش کے وقت فرعون کے خطرے سے ان کی والدہ پریشان تھیں کہ وہ ان کے نورِ نظر کو موت کے گھاٹ اتار دے گا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دل میں یہ بات القا کی کہ وہ کوئی فکر نہ کریں، نہ ہی غم و حزن میں مبتلا ہوں۔ اللہ ان کے بچے کو زندہ سلامت ان کے پاس لے کر آئے گا۔ یہ مضمون قرآن پاک میں کئی مقامات پر بیان ہوا ہے۔ اسی کی روشنی میں سیدہ آمنہ کے اس واقعہ کا بھی مطالعہ کرنا چاہیے۔ یہ آنے والا یقیناً اللہ کا فرستادہ تھا۔

تو ہم کا خاتمہ

آمنہ فرماتی ہیں: میں (اس تعلیم کے مطابق) یہی کلمات صبح و شام دہرایا کرتی تھی۔ جب قریش کی عورتوں سے اس صورت حال کا تذکرہ کیا تو انہوں نے اپنے رسوم و رواج کے مطابق مجھے نصیحت کرتے ہوئے کہا کہ اپنے دونوں بازوؤں اور گلے میں لوہا لٹکا لے، لوہا لٹکا تو لیا مگر یہ چند ہی روز لٹکا رہا۔ پھر میں نے اس کو کٹا ہوا پایا تو اسے اتار پھینکا۔ گویا اللہ تعالیٰ نے اس جاہلی رسم اور توہم پرستی کی علامت کو خود ہی ختم کر دیا۔ حقیقت یہ ہے کہ جو ماہِ مبین اور سراجِ منیر کفر و ضلالت کے اندھیرے کو دور کرنے اور کفر و شرک کو مٹانے کے لیے دنیا میں تشریف لارہے تھے، ان کی برکات رحمِ مادر ہی سے ظاہر ہونے لگیں۔ امام زہری لکھتے ہیں کہ آمنہ اپنے بارے میں فرماتی ہیں: میں حاملہ ہوئی تو اللہ کی قدرت و رحمت سے وضع حمل تک کسی قسم کی مشقت میں مبتلا نہ ہوئی۔ یہ بھی نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی برکات و معجزات کا ایک حصہ ہے۔ (طبقات ابن سعد، ج ۱،

ص ۱۰۱-۱۰۲)





حصہ دوم

آمنہ کا لعل



## ولادت باسعادت

### ولادت کے ایمان افروز واقعات

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت دو شنبہ (پیر) کے دن ہوئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عام الفیل میں پیدا ہوئے یعنی جس سال اصحاب فیل کا واقعہ پیش آیا کہ ابرہہ نے کعبہ شریف (زادھا اللہ شرفاً و تعظیماً) پر چڑھائی کی، اسی سال آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش ہوئی۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سوموار کے روز پیدا ہوئے، جو یوم الفیل تھا۔ یوم الفیل سے مراد عام الفیل ہے۔ زہری محمد بن کعب القرظی المسور، ابودجزہ، مجاہد، حضرت ابن عباس کی بیان کردہ روایات باہم مخلوط ہو گئی ہیں۔ ثقہ راوی کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ آمنہ بنت وہب نے کہا: مجھے اپنے اس بچے یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قرار حمل سے لے کر وضع حمل تک کوئی مشقت اور زحمت محسوس نہ ہوئی۔ میرے پیٹ سے زمین پر آئے تو ایک ایسا نور ان کے ساتھ ہی نکلا کہ مشرق سے لے کر مغرب تک اس کی روشنی پھیل گئی۔ بعد میں میں نے دیکھا کہ میرا لخت جگر اپنے دونوں ہاتھوں کے سہارے زمین پر ٹک گیا اور ایک مشت خاک لے کے آسمان کی جانب سرائٹھا رہا ہے۔

بعض روایات کے مطابق، دُرّ یتیم بطنِ مادر سے جب زمین پر آئے تو دونوں زانوؤں پر جھکے ہوئے تھے، سر آسمان کی جانب بلند تھا۔ ان کے جلوہ افروز ہونے کے ساتھ ایک ایسا نور برآمد ہوا کہ سیدہ آمنہ کے بقول: ”اس سے ملک شام کے محل و بازار روشن ہو گئے، یہاں تک کہ اللہ کی



قدرت سے بصری میں اونٹوں کی گردنیں مجھے دکھائی دیں۔“

مورخ ابن اسحاق بن عبد اللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ نے فرمایا کہ آپ کے پیدا ہوتے ہی میرے جسم سے ایک ایسا نور برآمد ہوا کہ ملک شام کے قصر و ایوان اس سے روشن ہو گئے، جب آپ کی ولادت ہوئی تو آپ پاک و صاف اور طاہر و مطہر پیدا ہوئے۔ ان کے جسم پر کچھ بھی آلائش کے آثار نہ تھے، زمین پر آئے تو فرش خاک پر اپنے ہاتھ کے سہارے بیٹھے ہوئے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے متعلق ابن القبطیہ نے روایت بیان کی ہے کہ آپ کی والدہ کہتی تھیں: میں نے دیکھا کہ گویا ایک ایسا بے مثال شہاب میرے بطن سے نکلا ہے کہ مشرق تا مغرب ساری روئے زمین اس سے روشن ہو گئی ہے۔

### بے مثال شان والا

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اپنے والد حضرت عباس رضی اللہ عنہ بن عبد المطلب سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے تو آپ کا ختنہ ہو چکا تھا اور ناف پر پائی جانے والی جھلی غائب تھی۔ آپ کے دادا جناب عبد المطلب کو یہ جملہ حقائق جاننے پر مسرت آمیز تعجب ہوا۔ ان کی نظروں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قدر اور بھی بڑھ گئی اور انہوں نے کہا کہ میرے اس بیٹے کی ایک خاص شان ہوگی۔ فی الواقع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خاص شان تھی جس میں کوئی بھی آپ کا شریک و سہیم نہیں ہے۔ آپ اللہ کے نبی تھے، مگر تمام انبیاء و رسل علیہم السلام میں صرف آپ ہی ہیں جو قیامت کے دن تک تمام عالم کے لیے رہبر و رہنما ہیں۔ آپ پر سلسلہ نبوت و رسالت کی تکمیل ہو گئی۔ آپ کو اللہ نے رحمۃ للعالمین بھی فرمایا اور خاتم النبیین بھی قرار دیا۔

### دادا کی مسرت

یزید بن عبد اللہ بن زمعہ کی بہن کہتی ہیں: آمنہ بنت وہب کے بطن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے تو آمنہ نے اپنے سر جناب عبد المطلب کو خوش خبری کا پیغام بھیجا۔ یہ بشارت



لانے والا بشیر ایسے وقت میں ان کے پاس پہنچا کہ وہ حجر [یہ وہ مقام ہے جس میں حطیم شامل ہے اور جو شمالی جانب سے کعبہ کو محیط ہے۔] میں اپنے بیٹوں اور قریش کے کچھ معززین کے ساتھ اپنی مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ کو اطلاع دی گئی کہ آمنہ اور عبد اللہ کے ہاں لڑکا پیدا ہوا ہے۔ عبدالمطلب اس خبر سے بہت خوش ہوئے اور ان کے ساتھ جتنے لوگ تھے سبھی خوشی سے جھوم اٹھے۔ عبدالمطلب فوراً آمنہ کے پاس آئے تو جو کچھ سیدہ آمنہ کو نظر آیا تھا یا جو کچھ ان سے کہا گیا تھا اور جس کا انھیں پردہ غیب سے حکم ملا تھا، جناب عبدالمطلب کو سب کچھ سنا دیا۔ عبدالمطلب ان باتوں سے خوش ہوئے اور پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے بازوؤں میں لیے ہوئے کعبہ میں آئے اور وہاں کھڑے ہو کر رب کعبہ سے دعا کی اور اس نے جو نعمت بے بہا بخشی اس کا شکر ادا کرتے رہے۔

### خانہ کعبہ کے سائے میں اشعار

محمد بن عمر الاسلمی کے مطابق عبدالمطلب نے وہاں یہ شعر پڑھے:

الحمد لله الذي اعطاني  
هذا الغلام الطيب الاردان  
قد ساد في المهدي علي الغلمان  
اعيدته بالله ذي الاركان  
حق اراه بالغ البنيان  
اعيدته من شر ذي شنهان  
من حاسد مضرب العنان

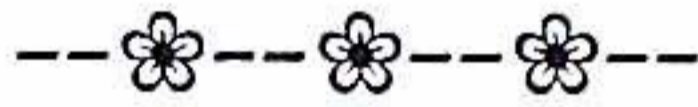
تمام حمد و ثنا اس ذات باری تعالیٰ کے لیے، جس نے مجھے یہ پاکیزہ صفت، طیب و طاہر لعل عطا فرمایا۔

یہ وہ بچہ ہے جو گہوارے ہی میں تمام بچوں کا سردار ہے۔ میں اس کو اللہ تعالیٰ کی پناہ میں دیتا



ہوں جو ہر چیز پر قادر ہے۔ میری دعا ہے کہ میں اس نومولود کو جوانی و بلوغت میں دیکھوں۔  
میں اس کو اللہ کی پناہ میں دیتا ہوں کہ وہ ہر دشمن اور کینہ پرور کے شر سے اسے ہمیشہ محفوظ  
رکھے۔

اے (رب کریم!) پینترے بدل بدل کر شر پھیلانے والے حاسد کے شر سے ہمیشہ محفوظ  
رکھ۔ (طبقات ابن سعد، ج ۱، ص ۱۰۳، سیرۃ ابن ہشام، القسم الاول، ص ۱۶۰)  
ان اشعار کے اندر مکمل توحیدی شان پائی جاتی ہے۔ ابرہہ کے حملے اور قریش کی دعاؤں  
کے بعد یہ لوگ توحید پر قائم تھے۔ پھر عبدالمطلب کے بازوؤں میں جو درّ یتیم تھا، اسے تو بھیجا ہی  
اس لیے گیا تھا کہ کلمہ توحید پورے عالم میں گونجے اور کفر و شرک کی جڑ کاٹ دی جائے۔





## رسول رحمت کے اسمائے گرامی

رسول مجتبیٰ کہیے ، محمد مصطفیٰ کہیے  
خدا کے بعد بس وہ ہیں پھر اس کے بعد کیا کہیے  
[ماہر القادری]

### انجیل کی گواہی

مورخ ابن سعد نے طبقات الکبریٰ میں حضرت عثیمہ کے آزاد کردہ غلام سہل کی زبانی یہ روایت نقل کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ مرلیس کے علاقے کا ایک نصرانی عرب میں مقیم تھا اور اکثر انجیل پڑھا کرتا تھا۔ اس کا بیان ہے کہ انجیل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جو صفات بیان کی گئی ہیں ان میں یہ صفت موجود ہے کہ وہ اسماعیل کے خاندان سے ہوں گے اور ان کا نام احمد (اللہ کی بہت زیادہ حمد کرنے والا) ہوگا۔ ابو جعفر محمد بن علی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابھی رحم مادر ہی میں تھے کہ آپ کی والدہ سیدہ آمنہ کو حکم ہوا: ان کا نام احمد رکھنا۔ آپ کا یہ نام آپ کی والدہ ہی نے رکھا تھا۔

### احمد مجتبیٰ قرآن میں

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بیٹے محمد بن علی، جو محمد ابن الحنفیہ کے نام سے معروف ہیں، نے اپنے والد حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود فرمایا: ”میرا نام احمد رکھا گیا۔“ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے آپ کے نام احمد کا تذکرہ سورۃ الصف میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زبانی فرمایا ہے۔ ارشاد باری ہے:



وَإِذْ قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ بِنِيَّ اسْرَأَيْلَ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرَةِ وَ مُبَشِّرًا بِرَسُولٍ يَأْتِي مِنْ بَعْدِي اسْمُهُ أَحْمَدٌ فَلَمَّا جَاءَهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ قَالُوا هَذَا سِحْرٌ مُّبِينٌ ﴿٦١﴾ (الصف ٦: ٦١)

اور یاد کرو عیسیٰ ابن مریم کی وہ بات جو اس نے کہی تھی کہ اے بنی اسرائیل، میں تمہاری طرف اللہ کا بھیجا ہوا رسول ہوں، تصدیق کرنے والا ہوں اس تورات کی جو مجھ سے پہلے آئی ہوئی موجود ہے، اور بشارت دینے والا ہوں ایک رسول کی جو میرے بعد آئے گا جس کا نام احمد ہوگا۔ مگر جب وہ ان کے پاس کھلی کھلی نشانیاں لے کر آیا تو انہوں نے کہا یہ تو صریح دھوکہ ہے۔

جبیر بن معظم رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے ہوئے سنا: میں محمد ہوں، احمد ہوں، حاشر ہوں، ماحی ہوں، خاتم ہوں، عاقب ہوں۔ آپ کے ان سب ناموں کی تشریح خود ان کے اندر واضح ہے، مگر محدثین و شارحین نے بھی ان کی تشریح لکھی ہے۔

### منفرد نام محمد

قرآن پاک میں آپ کے نام ”محمد“ کا تذکرہ چار مقامات پر آیا ہے جبکہ احمد صرف ایک مقام پر مذکور ہے۔ محمد سورہ آل عمران آیت نمبر ۴۴، سورہ الاحزاب آیت نمبر ۴۰، سورہ محمد جسے سورہ قتال بھی کہا جاتا ہے، میں آیت نمبر ۲ اور سورہ الفتح میں آیت نمبر ۲۹ میں آیا ہے۔ احمد سورہ الصف آیت نمبر ۶ میں نازل ہوا ہے۔ آپ کی پیدائش پر آپ کے دادا عبدالمطلب نے آپ کا نام محمد رکھا۔ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ آپ کے دادا نے آپ کی پیدائش کے ساتویں دن آپ کا عقیقہ کیا اور مینڈھے ذبح کیے، پھر آپ نے فرمایا کہ میں نے اپنے بیٹے کا نام محمد رکھا ہے۔ ان کی قوم نے کہا کہ ابو الحارث آپ نے محمد نام کس بنیاد پر رکھا ہے؟ آپ کے آباؤ اجداد میں تو کہیں یہ نام نہیں پایا جاتا، نہ ہی آپ کی قوم میں اس نام کا کوئی اور شخص ہوا ہے۔



## آسمان وزمین پر قابل ستائش

جناب عبدالمطلب نے اس کے جواب میں کہا: اردت ان یحمدہ اللہ فی السماء  
وتحمدہ الناس فی الارض۔ یعنی میں نے اس نیت سے یہ نام رکھا ہے کہ اللہ رب العزت  
آسمانوں میں اس کی تعریف فرمائے اور خلق خدا زمین پر اس کی تعریف کے گن گائے۔ حسان بن  
ثابت رضی اللہ عنہ نے ایک شعر میں اس مضمون کو یوں باندھا ہے:

فشق له من اسمہ لیجلہ

فدو العرش محمود وهذا محمد

آپ کے اسم گرامی سے یہ مفہوم نکلتا ہے کہ آپ سراپا عظمت ہیں۔ عرش کا مالک محمود ہے  
اور آپ محمد ہیں۔ (آپ کا نام اللہ کے نام سے مشتق ہے، دونوں کا مادہ حمد ہے۔)

## اسمائے گرامی

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینہ کی ایک گلی میں  
یہ فرماتے ہوئے سنا، آپ نے فرمایا: میں محمد ہوں، احمد ہوں، حاشر ہوں مقفی ہوں، نبی رحمت  
ہوں۔ مقفی کا معنی ہے عزت والا اور فصیح و بلیغ۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ  
صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اپنے نام بتائے جن میں سے بعض نام ہم نے یاد کر لیے۔ آپ نے  
فرمایا تھا: میں محمد ہوں، احمد ہوں، مقفی ہوں، حاشر ہوں، نبی رحمت ہوں، نبی توبہ ہوں، نبی  
ملحمہ ہوں۔ (المستدرک، حدیث ۴۱۸۵)

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اسمائے گرامی حضرت نافع بن جبیر بن مطعم نے بیان  
فرمائے۔ بنو امیہ کے حکمران عبدالملک بن مروان نے اپنے دربار میں حضرت نافع سے پوچھا کہ  
آپ کے والد جبیر بن مطعم آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جو نام گنوا کرتے تھے کیا تمہیں وہ یاد  
ہیں؟ انہوں نے فرمایا: ہاں۔ پھر انہوں نے چھ نام گنوائے:



آپ کے چھ پاکیزہ نام

۱- محمد: یہ نام آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا جناب عبدالمطلب نے رکھا تھا۔ اس کا معنی ہے وہ شخصیت جس کی تمام مخلوق میں سب سے زیادہ تعریف کی جائے۔ واقعی آپ اسم باسٹی تھے۔

۲- احمد: یہ نام آپ کی والدہ ماجدہ کے دل پر القا کیا گیا تھا۔ سابقہ کتابوں میں بھی اس کا تذکرہ موجود ہے۔ خود قرآن پاک میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زبانی یہ نقل ہوا ہے کہ میں تمہیں بشارت دیتا ہوں اپنے بعد آنے والے رسول کی جس کا نام احمد ہے۔ (بحوالہ سورۃ الصف، آیت نمبر ۶)۔ احمد کا معنی ہے اللہ تعالیٰ کی سب سے زیادہ حمد بیان کرنے والا اور اس میں ذرا بھر مبالغہ نہیں۔ آپ سے زیادہ اللہ کی حمد نہ کسی نے کی ہے نہ کوئی کر سکتا ہے۔

۳- خاتم: مہر یا مہر لگانے والا۔ آپ پر انبیا کا سلسلہ مکمل ہو گیا ہے۔ آپ پر نبوت ختم ہو چکی ہے۔ اب آپ کے بعد نہ کوئی نبی ہے نہ رسول۔ آپ خاتم النبیین ہیں۔ قرآن کی سورۃ الاحزاب میں اللہ نے واضح طور پر یہ حکم ارشاد فرما دیا ہے:

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ وَلَكِن رَّسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ ۗ وَكَانَ اللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا ﴿۳۳﴾ (الاحزاب ۳۳: ۴۰)

(لوگو) محمد تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں، مگر وہ اللہ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں، اور اللہ ہر چیز کا علم رکھنے والا ہے۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی احادیث میں اپنے خاتم النبیین ہونے کا تذکرہ فرمایا ہے۔

ایک حدیث ملاحظہ کیجیے:

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّ الرِّسَالََةَ وَالنَّبُوَّةَ قَدْ انْقَطَعَتْ فَلَا رَسُولَ

بَعْدِي وَلَا نَبِيٍّ. (ترمذی، کتاب الروایا، باب ذهاب النبوة۔ مسند احمد، مرویات، انس بن مالک)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: رسالت اور نبوت کا سلسلہ ختم ہو گیا۔ میرے بعد اب



نہ کوئی رسول ہے اور نہ نبی۔

۴- حاشیہ: آپ سب لوگوں کو اللہ کے عذاب سے ڈرانے والے اور میدان حشر کی طرف لے جانے والے ہیں۔ آپ اور قیامت کے درمیان کوئی فاصلہ نہیں۔ آپ نے انگلیوں کو آپس میں ملاتے ہوئے خود ارشاد فرمایا: ”انا والساعة کھاتین۔“

۵- عاقب: سب پیغمبروں کے بعد آنے والے اللہ کے آخری نبی اور رسول۔

۶- ماجی: کفر و شرک کو مٹا دینے والا، نیز ان تمام لوگوں کے گناہ دھو ڈالنے والا جو اس پر ایمان لائیں۔ (طبقات ابن سعد، ج ۱، ص ۱۰۴-۱۰۵، السیرة الحلبيّة، ج ۱، دارالکتب العلمیہ بیروت، ص ۱۱۵-۱۲۰)

پوری دنیا میں آج نو مولود بچوں کا سب سے زیادہ رکھا جانے والا نام محمد ہے۔ کوئی دوسرا نام اس کے عشر عشر بھی نہیں پایا جاتا۔ ۲۰۱۶ء کے ایک برطانوی سروے کے مطابق ۶۹۸۸ بچوں میں سے ۵۹۹۱ بچوں کے نام محمد رکھے گئے۔ یہ نو مولود بچوں کی تعداد کا ۸۶.۴ فیصد بنتا ہے۔ اسلام دشمن جتنی بھی کوشش کر لیں اس نام کی عظمت کو کوئی نہیں مات کر سکتا۔

آنحضور ﷺ کی کنیت

عربوں کے ہاں اصلی نام کے ساتھ باپ یا بیٹے یا کسی خاص صفت کی نسبت سے کنیت کا رواج عرف کی حیثیت رکھتا تھا، مثلاً ابوزید، ابوہریرہ، ابن ہاشم وغیرہ۔ نام سے بلانے کی بجائے کنیت سے بلانا ادب و احترام اور محبت کی علامت تھی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی کنیت اپنے پہلے بیٹے سیدنا قاسم بن محمد کی نسبت سے ابوالقاسم رکھی۔ آپ نے فرمایا کہ میرے نام پر نام تو رکھا کرو، میری کنیت پر کوئی کنیت نہ رکھو۔ میں ابوالقاسم ہوں اور قاسم بھی ہوں۔ یعنی قاسم کا باپ ہوں اور اللہ کے حکم اور عطا سے لوگوں کے درمیان مال و متاع اور رحمت تقسیم بھی کرتا ہوں۔ آپ نے فرمایا: مَنْ يُرِدِ اللَّهُ بِهِ خَيْرًا يُفَقِّهْهُ فِي الدِّينِ، وَإِنَّمَا أَنَا قَاسِمٌ وَاللَّهُ يُعْطِي وَلَنْ تَزَالَ هَذِهِ الْأُمَّةُ قَائِمَةً عَلَى أَمْرِ اللَّهِ، لَا يَضُرُّهُمْ مَنْ خَالَفَهُمْ حَتَّى يَأْتِيَ أَمْرُ اللَّهِ. (متفق)



علیہ، روایت حضرت معاویہ بن ابوسفیانؓ)

اللہ جسے خیر عطا فرمانا چاہے اسے دین کی سمجھ عطا فرماتا ہے۔ میں تقسیم کرنے والا ہوں اور اللہ تعالیٰ عطا فرمانے والا ہے۔ یہ امت قیامت تک مخالفین کے ہر ضرر سے محفوظ رہے گی جب تک اللہ کے حکم پر ثابت قدم رہی۔

شعرانے آپؐ کے اسمائے گرامی کے حوالے سے اپنی عقیدت مندی کا جو اظہار کیا ہے،

اس میں ہر شاعر اپنی جگہ منفرد ہے۔ علامہ اقبالؒ اپنی قلبی کیفیت کو یوں بیان کرتے ہیں:

کی محمدؐ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں

یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

آپؐ کے صفاتی نام مصطفیٰؐ کے بارے میں ہر مسلمان کا عقیدہ یوں بیان کرتے ہیں:

در دلِ مسلم مقامِ مصطفیٰؐ است

آبروئے ما ز نامِ مصطفیٰؐ است

مولانا الطاف حسین حالی بھی سچے عاشقِ رسولؐ تھے۔ مسدس حالی میں جگہ جگہ اس عشق کی

مثالیں ملتی ہیں۔

وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا

مرادیں غریبوں کی بر لانے والا

مصیبت میں غیروں کے کام آنے والا

وہ اپنے پرانے کا غم کھانے والا

فقیروں کا بلجا ضعیفوں کا ماویٰ

یتیموں کا والی غلاموں کا مولیٰ

خطا کار سے درگزر کرنے والا

بداندیش کے دل میں گھر کرنے والا



مفاسد کا زیر و زبر کرنے والا  
 قبائل کو شیر و شکر کرنے والا  
 اتر کر حرا سے سوئے قوم آیا  
 اور اک نسخہ کیمیا ساتھ لایا  
 مس خام کو جس نے کندن بنایا  
 کھرا اور کھوٹا الگ کر دکھایا  
 عرب جس پر قرونوں سے تھا جہل چھایا  
 پلٹ دی بس اک آن میں جس کی کایا  
 رہا ڈر نہ بیڑے کو موج بلا کا  
 ادھر سے ادھر پھر گیا رخ ہوا کا

### کنیت کی شہرتِ عام

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بیٹے قاسم کی نسبت سے اپنے آپ کو ابوالقاسم کہا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی آپ کو ابوالقاسم ہی کہتے تھے۔ آپ نے فرمایا کہ میرے نام پر اپنے نام رکھو، مگر میری کنیت استعمال نہ کیا کرو۔ ایک حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ ایک یہودی لڑکا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کیا کرتا تھا، وہ بیمار پڑ گیا تو آنحضور اس کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے۔ آپ اس کے پاس بیٹھ گئے اور فرمایا: کلمہ پڑھ لو۔ اس نے اپنے باپ کی طرف دیکھا تو اس کے یہودی باپ نے کہا اطع ابا القاسم۔ یعنی ابوالقاسم کی بات مان لو۔ چنانچہ اس بچے نے کلمہ پڑھ لیا۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے گھر سے نکلے تو بہت خوش تھے۔ آپ نے فرمایا: اللہ کا شکر ہے، جس نے اس بچے کو دوزخ کی آگ سے بچا لیا ہے۔ اس کے بعد اس بچے کی وفات ہو گئی۔ (صحیح بخاری، روایت انس بن مالک)



## محمد نام رکھو

شروع میں بعض صحابہ کا خیال تھا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام و مرتبے سے فرود تر ہے کہ کوئی دوسرا شخص آپ کا نام اختیار کرے۔ چنانچہ انصار کے ہاں ایک بچہ پیدا ہوا تو انھوں نے اس کا نام محمد رکھا۔ اس پر بعض لوگوں نے اعتراض کیا اور کہا کہ ہم آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھے بغیر یہ نام قبول نہیں کریں گے۔ آپ سے پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا: میرا نام رکھو، میری کنیت نہ رکھو۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث مروی ہے جس میں وہ بیان کرتے ہیں کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے نام اور میری کنیت کو جمع نہ کرو۔ (طبقات ابن سعد،

ج ۱، ص ۱۰۶-۱۰۷)





## حلیمہ سعدیہ رضی

### آنحضور ﷺ کی ابتدائی رضاعت

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش پر پورے مکہ میں بالعموم اور خاندان بنو ہاشم میں بالخصوص خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ ابو لہب جو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا چچا تھا اسے اس کی لونڈی ثویبہ نے جب یہ اطلاع دی تو وہ اتنا خوش ہوا کہ اس نے اپنی لونڈی کو اس خوشی میں آزاد کر دیا۔ ثویبہ کا بیٹا مسروح اس وقت شیر خوار تھا، ثویبہ نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا دودھ پلایا۔ یوں انھیں بھی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رضاعی ماں ہونے کا شرف حاصل ہے۔ بعد میں آپ نے حضرت حلیمہ سعدیہ کے ہاں اپنا دودھ شیر خواری گزارا۔ آپ نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی والدہ ہالہ کا دودھ بھی پیا تھا۔ وہ بھی آپ کی رضاعی والدہ ہیں۔

### مبارک فیصلہ

قریش اپنے شیر خوار بچوں کو فصیح و بلیغ عربی زبان سیکھنے کی خاطر شیر خوارگی کے زمانے میں بادیہ یعنی دیہاتی علاقوں میں بھیج دیا کرتے تھے۔ ان کو دودھ پلانے والی خواتین معاوضے کے عوض ان بچوں کو دودھ پلاتی تھیں۔ وہ ان کی دیکھ بھال اور پرورش کرتی تھیں اور ساتھ ہی انھیں فصیح عربی زبان سیکھنے کا موقع بھی ملتا تھا۔ بچوں کی تلاش میں ہر سال مختلف قبائل سے عورتیں مکہ آتی تھیں۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش کے سال قبیلہ بنو سعد بن بکر سے دس عورتیں بچوں کے حصول کے لیے مکہ آئیں۔ ان میں سے نو خواتین کو تو وہ بچے مل گئے جن کے والد موجود تھے، ایک خاتون حلیمہ سعدیہ خالی ہاتھ رہ گئی۔ ان میاں بیوی کو معلوم ہوا کہ ایک یتیم بچہ جو سردار قریش



عبدالطلب کا پوتا ہے وہ رہ گیا ہے جس کا حصول ممکن ہے۔ حلیمہ اور اس کے خاوند حارث بن عبدالعزیٰ نے آپس میں سوچا کہ یتیم بچے کی کفالت سے ہمیں کیا ملے گا۔ بالآخر انہوں نے مجبوراً یہ فیصلہ کر لیا کہ خالی ہاتھ جانے کی بجائے اسی بچے کو لے چلتے ہیں۔ یہ فیصلہ اگرچہ بظاہر مجبوراً کیا گیا مگر یہ انتہائی مبارک فیصلہ تھا۔ اس خوش بخت گھرانے کو درّ یتیم کیا ملا، اللہ کی رحمتیں ان پر نازل ہونا شروع ہو گئیں۔ ایک دوسری روایت کے مطابق حارث نے شروع میں یتیم بچے کو لینے کی مخالفت کی، مگر پھر یہ سوچ کر کہ خالی ہاتھ جائیں گے تو سبکی بھی ہوگی اور شاید یتیم کے ساتھ ایسے سلوک کی وجہ سے ہم سے اللہ بھی ناراض ہو جائے گا۔ اب جو ان انعامات ربّانی کو دیکھا تو احساس ہوا کہ واقعی وہ فیصلہ بہت اچھا تھا جب ہم یتیم بچے کو لے کر مکہ سے نکلے۔

### مایوسی امید میں بدل گئی

حلیمہ مکہ کی جانب سفر کا تذکرہ کرتے ہوئے بیان فرماتی ہیں کہ سخت قحط سالی کی وجہ سے ہمارے جانور انتہائی لاغر ہو گئے تھے۔ میں اپنی بھورے رنگ کی گدھی پر سوار تھی اور میرے خاوند حارث بن عبدالعزیٰ ایک اونٹنی پر سوار تھے جو بمشکل چل سکتی تھی اور شیردار ہونے کے باوجود اس کا دودھ بھی سوکھ گیا تھا۔ ہم بارش کے انتظار میں تھے، مگر بارش کا دور دور تک نام و نشان نہ تھا۔ مکہ تک کا سفر ہم نے بڑی مشکل سے طے کیا۔ قافلے والوں کو کئی جگہ رک کر ہمیں اپنے ساتھ ملا نا پڑا۔ مکہ میں پہنچ کر بھی شروع میں ہمیں قدرے مایوسی ہوئی، مگر اللہ تعالیٰ کو ہماری قسمت بدلنا مقصود تھا۔ اس لیے مکہ میں موجود دس نومولود بچوں میں سے نو بچے دیگر مرضعات (دودھ پلانے والیوں) نے ہم سے پہلے حاصل کر لیے۔ آخر میں درّ یتیم رہ گئے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہماری قسمت میں لکھے گئے تھے۔ ان کا ہمارے ہاتھ آنا تھا کہ اللہ کی رحمتیں ہماری طرف متوجہ ہو گئیں۔ (السیرة

الحلبیة، ج ۱، دار الکتب العلمیہ بیروت، ص ۱۳۰-۱۳۱)

### دل باغ باغ ہو گیا

جب حلیمہ جناب عبدالطلب کے پاس آئیں تو انہوں نے نام پوچھا۔ انہوں نے بتایا حلیمہ

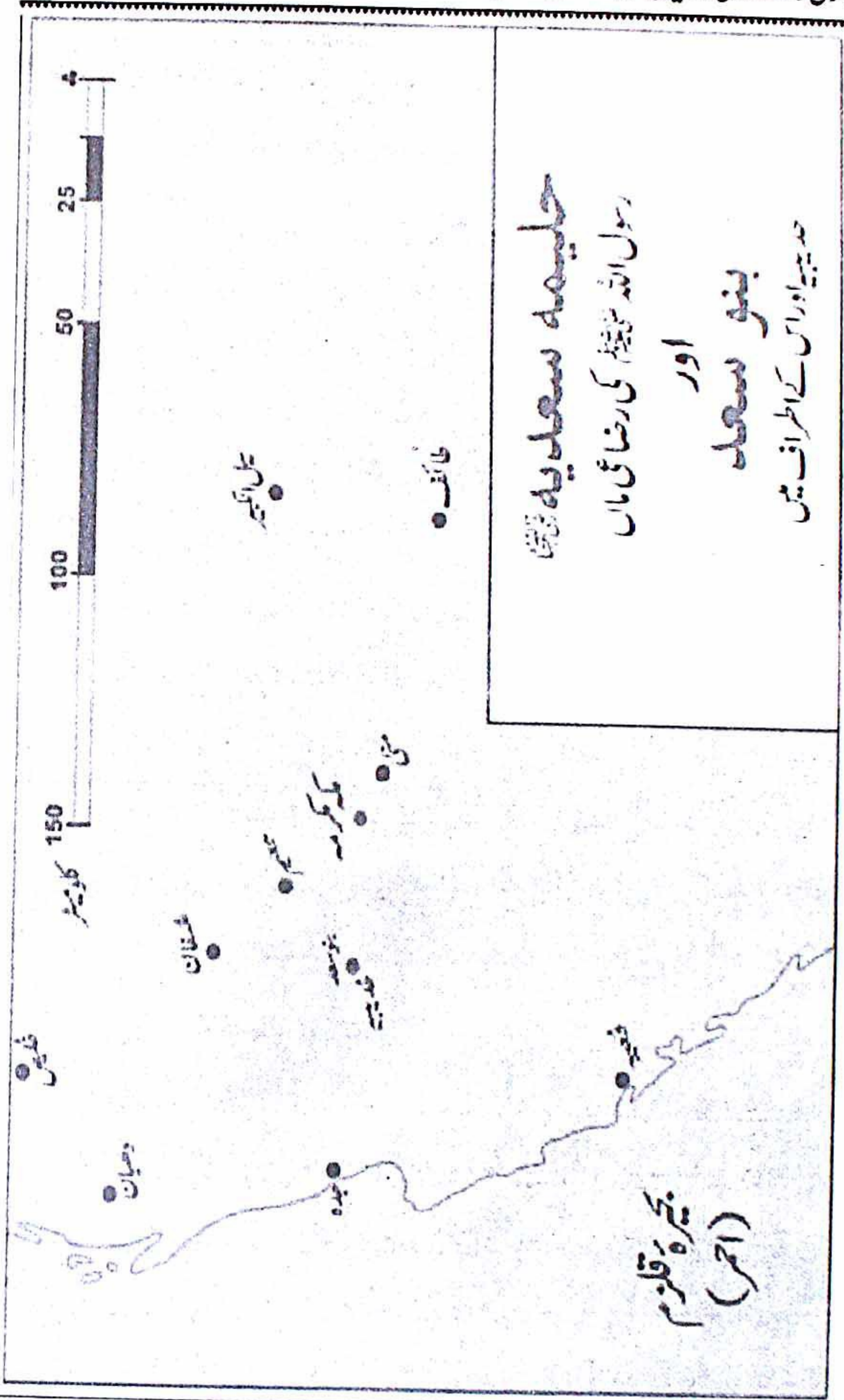


سعدیہ۔ جناب عبدالمطلب خوش ہو گئے اور مسکراتے ہوئے فرمایا: حلم اور سعادت کا امتزاج کیا خوب! پھر فرمایا میرے ساتھ آؤ۔ حضرت حلیمہ خود بیان کرتی ہیں کہ جناب عبدالمطلب نے آمنہ کا دروازہ کھولا اور مجھے بہت پیار و محبت سے اندر آنے کے لیے خوش آمدید کہا۔ پھر فرمایا یہی میرا بیٹا محمد ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ تم اسے دودھ پلانے کے لیے اپنے ساتھ لے جاؤ۔ جوں ہی چہرہ مبارک پر حلیمہ سعدیہ کی نظر پڑی تو وہ خوش ہو گئیں۔ وہ بیان کرتی ہیں کہ جب میں نے بچے کو اٹھایا تو وہ سو رہا تھا۔ اس کی ماں نے اسے سفید رنگ کے صوف کے کپڑے سے ڈھانکا ہوا تھا اور سبز رنگ کا ریشمی بستر اس کے نیچے تھا۔ اس کے چہرے سے ایسی روشنی مجھے نظر آئی جو آسمان تک بلند ہو گئی۔ اس موقع پر مجھے خطرہ محسوس ہوا کہ بچہ میرے اٹھانے سے جاگ نہ جائے اور رونے نہ لگ پڑے، مگر میں نے دیکھا کہ وہ یوں پرسکون انداز میں سویا ہوا تھا کہ اس کے چہرے پر مکمل طمانیت تھی۔ پھر اچانک جب میں نے اس کے سینے پر ہاتھ رکھا تو وہ مسکرایا اور اپنی دونوں آنکھیں کھول کر میری طرف دیکھا۔ میرا دل باغ باغ ہو گیا۔ پس میں نے اس کا چہرہ چوما اور اس کو اپنے ساتھ چمٹالیا۔ (السیرة الحلبيّة، ج ۱، دارالکتب العلمیہ بیروت، ص ۱۳۲)

### خشک چھاتیوں میں دودھ کا چشمہ

اس وقت تک میاں بیوی کو پوری طرح یہ احساس نہیں تھا کہ انھیں کیا برکات حاصل ہونے والی ہیں۔ آپ گو گو دلیتے ہی ان کے سامنے یہ حقیقت کھل گئی کہ یہ بچہ بڑی شان اور مقام کا حامل ہے۔ انھوں نے فوری طور پر برکات اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں۔ جب انھوں نے محمد بن عبد اللہ کو اپنی گود میں لیا تو حضرت حلیمہ کی دونوں چھاتیاں دودھ سے یوں بھر آئیں کہ انھیں محسوس ہوا دودھ ٹپکنے لگے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جانب سے دودھ پیا تو خوب سیر ہو گئے۔ حلیمہ کے بیٹے عبد اللہ نے دوسری جانب سے دودھ پیا تو وہ بھی خوب سیر ہو گیا۔ دُرّ یتیم کا مستقل معمول رہا کہ جس جانب سے انھوں نے دودھ پیا تھا، اسی جانب سے پیتے تھے۔ دوسری جانب کا پستان ان کے منہ میں ڈالا جاتا تو وہ دودھ پینے سے انکار کر دیتے۔ (بحوالہ: ایضاً)





(اٹلس سیرت نبویؐ، از ڈاکٹر شوقی ابو خلیل، مطبوعہ دارالسلام، صفحہ ۹۵)



## آمنہ کی حلیمہ کو نصیحت

اب جو اپنے علاقے کی جانب یہ لوگ چلے تو ایک اور عجیب منظر سامنے آیا۔ ان کی نحیف و نزار سواریاں جو بمشکل قبیلہ بنو سعد سے مکہ پہنچی تھیں، اب واپسی پر ان کی نرالی شان تھی۔ وہ سب سوار یوں سے آگے نکل گئیں۔ رخصت کرتے وقت آنحضور کی والدہ ماجدہ نے حلیمہ سے کہا: ”اے مہربان اور شرافت کی پتلی حلیمہ! اس بچے کی طرف پوری طرح توجہ دینا۔ اللہ نے چاہا تو بہت جلد اس کی ایک شان ہوگی۔“ پھر انھوں نے اپنے بیٹے کے حمل سے لے کر ولادت تک کے چند واقعات بھی حلیمہ کو بتائے۔ ایک واقعہ یہ تھا کہ پیدائش کے وقت انھوں نے ایک ایسی روشنی دیکھی جس میں انھیں دور دراز ممالک (بصری، شام) کے محلات نظر آئے اور دیگر بہت سے خرق عادت واقعات سے بھی سابقہ پیش آیا۔ ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ یہ حسن اتفاق ہے کہ مجھے متواتر تین راتیں یہ پیغام ملتا رہا کہ اپنے بیٹے کو قبیلہ بنو سعد بن بکر اور آل ابو ذویب میں دودھ پلانا۔ حلیمہ نے کہا: میرے والد کی کنیت ابو ذویب ہے۔ جب یہ خاندان وادی سرر میں پہنچا تو ان سے پہلے روانہ ہونے والی دایوں سے ان کی ملاقات ہوگئی۔ ان عورتوں نے حلیمہ سے پوچھا: حلیمہ! پھر تمہارے ساتھ کیا بنا؟ حلیمہ نے جواب دیا: اخذتُ وَاللّٰهِ خَيْرَ مَوْلُوْدٍ رَاَيْتُهُ قَطُّ وَاَعْظَمُهُمْ بَرَكَتَةً۔ یعنی خدا کی قسم جتنے بچے میں نے آج تک دیکھے ان سب میں بہترین مولود و معزز ترین، برکت والے بچے کو میں نے حاصل کر لیا ہے۔

## پرتا شیر اشعار

عورتوں نے کہا: کیا وہی عبد اللہ کا یتیم لڑکا؟ حلیمہ نے خوش ہو کر جواب دیا: ہاں وہی دُرّ یتیم۔ حلیمہ کہتی ہیں: ہم نے اس منزل سے کوچ بھی نہ کیا تھا کہ میں نے دیکھا بعض عورتوں میں حسد نمایاں ہے۔ اس پر بعض مورخین نے لکھا ہے کہ حضرت حلیمہ جب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سیدہ آمنہ سے حاصل کر کے اپنے گھر لے کر گئیں تو رخصت کے وقت آپ کی والدہ حضرت آمنہ نے کہا:



اعیذہ باللہ ذی الجلال  
من شرّ ما مرّ علی الجبال  
حتّٰی اراه حاملّ الحلال  
ویفعل العرف الی الموالی  
وغیرہم من حیثوۃ الرجال

میں اپنے بیٹے کو اللہ ذوالجلال کی پناہ میں دیتی ہوں، ہر اس شر سے جو پہاڑوں پر اترتا ہے اور انسانوں کو نقصان پہنچاتا ہے۔

میری دعا ہے کہ اللہ اسے خیریت سے رکھے، یہاں تک کہ میں اسے کامیابیوں، کامرانیوں پر فائز دیکھ سکوں۔

(اور میری آنکھیں ٹھنڈی ہو جائیں) جب میں اسے غلاموں اور بے کسوں کے ساتھ نیکی کرتا ہوا دیکھوں اور غلاموں کے علاوہ بھی جو انسانوں میں سے بے مایہ ہوں ان پہ احسان کرتا ہوا پاؤں۔ (طبقات ابن سعد، ج ۱، ص ۱۱۰-۱۱۱)

### ماں کی بے مثال مامتا

ان اشعار کے اندر ایک عجیب حلاوت اور تاثیر ہے۔ سیدہ آمنہ کا یہی ایک بیٹا تھا جس کے والد کا سایہ سر سے اٹھ چکا تھا۔ اس بیٹے کی پیدائش سے قبل اور اس کے بعد بھی انھوں نے ایسے عجیب و غریب اور دل ربا مناظر دیکھے تھے جو معمول سے بالکل ہٹ کر تھے۔ ان کا دل گواہی دے رہا تھا کہ یہ بچہ عام بچوں کی طرح نہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کا خاص، چنیدہ اور محبوب بچہ ہے۔ اللہ اس سے کوئی بہت بڑا کام لینا چاہتا ہے اور جتنا اس کا بلند مقام ہے اتنا ہی اس کی حفاظت کا اہتمام بھی ضروری ہے۔ وہ اور کیا حفاظت کر سکتی تھیں سوائے اس کے کہ اپنے درّ یتیم کو اس ذات کی حفاظت میں دے دیں کہ جس کی حفاظت میں آنے کے بعد دنیا کی کوئی طاقت اس کا بال بھی بیکا نہیں کر سکتی۔ ان اشعار کے اندر ماں کا دھڑکتا ہوا دل اور مامتا کی بے پناہ محبت موجزن ہے۔



## رحمت دو عالم کا فیضانِ عام

ابن کثیر کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب حضرت حلیمہ سعدیہ کے گھر میں داخل ہوئے تو ان کے ورود مسعود کے ساتھ ہی خیر و برکت کا نزول شروع ہو گیا اور اس کا حال سناتے ہوئے جناب حلیمہ سعدیہ نے بتایا کہ ان کی بکریاں اس سے قبل بہت کم دودھ دیتی تھیں لیکن جیسے ہی آپ ان کے گھر میں پہنچے تو انھی بکریوں نے اتنا دودھ دینا شروع کر دیا جو کسی معجزے سے کم نہیں تھا اور یہ خیر و برکت روز افزوں تھی۔ فلم یزل اللہ عز و جل یزیدنا خیرا۔ اللہ تعالیٰ خیر و برکت میں مسلسل اضافہ کرتا چلا جا رہا تھا۔ ہماری بکریوں کے دودھ میں یوں اضافے کی خبر سب لوگوں کو ہوئی۔ انھوں نے صحرا و جنگل میں اپنی بکریاں ہمارے ریوڑ کے ساتھ ملا کر چرانا شروع کیں۔ ان کو بھی اس برکت میں سے اللہ نے حصہ عطا فرمایا۔ آخر ایسا کیوں نہ ہوتا، وہ جس کی خاطر دو جہاں پیدا کیے گئے، اس کے وجود مسعود سے پوری انسانیت کو نفع پہنچانا مقصود تھا۔ وہ رحمۃ للعالمین کے عالی لقب سے نوازا گیا۔ (البدایة والنہایة، ج ۱، طبع دار ابن حزم، بیروت، ص ۴۰۵)

## پہلا کلام از لسانِ عالی مقام

حضرت حلیمہ بیان فرماتی ہیں جب میں نے دو مہینے تک آپ کو دودھ پلایا تو میں نے محسوس کیا کہ میرے دودھ میں اللہ تعالیٰ نے بہت اضافہ کر دیا ہے۔ جب آپ سات مہینے کے ہوئے تو ہر چیز کو سمجھتے تھے۔ آٹھ مہینے کی عمر میں آپ نے باقاعدہ بولنا شروع کر دیا۔ جو بات بھی آپ سنتے اسے دہراتے۔ نو مہینے کی عمر میں آپ نے فصیح عربی بولنا شروع کر دی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی ایک روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلا کلام جو فرمایا وہ یہ تھا: اللہ اکبر کبیرا، والحمد لله کثیرا، وسبحان اللہ بکرۃ واصیلا۔ یعنی اللہ سب سے بڑا ہے، اس کی کبریائی کا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا۔ تعریفیں سب اللہ کے لیے ہیں، اسی کی حمد کثرت کے ساتھ کی جانی چاہیے، صبح و شام اس کی تسبیح کرنا ہی سعادت ہے۔

ایک دوسری روایت میں یہ بیان ہوا ہے کہ ایک رات کو آپ حضرت حلیمہ کے پاس سوئے



ہوئے تھے کہ آپ کی آنکھ کھلی اور آپ نے یہ الفاظ کہے: لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ قُدُّوسًا قُدُّوسًا نَامَتِ  
الْعُيُونُ وَالرَّحْمَنُ لَا تَأْخُذُهُ سِنَّةٌ وَلَا نَوْمٌ۔ اللہ کے سوا کوئی الہ نہیں وہ ہر عیب سے پاک  
ہے، وہ سراپا پاکیزگی ہے، (مخلوق کی) آنکھیں سو جاتی ہیں لیکن رحمن کی شان یہ ہے کہ اسے نہ  
اونگھ آتی ہے نہ نیند۔ (السیرة الحلبيّة، ج ۱، دارالکتب العلمیہ بیروت، ص ۱۳۵)

### بکری کی شہادت

حلیمہ فرماتی ہیں کہ اسی عمر میں آپ خوب چلنے پھرنے لگ گئے۔ دس مہینے کی عمر میں آپ  
بچوں کے ساتھ تیر اندازی بھی کرنے لگے۔ ابتدائی دنوں میں جب آپ میری گود میں ہوتے تھے  
تو ایک دن میں نے عجیب منظر دیکھا کہ ہماری بکریوں کا ریوڑ میرے سامنے سے گزرا۔ فاقبلت  
واحدة منهن حتى سجدت له وقبّلت رأسه ثمّ ذهبت إلى صواحبها۔ اس ریوڑ میں  
سے ایک بکری ہماری طرف آئی اور اس نے آ کر سجدہ کیا، پھر میری گود میں ننھے معصوم محمد کے سر کو  
چوما۔ سر چومنے کے بعد وہ دوڑ کر اپنے ریوڑ میں شامل ہو گئی، مٹھی میں پتھر کی کنکریوں کو کلمہ پڑھنا  
تھا، اس کے سر کو بکری نے بوسہ دیا تو کیا تعجب! (السیرة الحلبيّة، ج ۱، دارالکتب العلمیہ بیروت،  
ص ۱۳۳)

### عالم بیم ورجا

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دو سال تک حضرت حلیمہ کا دودھ پیا، پھر انہوں نے اپنے بیٹے  
عبداللہ اور رضاعی بیٹے محمد دونوں کا دودھ چھڑا دیا۔ دونوں بچے تندرست و توانا تھے۔ حلیمہ سعدیہ  
آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دودھ چھڑانے کے بعد مکہ لے کر آئیں۔ انہیں اس بات کا احساس تھا  
کہ اب ان کے گھر سے وہ برکت جو اس یتیم بچے کی وجہ سے حاصل تھی رخصت ہو جائے گی۔ اس  
سوچ نے انہیں کچھ غم زدہ بھی کر دیا تھا۔ پھر محمد عربی کے ساتھ ان کی قلبی محبت اتنی زیادہ تھی کہ آپ  
کی جدائی کے تصور سے بھی ان کی آنکھوں میں آنسو آ جاتے تھے۔ وہ جانب مکہ رواں دواں تھیں،  
مگر دل کی کیفیت ناقابل بیان تھی۔ بیم ورجا کے عالم میں جب مکہ پہنچیں اور آمنہ کا لعل ان کی گود



میں دیا تو انہوں نے بے ساختہ اپنے لخت جگر کو چومنا شروع کر دیا۔ اس زمانے میں مکہ میں کچھ وبا سی پھیلی ہوئی تھی۔

حلیمہ سعدیہ جب انعام و اکرام لے کر واپس جانے لگیں تو بے ساختہ آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا اور والدہ نے آپس میں مشورہ کیا اور فیصلہ کیا کہ بچے کو کچھ مزید عرصے کے لیے حلیمہ کے ساتھ بھیج دیا جائے۔ چنانچہ حلیمہ کی قسمت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مزید رفاقت لکھ دی گئی۔ حضرت حلیمہ خود فرماتی ہیں کہ جب میں نے درخواست کی کہ چند مہینے بچے کو میرے پاس مزید رہنے دو تو انہوں نے خوشی سے اجازت دے دی۔ یہ سن کر مجھے اتنی مسرت ہوئی کہ میں دعائیں دیتی ہوئی اپنے گھر کی جانب چل پڑی۔

### رضاعی والدین اور بہن بھائی

نبی مہربان صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ حضرت حلیمہ سعدیہ اور ان کے قبیلے کے ساتھ مشفقانہ سلوک فرماتے رہے۔ فتح مکہ کے بعد جب غزوہ حنین ہوا اور قبیلہ بنی سعد کے کچھ لوگ گرفتار ہو کر آپ کے سامنے آئے تو آپ ان کے ساتھ انتہائی حسن سلوک سے پیش آئے۔ آپ کی رضاعی والدہ اور والد بھی آپ کے پاس مدینہ حاضر ہوتے رہتے تھے۔ ایسے ہر موقع پر آپ ان کے لیے اپنی چادر بچھاتے اور انہیں اس پر بٹھاتے۔ پھر انہیں کبھی خالی ہاتھ واپس نہ بھیجتے۔ غزوہ حنین کے بعد آپ کی بہن شیمابنت الحارث بن عبد العزیٰ بھی گرفتار ہو کر آپ کے سامنے آئیں اور اپنا تعارف کرایا تو آپ نے ان کو پہچاننے کے بعد کھڑے ہو کر استقبال کیا اور ان کے لیے بھی اپنی چادر بچھادی۔ ان کے قبیلے کے تمام جنگی قیدیوں کو رہا کر دیا گیا۔ یہاں تک کہ مالِ غنیمت میں سے بھی بیش تر حصہ ان لوگوں کو لوٹا دیا گیا۔ (تفصیلات کے لیے دیکھیے ہماری کتاب رسول رحمتؐ تلواروں کے سائے میں ج ۴، ص ۲۳۰-۲۳۱، مغازی للواقدی، ج ۳، ص ۹۱۳-۹۱۴، سیرۃ ابن ہشام، القسم الثانی، ص ۴۵۸)۔





## معجزہ شوق صدر

مکہ سے پھر بنو سعد میں

جیسا کہ پچھلے صفحات میں بھی تذکرہ ہو چکا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دو برس تک قبیلہ بنی سعد میں رہے، جب دودھ چھڑایا گیا تو ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے آپ چار برس کے ہیں۔ حضرت حلیمہ آپ کو آپ کی والدہ سے ملانے کے لیے اور بعض روایات کے مطابق واپس کرنے کی خاطر لے کر آئی تو حضرت حلیمہ نے آپ کے حالات اور خیر و برکت جو دیکھی تھی اس کی ساری کیفیت سنائی۔ اس پر حضرت آمنہ نے کہا: میرے بچے کو واپس لے جا میں اس کی نسبت مکہ کی وبا سے ڈرتی ہوں، خدا کی قسم اس کی ایک خاص شان ہوگی۔ چنانچہ حضرت حلیمہ سعدیہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو واپس لے گئیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک جب چار برس کی ہوئی تو اپنے رضاعی بھائی اور بہنوں کے ساتھ گھر سے چراگاہ کی طرف نکل جاتے تھے۔ یہ جگہ قبیلے کی رہائش سے زیادہ دور نہ تھی، تاہم یہاں جنگلی جانور بھی آٹھ متے پھرتے رہتے تھے، مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں کبھی کسی جنگلی جانور نے کسی کو نقصان نہیں پہنچایا تھا۔

ملائکہ کی آمد

آپ کی زندگی کا ایک ایسا واقعہ جو معجزات میں شمار ہوتا ہے بنو سعد کے اسی جنگل میں پیش آیا۔ اس مقام پر دو فرشتے آسمان سے نازل ہوئے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک خاص مقصد کے لیے بھیجے گئے تھے۔ یہ دو فرشتے کون سے تھے، اکثر و بیش تر راویوں نے حضرت جبریل اور حضرت میکائیل کے نام بیان کیے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انھی دو فرشتوں کو تمام ملائکہ



میں ممتاز قرار دیا ہے: قرآن پاک میں بھی اللہ تعالیٰ نے انھی دو فرشتوں کو بلند مقام عطا فرمایا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِلَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَرُسُلِهِ وَجِبْرِيلَ وَمِيكَلَ فَإِنَّ اللَّهَ عَدُوٌّ لِلْكَافِرِينَ ﴿۹۸﴾ (البقرة ۲: ۹۸)۔ ”(اگر جبریل سے ان کی عداوت کا سبب یہی ہے، تو کہہ دو کہ) جو اللہ اور اس کے فرشتوں اور اس کے رسولوں اور جبریل اور میکائیل کے دشمن ہیں، اللہ ان کافروں کا دشمن ہے۔“ آپ کا ایک ارشاد یہ بھی ہے کہ جبریل میرے پاس آئے اور انھوں نے فرمایا: سید الملائکہ اسرائیل ہیں۔ بہر حال فرشتوں میں سے چار معروف ترین ہیں اور یہی جملہ جماعت ملائکہ کے سید ہیں۔ یہ ہیں جبریل، میکائیل، اسرائیل، اور عزرائیل۔ ہر ایک کی اللہ نے مخصوص ذمہ داری لگا رکھی ہے اور وہ ان ذمہ داریوں کو ادا کر رہے ہیں۔ اللہ کے مقرب فرشتے سب کے سب انھی فرشتوں کے ماتحت ہیں۔

### ملائکہ کی مبارک باد

فرشتوں نے آ کر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے ساتھ لیا اور ایک جانب لے جا کر پیار و محبت سے زمین پر لٹا دیا۔ اس وقت وہ سفید لباس میں ملبوس تھے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ ان کے پاس خوب صورت طشت اور چمکتی ہوئی برف تھی۔ پھر انھوں نے بغیر کسی درد اور تکلیف کے آپ کا شکم مبارک چیر کر ایک سیاہ نقطہ یا گوشت کا ٹکڑا نکال کر اس کو پھینک دیا یا زمین میں دبا دیا اور باقی دل کو سونے کے ایک طشت میں رکھ کر برفاب سے دھویا اور پھر اسے سینے میں واپس رکھ دیا۔ آپ نے فرمایا: ”میرے جسم پر کوئی تکلیف یا نشان نہیں تھا۔ پھر انھوں نے آپس میں بات چیت کی اور میری طرف جھک کر میرا سر اور ماتھا چوما اور کہنے لگے مبارک ہو، اے یتیم! اللہ تعالیٰ کے تیرے اوپر اتنے انعامات ہیں کہ جب تجھے اس کی حقیقت معلوم ہو جائے گی تو تیری آنکھیں ٹھنڈی ہو جائیں گی۔ یہ فرشتے عام لوگوں کو نظر نہیں آئے۔ اس واقعہ کو بنیاد بنا کر کئی لوگوں نے کہا کہ اس قریشی بچے کو جنتاں نے آسیب زدہ کر دیا ہے۔ پھر وہ مجھے ایک کاہن کے پاس لے کر گئے تو اس نے کہا: لات وعزیٰ کی قسم! اگر تم نے اس کو زندہ چھوڑ دیا تو یہ تمہارے دین کو بدل



ڈالے گا۔ (السيرة الحلبية، ج ۱، دارالکتب العلمیہ بیروت، ص ۱۳۵)

### میزان

روایات میں یہ بھی آتا ہے کہ شق صدر کے بعد فرشتوں نے ایک میزان لگائی اور ایک جانب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اور دوسری جانب آپ کی امت میں سے بیس نیک لوگوں کو رکھا تو آپ کا پلڑا بھاری تھا۔ پھر انہوں نے دوسرے پلڑے میں سواہل ایمان کا وزن ڈالا، اب بھی نتیجہ وہی رہا۔ اس کے بعد ہزار اہل ایمان کا وزن کیا گیا اور پلڑا وہیں کا وہیں رہا۔ اس پر انہوں نے کہا: دعہ فلو وزنتموہ بامتہ کلہم لرجحہم کلہم۔ یعنی جانے دو اگر تمام امت کے ساتھ آپ کا وزن کرو گے تب بھی آپ ہی کا پلہ بھاری ہوگا۔ (السيرة الحلبية، ج ۱، دارالکتب العلمیہ بیروت، ص ۱۳۵، سیرة ابن ہشام، القسم الاول، ص ۱۶۶-۱۶۷، طبقات ابن سعد، ج ۱، ص ۱۱۱-۱۱۲)

### رضاعی والدین کی فکر مندی

دوسفید لباس اجنبیوں کو دیکھ کر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بھائی متوجہ ہوئے اور جب وہ آپ کو لے کر ایک جانب چلے گئے اور آپ کو زمین پر لٹا دیا گیا تو فطری طور پر بچوں کو فکر لاحق ہوئی۔ چھوٹی عمر کے باوجود وہ سمجھدار تھے۔ وہ چیختے چلاتے اپنی ماں کے پاس پہنچے اور ایک نے ماں سے کہا: ادر کسی اخی القرشی۔ یعنی میرے قریشی بھائی کی خبر لے۔ پھر پورا واقعہ سنا دیا۔ یہ سن کر حضرت حلیمہ سخت پریشان ہوئیں اور اپنے شوہر کو بھی واقعہ کی اطلاع دی۔ پھر اپنے شوہر کے ہمراہ دوڑتی ہوئی گھر سے نکلیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسی حالت میں پایا کہ آپ کا رنگ اڑا ہوا تھا۔ آپ نے وہ کیفیت پوری طرح بیان کی جس سے آپ کو سابقہ درپیش آیا، مگر آپ نے فرمایا: مجھے کوئی تکلیف نہیں پہنچی اور نہ ہی میرے جسم پر کوئی نشان ہے۔ خیریت تو گزر گئی، مگر خاندان حارث اتنی قیمتی امانت کو کوئی خطرہ لاحق ہونے کے احساس سے کانپ اٹھا۔ اس کے بعد سیدہ حلیمہ آپ کو لے کر فوراً حضرت آمنہ کے پاس مکہ پہنچیں اور یہ ساری کیفیت سنا کر کہا: انا



لانردہ الالعلی جلع آنفنا۔ یعنی ہم اس بچے کو یوں ہی واپس نہیں کر رہے، اسے واپس کرنا تو اپنی ناک کٹوانے کے مترادف ہے، مگر ہم ایسا کر رہے ہیں (مبادا اس گوہر نایاب کو کوئی گزند پہنچے)۔

سایہ ابر رحمت

پہلی بار مکہ سے واپس لوٹتے وقت حلیمہ آنخضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پھر ساتھ لے گئی تھیں۔ ایک سال یا اس کے قریب آنخضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حلیمہ سعدیہ کے پاس ہی رہے۔ اس دوران وہ آپ کو کہیں دور نہ جانے دیتی تھیں۔ کچھ دن گزرے تھے کہ حلیمہ نے دیکھا کہ ایک ابر آنخضور صلی اللہ علیہ وسلم پر سایہ فگن ہے۔ جب آپ ٹھہر جاتے تو وہ بھی ٹھہر جاتا۔ جب آپ کسی جانب چلتے تو وہ بھی اسی جانب چل پڑتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس طرح کی باتیں عام لوگوں کو خوف زدہ کر دیتی ہیں۔ حلیمہ سعدیہ کو بھی خطرہ محسوس ہوا کہ کہیں یہ بھی کسی ناگہانی آفت کی نشانی نہ ہو۔ اس لیے وہ نوعمر محمد بن عبد اللہ کو اپنے ساتھ لے کر مکہ کی طرف روانہ ہوئیں۔

گوہر نایاب کی گم شدگی پر اللہ سے التجا

حضرت حلیمہ آپ کو آپ کی والدہ کے سپرد کرنا چاہتی تھیں۔ اپنے قبیلے سے چلیں اور مکہ پہنچیں تو یہاں آ کر ایک اور عجیب و غریب مشکل نے آن لیا۔ مکہ کے قریب مجمع میں چار یا پانچ سال کے محمد بن عبد اللہ کہیں گم ہو گئے۔ ادھر ادھر تلاش کے باوجود نہ مل پائے تو نہایت گھبراہٹ کے عالم میں عبدالمطلب کے پاس حاضر ہوئیں اور اس حادثہ فاجعہ کی اطلاع دی۔ عبدالمطلب بھی یہ سن کر بہت پریشان ہوئے۔ ہر جانب تلاش کیا گیا لیکن گوہر نایاب کا پتا نہ چل پایا۔ آخر عبدالمطلب کعبے کی طرف گئے اور رب کعبہ سے التجا کی اور غلاف کعبہ سے لپٹ کر اللہ تعالیٰ سے گڑگڑا کر دعا مانگی:

لَا هُمْ آدِ رَاكِبِي مُحَمَّدَا  
آدَهُ إِلَىٰ وَاصْطَنَعِ عِنْدِي يَدَا



انت الذی جعلته لی عَضْدًا

لَا يُبْعِدُ الدَّهْرُ بِهِ فَيَبْعَدَا

انت الذی سَمَّيْتَهُ مُحَمَّدًا

یا اللہ میرا شاہسوار بیٹا محمد مجھے واپس دے دے۔ اے اللہ! مجھے میرا بیٹا دے دے، وہ جہاں بھی ہے اسے میرے پاس بھیج دے اور مجھ پر اپنا فضل و کرم عام کر دے۔

اے مولائے کریم! اس بچے کو تو نے میرا دست و بازو بنایا ہے، اے اللہ! ایسا نہ ہو کہ گردشِ زمانہ اسے مجھ سے دور کر دے اور پھر دوریاں بڑھتی جائیں۔

رب کریم! تو نے ہی اس کا نام محمد رکھا تھا اور اس کے نام میں تعریف و ستائش تیری ہی عطا ہے۔

(طبقات ابن سعد، ج ۱، ص ۱۱۲)

### لخت جگر کی بازیافت

یہاں ابن سعد نے ایک شخص کنذیر بن سعید کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ اس نے اپنے باپ سے سنا کہ وہ بیان کیا کرتے تھے: میں خانہ کعبہ کا طواف کر رہا تھا کہ ایک شخص خانہ کعبہ کے قریب دردناک انداز میں یہ اشعار پڑھ کر اللہ سے اپنے بیٹے کی واپسی کا مطالبہ کر رہا تھا۔ میں نے پوچھا کہ یہ کون شخص ہے؟ لوگوں نے جواب دیا کہ یہ سردار قریش عبدالمطلب بن ہاشم ہیں جو اپنے پوتے محمد کو تلاش کر رہے ہیں جو اچانک گم ہو گیا ہے۔ سعید کہتے ہیں کہ ان کے والد کے مطابق کچھ ہی لمحات گزرے تھے کہ وہ بچہ آ گیا اور عبدالمطلب نے نہایت والہانہ انداز میں آگے بڑھ کر اسے اٹھالیا، اپنے گلے سے لگا کر کہا: اب میں تجھے کبھی اپنے سے جدا نہ ہونے دوں گا۔ مزید اس واقعہ کو ابن ہشام نے یوں بیان کیا ہے کہ مکہ کے بالائی حصے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ورقہ بن نوفل اور ایک دوسرے قریشی شخص نے اچانک پالیا اور وہ آپ کو لے کر آپ کے دادا عبدالمطلب کے پاس آئے، جبکہ وہ خانہ کعبہ کا طواف کر رہے تھے اور آپ کی واپسی کی دعائیں مانگ رہے تھے۔ جوں ہی آپ ان کے پاس پہنچے، انھوں نے گلے لگا لیا اور پھر جلدی سے اپنے ساتھ لے کر آپ کی



والدہ کے پاس آئے تاکہ ان کو اطمینان دلا سکیں۔ (سیرۃ ابن ہشام، القسم الاول، ص ۱۶۶-۱۶۷)

حلیمہ سعدیہ کے پاس قیام کے دوران ایک اور بھی عجیب واقعہ پیش آیا جو مورخین نے بیان کیا ہے۔ جیسا کہ پہلے تذکرہ ہو چکا ہے، حضرت حلیمہ کے سپرد کرتے ہوئے سیدہ آمنہ نے اپنے بچے کے بارے میں کچھ خاص باتیں بھی انھیں بتائی تھیں۔ فرمایا: یہ کوئی عام بچہ نہیں ہے۔ اس کی حفاظت اور دیکھ بھال کا خاص اہتمام رکھنا۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق وہ ساری باتیں بتائیں جو رحم مادر میں قرار پکڑنے سے لے کر ان کی پیدائش اور مابعد تک انھوں نے خود دیکھیں اور محسوس کیں۔ ساتھ ہی کہا کہ یہ ایک راز ہے جو میں تجھے بتا رہی ہوں اور حلیمہ کا بھی کمال ہے کہ انھوں نے اس راز کو راز ہی رکھا۔

### شیاطین کا شر اور اللہ کی حفاظت

ایک مرتبہ قبیلہ بنو سعد کے پاس سے کچھ یہودی اور بعض روایات کے مطابق عیسائی قافلوں کا گزر ہوا تو انھوں نے وہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا۔ انھوں نے آپس میں کہا کہ آؤ اس بچے کو قتل کر ڈالیں۔ لیکن ان ہی میں سے کچھ لوگوں نے پوچھا: یتیم ہو؟ یعنی کیا یہ بچہ یتیم ہے؟ حلیمہ سعدیہ بہت سمجھدار تھیں، فرمایا نہیں، میں اس کی ماں ہوں اور اپنے شوہر حارث کی طرف اشارہ کر کے بتایا کہ وہ اس کے باپ ہیں۔ انھیں معلوم تھا کہ انقلاب برپا کرنے والا بچہ جس کی عربوں کے ہاں پیدا ہونے کی بشارتیں دی گئی ہیں، یتیم ہوگا۔ جب حلیمہ نے ان کو ڈانٹ کر بتایا کہ یتیم نہیں ہے تو اس پر وہ اسلام دشمن نامراد ہو گئے اور آپس میں سرگوشیاں کرنے لگے: لو کان یتیم لقتلناہ، یعنی اگر یہ یتیم ہوتا تو ہم اسے قتل کر دیتے۔ جب وہ لوگ چلے گئے تو حلیمہ نے اللہ کا شکر ادا کیا اور اپنے دل میں کہا: قریب تھا کہ میں اپنی عظیم امانت کو ضائع کر بیٹھتی۔ اللہ نے اول تا آخر ہر قدم پر شیاطین کے شر سے اپنے محبوب کو محفوظ رکھا۔ سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم۔



## رضاعی بھائی کو بشارت

مورخ محمد بن اسحاق بیان کرتے ہیں کہ زمانہ رضاعت کے دوران آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک رضاعی بھائی نے آپ سے پوچھا: کیا آپ کے خیال میں کسی پیغمبر کی بعثت ہونے والی ہے؟ آپ نے فرمایا: ہاں اما والذی نفسی بیدہ لآخُذَنَّ بیدک یوم القیامۃ وَلَا عُرْفَنَّاكَ۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے روز قیامت میں تجھے پہچان لوں گا اور تیرا ہاتھ پکڑ لوں گا۔ گویا آپ نے نہ صرف اس بات کی تصدیق کی بلکہ یہ بھی بتا دیا کہ وہ مبعوث آپ ہی ہیں۔ ایک روایت کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے بعد ان کے یہ بھائی ایمان لے آئے اور کبھی کبھار فرط جذبات میں بیٹھ کر رونے لگتے تھے اور ان کی زبان پر بے ساختہ یہ الفاظ آجاتے تھے۔ انما ارجو ان یاخذ النبی علیہ السلام بیدی یوم القیامۃ۔ یعنی میرے پاس کوئی ذخیرہ اعمال تو نہیں ہے مجھے تو صرف یہی چیز امید بندھاتی ہے کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم روز قیامت میرا ہاتھ اپنے دست مبارک میں پکڑ لیں گے تو میری نجات یقینی ہو جائے گی۔ ایک روایت میں ان کے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کے دوران ایمان لانے کا تذکرہ بھی ہے اور ہمارے نزدیک زیادہ صحیح یہی ہے۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جس قبیلے میں بچپن گزارا وہ عرب کا سب سے زیادہ فصیح و بلیغ قبیلہ سمجھا جاتا ہے۔ اسی طرح قریش کی زبان بھی پورے عرب میں سکہ بند اور معیاری سمجھی جاتی تھی۔ آپ نے ارشاد فرمایا: انا افصحکم ایک روایت میں ہے انا افصح العرب لانی انا من قریش ولسانی لسان بنو سعد بن بکر۔ یعنی میں تم سب سے زیادہ فصاحت و بلاغت کا حامل ہوں یا میں تمام عربوں میں سب سے زیادہ فصیح و بلیغ ہوں کیونکہ ایک تو میں قریش میں سے ہوں اور دوسرے میری پرورش قبیلہ سعد بن بکر میں ہوئی ہے جو عربوں میں سب سے زیادہ فصیح سمجھے جاتے ہیں۔ (طبقات ابن سعد، ج ۱، ص ۱۱۳، سیرۃ ابن ہشام، القسم الاول،



### عظمت کا امین جوڑا

آپ کے رضاعی تعلق کے حوالے سے بہت سے ایمان افروز واقعات سیرت میں ملتے ہیں۔ اسامہ بن زید لیشی قبیلہ بنی سعد کے ایک بزرگ سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رضاعی ماں حلیمہ بنت عبد اللہ سعدیہ نبوت سے قبل آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مکہ آئیں۔ اس دور میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ شادی ہو چکی تھی اور اللہ نے اس جوڑے کو مال و دولت سے نوازا تھا۔ حلیمہ جب مکہ آئیں تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے ان کا استقبال کیا۔ ان کی مالی حالت بڑی پتلی تھی۔ انہوں نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ قحط سالی کی وجہ سے ان کے حالات بڑے پریشان کن ہیں۔ ان کے مویشی ہلاک ہو گئے ہیں اور زندگی گزارنا مشکل ہو گیا ہے۔ آپ نے انہیں تسلی دی اور ساتھ ہی حضرت خدیجہ سے مشورہ کیا۔ حضرت خدیجہ نے اپنی رضاعی ساس کو چالیس بکریاں دیں جنہیں دیکھ کر حلیمہ بہت خوش ہو گئیں۔ ساتھ ہی ساز و سامان اور خوراک سے لدا ہوا ایک اونٹ بھی پیش کیا، جس پر سوار ہو کر وہ بکریوں کے اس ریوڑ کے ساتھ اپنے قبیلے میں واپس آئیں۔ پورے قبیلے کو اندازہ ہوا کہ جو یتیم بچہ حلیمہ کے ہاں پرورش پاتا تھا، اس کا مقام و مرتبہ کتنا بلند و برتر ہے۔ خدیجہ رضی اللہ عنہا تیری عظمتوں کو سلام! یہ جوڑا ہر لحاظ سے عظیم تھا۔ یہ اللہ کا چنیدہ و برگزیدہ گھرانہ تھا۔

میری امی، میری امی

ایک اور واقعہ بھی یادگار ہے۔ اس کے مطابق محمد بن المنکدر کی ایک روایت مورخین نے بیان کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے: ایک خاتون دور رسالت میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ملنے کے لیے آئیں۔ اس خاتون نے آپ کو دودھ پلایا تھا۔ جب خاتون نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے حاضری کی اجازت مانگی تو آپ نے اجازت دی۔ جب وہ سامنے آئیں تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم ادب و احترام اور محبت کے ساتھ اٹھ کھڑے ہوئے اور آگے بڑھ کر استقبال کیا اور فرمایا:



اُمی، اُمی یعنی میری ماں میری ماں۔ پھر آپ نے اپنی چادر بچھائی جس پر وہ خاتون تشریف فرما ہوئیں۔ یہ تھیں حلیمہ سعدیہ۔ انسانی تاریخ کی عظیم مرضعہ! سید البشر کو دودھ پلانے کا شرف پانے والی!

نبی، صدیق اور شہید

عمر بن سعد نے ایک اور دل چسپ روایت بیان کی ہے جو بڑی ایمان افروز ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ ایک بار مدینہ منورہ میں ایک بوڑھی خاتون آئیں، یہ تھیں حلیمہ سعدیہ۔ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچیں تو آپ نے ان کے لیے اپنی چادر فرش پر بچھائی، ان کے سینے پر اپنا سر اور ہاتھ رکھ دیا اور ان کی جو بھی ضرورت تھی وہ پوری کر دی۔ پھر یہی خاتون سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس آئیں تو انہوں نے بھی نہایت ادب و احترام کے ساتھ انہیں اپنی چادر پر بٹھایا اور ان کی خدمت میں بہت کچھ پیش کیا۔ پھر وہی خاتون حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس بھی آئیں تو انہوں نے بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی طرح اپنی چادر بچھا کر ان کا استقبال کیا، پھر ان کی ہر ضرورت کو پورا کیا۔ راوی کی روایت سے یہ واضح نہیں ہوتا کہ یہ واقعہ تینوں شخصیات کے ساتھ بیک وقت پیش آیا تھا یا الگ الگ۔ ہمارے خیال میں یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دور ہی کی بات ہے کیونکہ آپ کی رحلت سے قبل سیدہ حلیمہ رضی اللہ عنہا وفات پا چکی تھیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

شیر خدا کی گواہی

اللہ کے نبی بارہا فرمایا کرتے تھے کہ فلاں کام کے لیے میں گیا، ابوبکر گیا اور عمر گیا۔ گویا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے صاحبین پر اتنا اعتماد تھا کہ آپ اپنے ساتھ ان کا تذکرہ فرمایا کرتے تھے۔ گویا آپ کو یہ یقین تھا کہ جو کچھ آپ کرتے ہیں، یہ دونوں حضرات بھی وہی کام کریں گے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت کے متعلق حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے جو روایت بیان کی ہے، وہ صحیح بخاری و صحیح مسلم میں موجود ہے۔ اس کے مطابق وہ بیان



کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو جب غسل دینے کے بعد تخت پر رکھا گیا تو لوگ بڑی تعداد میں ان کے گرد جمع ہو گئے۔ سبھی شہید محراب کے لیے دعائیں کر رہے تھے۔ میں بھی وہاں کھڑا دعا مانگ رہا تھا۔ اچانک میں نے محسوس کیا کہ کسی آدمی نے میرے کندھے پر ہاتھ رکھا ہے۔ میں نے دیکھا تو وہ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ تھے جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے لیے گڑ گڑا کر رحمت کی دعائیں مانگ رہے تھے۔ پھر فرمانے لگے: اے عمر! آپ نے اپنے بعد کوئی ایسا شخص نہیں چھوڑا کہ مجھے اُس جیسے عمل لے کر اللہ کے حضور حاضر ہونے کی خواہش ہو۔ خدا کی قسم! میں ہمیشہ یہی گمان کرتا تھا کہ اللہ تمہیں تمہارے دونوں ساتھیوں کے ساتھ رکھے گا۔ میں نے بارہا آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا: میں گیا اور ابو بکرؓ اور عمرؓ بھی گئے، میں داخل ہوا اور میرے ساتھ ابو بکرؓ و عمرؓ بھی داخل ہوئے، میں نکلا اور ابو بکرؓ و عمرؓ بھی نکلے۔ (متفق علیہ، ابی ملیکہ، عن ابن عباسؓ)

### سیرتِ طیبہ بحرِ زخار

ہم آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بچپن کے واقعات بیان کر رہے ہیں، لیکن اس کے ساتھ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت، ہجرت اور فتوحات کے بعد کے ادوار کی کچھ متعلقہ باتیں بھی یہاں لکھی جا رہی ہیں۔ دراصل تمام ہی مورخین نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بچپن کے واقعات لکھتے ہوئے ان واقعات کا بھی تذکرہ کیا ہے۔ ہم نے بھی انھی کو نظیر بنا کر یہاں یہ واقعات لکھ دیے ہیں، اگرچہ یہ حاشیے میں لکھے جانے چاہئیں۔ تاہم ان واقعات کے بیان سے کوئی پیچیدگی یا مشکل قاری کو پیش نہیں آئے گی۔ بلکہ ہمارے خیال میں ایک موضوع کے متعلق وہ کوئی تشنگی محسوس نہ کرے گا۔ (ان شاء اللہ)۔ سیرتِ طیبہ بہت جامع موضوع بلکہ بحرِ زخار ہے اور اس کی غواصی مشکل کام، مگر نہایت پر لطیف و ایمان پرور مشغلہ ہے۔ ہر واقعہ ہی بے مثال و بے نظیر ہے۔

ایک مشہور واقعہ غزوہ حنین کی فتح کے بعد کا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو ہوازن کا مقابلہ کیا تو بڑی مشکل کے بعد ان پر فتح پائی۔ فتح کے بعد جب مالِ غنیمت ہاتھ آیا تو آنحضور صلی



اللہ علیہ وسلم نے اس کی تقسیم میں کافی تاخیر کی۔ آپ کا خیال تھا کہ بنو ہوازن ان کے رضاعی رشتہ دار ہیں اس لیے ہو سکتا ہے کہ وہ آجائیں، لیکن جب وہ نہ آئے تو آپ نے بادلِ نخواستہ مالِ غنیمت تقسیم کر دیا۔ مالِ غنیمت تقسیم ہونے کے بعد جب ان کا وفد آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سوچا کہ اب اپنے رضاعی رشتہ داروں سے کیسے معاملہ کیا جائے۔ واقعہ اور ابن ہشام نے اس حوالے سے لکھا ہے کہ فتح کے بعد کچھ لوگوں کا مطالبہ تھا کہ آنحضور اب مالِ غنیمت تقسیم فرمائیں۔ بالخصوص وہ بدوی قبائل جو صرف مالِ غنیمت کے حصول کے لیے شریک جنگ تھے، بار بار اور بااصرار یہ مطالبہ دہرا رہے تھے۔ چونکہ آپ کی رضاعی ماں حضرت حلیمہ سعدیہ کا تعلق بھی ہوازنی قبائل سے تھا اور آپ چاہتے تھے کہ اپنے رضاعی ننھیال کے ان لوگوں سے حسن سلوک فرمائیں مگر کسی آدمی نے آپ سے مطالبہ نہ کیا کہ انھیں آزاد کر دیا جائے۔ ایک مہینے تک آپ نے اسی لیے توقف کیا تھا کہ کوئی درخواست کرے اور آپ اسے مان لیں۔ جب ایک مہینے بعد آنحضور نے قیدی لوگوں کے درمیان تقسیم کر دیے تو بنو ہوازن کا ایک وفد آنحضور کی خدمت میں حاضر ہوا اور مطالبہ کیا کہ جنگی قیدیوں کو آزاد کر دیا جائے۔ آپ نے تمام لوگوں کو حکم دیا کہ وہ تمام جنگی قیدیوں کو آزاد کر دیں۔ چنانچہ آپ کے حکم پر سب جنگی قیدی آزاد کر دیے گئے۔ پوری تفصیلات مع حوالہ جات آگے آئیں گی۔

### آنحضور کی رضاعی بہن

ان گرفتار ہونے والے لوگوں میں آپ کی رضاعی بہن شیماء بنت الحارث بھی شامل تھی۔ گرفتاری کے وقت بھی اس نے لوگوں سے کہا تھا کہ ہمارے ساتھ سختی مت کرو، میں رسول اللہ کی بہن ہوں مگر لوگوں نے اس کی بات کو تسلیم نہ کیا۔ جب وہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آئی تو کہا: یا رسول اللہ میں آپ کی رضاعی بہن ہوں۔ آپ پہلی نظر میں اسے پہچان نہ سکے تو فرمایا: کیا میری بہن ہونے کی کوئی نشانی تمہارے پاس ہے؟ تو اس نے کہا: جی ہاں، آپ کو یاد ہوگا کہ میں بکریاں چراتے ہوئے آپ کو اپنی پشت پر اٹھاتی تھی۔ آپ نے ایک



روز میری پشت پر دانت سے مجھے کاٹا تھا، اس کا نشان بھی موجود ہے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یاد آیا تو آپ ایک دم اٹھ کھڑے ہوئے۔ فوراً اپنی چادر اس کے لیے بچھا دی اور کہا: میری پیاری بہنا اس چادر پر بیٹھ جاؤ۔ بچپن کے واقعات کو یاد کر کے آپ کی آنکھیں اشک بار ہو گئیں۔ آپ اپنی بہن کی خدمت میں لگ گئے، پھر پوچھا کہ میرے ماں باپ کا کیا حال ہے؟ شیمانے کہا کہ وہ مرتے وقت بھی آپ کو یاد کرتے تھے۔ یہ سن کر آپ کا جی بھرا آیا اور بے ساختہ آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ پھر آپ نے اپنی بہن سے کہا کہ میرے ساتھ رہنا چاہو تو مجھے بڑی خوشی ہوگی اور اگر اپنی قوم میں جانا چاہو تو تمہیں اختیار ہے۔ اس نے اسلام قبول کیا اور کہا: میں اپنی قوم میں واپس جانا چاہتی ہوں۔ آپ نے اپنی بہن کو بہت سارے اونٹ اور بکریاں عطا کیں۔ پھر ایک غلام اور لونڈی بھی عطا کی اور ان دونوں کی آپس میں شادی کر دی اور فرمایا کہ یہ دونوں بھی تمہاری خدمت کریں گے۔ آپ کی رضاعی بہن تو ہوازن کے وفد کی آمد سے قبل ہی آپ کے حکم کے تحت آزاد کر دی گئی تھیں۔ جب وفد حاضر خدمت ہوا تو سب کی آزادی کا اہتمام ہوا اور اس کے بعد تمام قیدی عزت و اکرام کے ساتھ گھروں کو واپس بھیجے گئے۔ (تفصیلات کے لیے دیکھیے مغازی للواقدی ج ۳، ص ۹۱۳-۹۱۴۔ سیرت ابن ہشام مجموعہ ج ۳-۴، ص ۴۵۸)

### صحابہ کی شانِ تسلیم و رضا

نبی اکرمؐ نے طائف سے واپسی پر الجعرا نہ پہنچ کر مالِ غنیمت کے بارے میں منادی کرائی اور فرمایا کہ کوئی مجاہد مالِ غنیمت میں سے اس کی تقسیم سے قبل کوئی چھوٹی بڑی چیز نہ لے۔ اس دوران حضرت عقیل بن ابی طالب اپنی بیوی کے پاس خیمے میں آئے۔ ان کے پاس اس وقت ایک سوئی تھی۔ انہوں نے وہ سوئی اپنی بیوی کو دے دی کہ کپڑے سینے کے کام آئے گی لیکن جب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے منادی نے اعلان فرمایا تو حضرت عقیل اپنی بیوی کے پاس واپس آئے اور کہا کہ وہ سوئی مجھے دے دو۔ اللہ کے رسولؐ نے مالِ غنیمت میں سے کوئی چیز لینے سے منع کیا ہے۔ سوئی لا کر



انہوں نے مالِ غنیمت کے ڈھیر میں پھینک دی۔ حضرت عبداللہ بن زید المزنی نے جنگ کے دوران ایک مشرک کی کمان لے لی تھی جو بہت کڑی اور قیمتی تھی۔ انہوں نے اسے جنگ میں استعمال بھی کیا تھا۔ جب انہوں نے یہ اعلان سنا تو انہوں نے بھی اسے مالِ غنیمت میں واپس رکھ دیا۔ ایک شخص کے پاس سوت کا ایک گولا تھا، اعلان سننے کے بعد اس نے بھی وہ واپس کر دیا۔ اسی طرح کے کئی اور تفصیلی واقعات بھی بیان کیے گئے ہیں، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرام کس طرح ارشادِ نبویؐ پر سر تسلیم خم کر دیتے تھے۔ (ان واقعات کا تذکرہ ہم نے اپنی کتاب رسول رحمت تلواروں کے سائے میں، جلد چہارم، ص ۲۳۱ میں کیا ہے مزید تفصیلات البدایة والنہایة ج ۱، ص ۸۶۸-۸۹۰۔ مغازی للواقدی ج ۳، ص ۹۱۸-۹۲۵۔ سیرة ابن ہشام مجموعہ ج ۳-۴، ص ۴۹۲ میں دیکھی جاسکتی ہیں)





## آنحضورؐ کا رضاعی گھرانہ

تیری نسبت نے ذروں کے مقدر چمکائے

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے رضاعی خاندان کو آپ سے نسبت کی وجہ سے جو مقام ملا وہ عرب قبائل میں کم ہی کسی خاندان کو نصیب ہوا ہوگا۔ یہ بنو سعد کا ایک عام سا گھرانہ تھا، جس کی اخلاقی خوبیاں تو بہر حال مسلم ہیں، مگر مالی اور قائدانہ پیمانوں سے جو عربوں کے ہاں اصل پیمانے تھے، ان کی کوئی بڑی حیثیت نہ تھی۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گود لیتے ہی ارضی و سماوی نعمت ہائے ربانی نے اس گھر کی طرف رخ کیا۔ یہ واقعات آپ کے ابتدائی ایام میں حضرت حلیمہؓ کے مکہ آنے اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو رضاعت میں لینے کے ساتھ ہی حاصل ہونے والی برکات کے بیان میں گزر چکے ہیں، مگر یہیں تک بس نہیں، آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نسبت نے ان کو ہر گام پہ چار چاند لگائے۔ آمنہ کا لعل تو اللہ کا محبوب تھا، جو اس کا ہو گیا، شانِ عالی پر فائز ہو گیا۔ درّ یتیم نے ذروں کے مقدر چمکادے۔ اس عالی مقام ہستی سے نسبت ہی ہم ناچیزوں کا سرمایہ وسہارا ہے۔

سب سے بڑا انعام

اسلام اور ایمان سے بڑی کوئی نعمت نہیں ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی ایسی عطا ہے جس کا جتنا بھی شکر ادا کیا جائے کم ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ جس بندے کے ساتھ بھلائی کرنا چاہتا ہے اس کے سینے کو اسلام کے لیے کھول دیتا ہے۔ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

أَوْ مَنْ كَانَ مَيِّتًا فَأَحْيَيْنَاهُ وَجَعَلْنَا لَهُ نُورًا يَبْشُرُ بِهِ فِي النَّاسِ كَمَنْ مَثَلُهُ فِي



الظُّلْمِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا ۗ كَذٰلِكَ زُيِّنَ لِلْكَافِرِيْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۲﴾  
(الانعام ۶: ۱۲۲)

کیا وہ شخص جو پہلے مردہ تھا پھر ہم نے اسے زندگی بخشی اور اس کو وہ روشنی عطا کی جس کے اجالے میں وہ لوگوں کے درمیان زندگی کی راہ طے کرتا ہے، اس شخص کی طرح ہو سکتا ہے جو تاریکیوں میں پڑا ہوا ہو اور کسی طرح ان سے نہ نکلتا ہو۔ کافروں کے لیے تو اسی طرح ان کے اعمال خوش نما بنا دیے گئے ہیں۔

اسی مضمون کو دو آیات کے بعد پھر اللہ تعالیٰ نے مزید تشریح کرتے ہوئے انسانوں کو یوں متوجہ کیا ہے:

فَمَنْ يُرِدِ اللهُ اَنْ يُهْدِيَهُ يَشْرَحْ صَدْرَهُ لِلْاِسْلَامِ ۗ وَ مَنْ يُرِدْ اَنْ يُضِلَّهُ يَجْعَلْ صَدْرَهُ ضَيِّقًا حَرَجًا كَانَّمَا يَصْعَدُ فِي السَّمٰوٰتِ ۗ كَذٰلِكَ يَجْعَلُ اللهُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۲۵﴾ وَ هٰذَا صِرَاطٌ رَبِّكَ مُسْتَقِيْمًا ۗ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَذَّكَّرُوْنَ ﴿۱۲۶﴾ لَهُمْ دَارُ السَّلٰمِ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَ هُوَ وَاٰلِهِمْ بِهَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۷﴾ (الانعام ۶: ۱۲۵-۱۲۷)

پس (یہ حقیقت ہے کہ) جسے اللہ چاہے اسے اپنے دل کو کھول دیتا ہے اور جسے گمراہی میں ڈالنے کا ارادہ کرتا ہے اس کے سینے کو تنگ کر دیتا ہے اور ایسا بھیجتا ہے کہ (اسلام کا تصور کرتے ہی) اسے یوں معلوم ہونے لگتا ہے کہ گویا اس کی روح آسمان کی طرف پرواز کر رہی ہے۔ اس طرح اللہ (حق سے فرار اور نفرت کی) ناپاکی ان لوگوں پر مسلط کر دیتا ہے جو ایمان نہیں لاتے، حالانکہ یہ راستہ تمہارے رب کا سیدھا راستہ ہے اور اس کے نشانات ان لوگوں کے لیے واضح کر دیے گئے ہیں جو نصیحت قبول کرتے ہیں۔ ان کے رب کے پاس ان کے لیے سلامتی کا گھر ہے اور وہ (خود) ان کا



سرپرست، اس صحیح طرز عمل کی وجہ سے جو انہوں نے اختیار کیا۔

ان آیات میں کفر و اسلام اور ردّ و قبول، دونوں کیفیتوں کو بہت دل نشین انداز میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے واضح کیا ہے۔ مکہ معظمہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد و نواح میں کتنے لوگ تھے جو اس نور ربانی سے محروم رہے اور در دراز سے آنے والے کتنے لوگ تھے جو اس چشمہ صافی سے سیراب ہوئے اور جنت کے وارث بنے۔ ماہر القادریؒ اپنی ایک نعت میں فرماتے ہیں:

اک وہ بھی مقدر ہوتا ہے، اک ایسی بھی قسمت ہوتی ہے

بوجہل یونہی رہ جاتا ہے، بوزرّ کو ہدایت ہوتی ہے

صحابیہ رسول حلیمہ سعدیہؓ

سیدہ حلیمہ سعدیہ نبوت سے قبل اور نبوت کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کئی مرتبہ آئیں۔ وہ جب بھی آئیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کا اس سے بھی زیادہ احترام کرتے، جس طرح کوئی سعادت مند بیٹا اپنی حقیقی ماں کا احترام کرتا ہے۔ اسی طرح اپنے رضاعی باپ کا بھی آپ کے دل میں بڑا مقام تھا، رضاعی بہن بھائیوں سے آپ کی محبت مثالی تھی۔ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جب ان کی رضاعی ماں حلیمہ سعدیہ آئیں تو آپ خوشی سے پھولے نہیں سمارے تھے۔ یہ وہ دور تھا جس میں اللہ نے آپ کو وحی کی دولت سے سرفراز فرما دیا تھا۔ آپ نے انہیں دیکھتے ہی اُمّی اُمّی۔ میری ماں میری ماں کہا اور ان سے لپٹ گئے۔ (السیرة الحلبيّة، ج ۱، دارالکتب العلمیہ بیروت، ص ۱۵۱، ۱۵۳)۔ سیدہ حلیمہ کو اللہ تبارک و تعالیٰ نے ایمان کی نعمت سے مالا مال کیا۔ وہ صحابیات کی جماعت عالی مقام میں شامل ہیں۔ مورخین میں سے ابن کثیر نے رائے ظاہر کی ہے کہ مائی حلیمہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت سے قبل وفات پا گئی تھیں، لیکن یہ بات درست نہیں ہے۔ دیگر تمام مستند مورخین نے ان کے قبول اسلام کی تائید میں دلائل و واقعات لکھے ہیں۔



## علامہ شبلی کی تحقیق

علامہ شبلی نعمانی نے اپنی مشہور زمانہ کتاب سیرت النبیؐ میں اپنی تحقیق کا نچوڑ ان الفاظ میں بیان کیا ہے: ”حضرت حلیمہ کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بے انتہا محبت تھی، عہد نبوت میں جب وہ آپ کے پاس آئیں تو آپ میری ماں میری ماں کہہ کر لپٹ گئے، یہ دل چسپ واقعات آگے آئیں گے۔ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ حضرت حلیمہؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت سے پہلے وفات پا گئیں، لیکن یہ صحیح نہیں ہے، ابن ابی خیشمہ نے تاریخ میں، ابن جوزی نے حدا میں، منذری نے مختصر سنن ابی داؤد میں، ابن حجر نے اصابة میں ان کے اسلام لانے کی تصریح کی ہے، حافظ مغلطائی نے ان کے اسلام پر ایک مستقل رسالہ لکھا ہے، جس کا نام التحفة الجسيمة فی اثبات اسلام حلیمہ ہے۔“

حضرت حلیمہ کے شوہر یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے رضاعی باپ کا نام حارث بن عبدالعزیٰ ہے، وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد مکہ میں آئے اور اسلام قبول کیا۔ حارث آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تو پوچھا کہ یہ تم کیا کہتے ہو؟ کیا یہ معبودان اور اصنام توڑ دیے جائیں گے اور جو لوگ تم پر ایمان نہ لائیں گے وہ جہنم میں جلائے جائیں گے؟ آپ نے فرمایا: ہاں! وہ دن آئے گا کہ میں آپ کو دکھا دوں گا کہ میں سچ کہتا تھا۔ اس گفتگو کے بعد حارث مسلمان ہو گئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چار رضاعی بھائی بہن تھے، جن کے نام یہ ہیں، عبداللہ، انیسہ، حذیفہ، اور حذافہ، جو شیمان کے لقب سے مشہور تھیں، ان میں عبداللہ اور شیمان کا اسلام لانا ثابت ہے، باقیوں کا حال معلوم نہیں۔“ (سیرة النبیؐ، حصہ اول، ص ۱۲۳، بحوالہ زرقانی جلد اول، ص ۱۶۶، الاصابة فی تمیز الصحابة، ج ۱، مطبوعہ بیروت، ص ۲۸۳)

## جنت کے امیدوار

حضرت حلیمہؓ کے شوہر اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے رضاعی باپ حارث بن عبدالعزیٰ کے بارے میں حافظ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت سے قبل



مکہ میں آئے تھے اور آپ سے سوال و جواب کیے تھے۔ اس دور میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف قریش نے زبردست مہم چلا رکھی تھی اور اس کے منفی اثرات کے ساتھ ساتھ یہ مثبت نتائج بھی برآمد ہو رہے تھے کہ عرب کے کم و بیش تمام قبائل میں آپ کا تعارف پہنچ چکا تھا۔ کئی لوگ اسی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ملے اور ان میں سے اکثر کو اللہ تعالیٰ نے منزل سے ہم کنار کر دیا۔ حارث بھی جب مکہ میں آئے تو ابن حجر عسقلانی کے مطابق قریش کے لوگوں نے انہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ملنے سے قبل کہا کہ اے حارث! کیا تو نے سنا نہیں کہ تیرا رضاعی بیٹا کیا کہتا ہے؟ انہوں نے پوچھا کیا کہتا ہے؟ تو کہنے لگے: وہ تبلیغ کرتا ہے کہ تمام لوگ موت کے بعد پھراٹھائے جائیں گے۔ پھر ان میں سے کچھ جنت میں جائیں گے اور کچھ آگ میں جلیں گے۔ جنت میں جانے والے وہ ہوں گے جو اس پر ایمان لاتے ہیں اور جو اس کا انکار کریں وہ آگ کا ایندھن بنیں گے۔ چونکہ عربوں کے ہاں بعثت بعد الموت پر اکثریت کا ایمان نہیں تھا، اس لیے حارث کو بھی یہ بات عجیب لگی۔

جب وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ملے تو ان سے کہا: اے پیارے بیٹے! یہ میں نے تمہاری قوم سے کیا سنا ہے کہ تم مرنے کے بعد دوبارہ انسانوں کے اٹھائے جانے کی تبلیغ کرتے ہو؟ آپ نے فرمایا: بالکل میں ایسا ہی کہتا ہوں اور یہ وہ دن ہوگا جس دن میں آپ کو آپ کے ہاتھ سے پکڑ لوں گا اور آپ سے آپ کی اس بات کا تذکرہ کروں گا۔ فاسلم الحارث بعد ذلک وحسن اسلامہ وکان يقول: سیاخذ ابنی بیدی لم یرسلنی حتی یدخلنی الجنة۔ پس حارث نے یہ سن کر اسلام قبول کر لیا اور ان کا طرز عمل انتہائی قابل تحسین تھا۔ وہ کہا کرتے تھے: میرا بیٹا مجھے میرے ہاتھ سے پکڑ لے گا اور اس وقت تک نہیں چھوڑے گا جب تک مجھے جنت میں داخل نہ کر دے۔ گویا قبول اسلام کے بعد اب حارث کی اصل تمنا یہی تھی کہ روزِ حشر شفاعت نبویؐ کے مستحق ٹھہریں اور جنت میں داخلہ مل جائے۔ (الاصابة فی

تمییز الصحابة، ج ۱، مطبوعہ بیروت، ص ۲۸۳)



## خوشی کے آنسو

اسحاق بن عبداللہ کے حوالے سے ابن حجر مزید لکھتے ہیں کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رضاعی رشتہ داروں کو خوش خبریاں دیتے ہوئے کئی مرتبہ ان کے جنتی ہونے کی تائید فرمائی۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے رضاعی بھائی عبداللہ بن حارث جب آپ سے ملے اور اسلام قبول کیا تو ان سے بھی آپ نے فرمایا: فوالذی نفسی بیدہ لاخذن بیدک یوم القیامۃ ولا عرفنک۔ ”پس اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے میں ضرور قیامت کے دن تیرا ہاتھ پکڑوں گا اور تجھے پہچان بھی لوں گا اور تجھے یہ بات بھی ضرور یاد کراؤں گا۔“ حضرت عبداللہ اپنے آخری ایام میں اپنی مجلس میں بیٹھے بیٹھے اس واقعہ کو بیان کرتے تو وہ فرط جذبات سے رونے لگتے اور پھر کہتے: انا ارجوا ان یاخذنی النبی صلی اللہ علیہ وسلم بیدہ یوم القیامۃ۔ میں اس امید پر جی رہا ہوں کہ قیامت کے دن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میرا ہاتھ پکڑیں گے۔ (الاصابة فی تمیز الصحابة، ج ۱، م بیروت، ص ۲۸۳)۔ قیامت کے روز جس کا ہاتھ حبیب کبریٰ صلی اللہ علیہ وسلم پکڑیں گے، اس کے جنتی ہونے میں کسی کافر ہی کو شک ہو سکتا ہے۔

## شیماء کے اشعار

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے رضاعی بہن بھائیوں کے جو نام تاریخ میں آئے ہیں ان میں عبداللہ کے علاوہ حذیفہ کا نام آتا ہے۔ جبکہ دو بہنیں تاریخ میں مذکور ہیں انیسہ اور شیماء جن کا اصلی نام حذافہ بھی بیان ہوا ہے۔ ان میں سے عبداللہ کے قبول اسلام کا تذکرہ اوپر ہو چکا ہے۔ شیماء کا قبول اسلام بھی ثابت ہے۔ باقیوں کے بارے میں تاریخ خاموش ہے۔ شیماء کے قبول اسلام کا تذکرہ قدرے تفصیل کے ساتھ ہو چکا ہے۔ بچپن میں جب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم بنو سعد میں بھیجے گئے تھے تو شیماء آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اٹھالیتی تھیں اور ان شعروں کے ساتھ آپ کو محفوظ کرتی تھیں:



هذا اخ لي لم تلد امي

وليس من نسل أبي و عمي

فانمه اللهم فيما تنمي

یہ میرا بھائی ہے اگرچہ میری ماں نے اسے جنم نہیں دیا، نہ ہی میرے والد اور چچا کی نسل

سے ہے۔ پس اے میرے پروردگار! اسے خوب پھلتا پھولتا اور بڑا ہوتا دکھا۔ (السیرة

الحلبیة، ج ۱، دارالکتب العلمیہ بیروت، ص ۱۵۰)





## سیدہ آمنہ کا سانحہ ارتحال

### اطمینان اور خلش

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رضاعی والدین کے پاس تقریباً ساڑھے چار یا پانچ سال کی عمر تک رہے۔ اس عرصے میں آپ وہاں بہت سے تجربات سے گزرے۔ صحرا میں اپنے بہن بھائیوں کے ساتھ بکریاں چرانا، جنگلی اور صحرائی جھاڑیوں اور درختوں سے پھل کھانا، مختلف قسم کے کھیل کود اور دوڑ میں حصہ لینا، اس کے ساتھ فصیح عربی زبان میں مہارت اس دور کے خاص واقعات ہیں۔ آپ کے رضاعی والدین اور بہن بھائی آپ سے بے پناہ محبت کرتے تھے اور آپ کی غیر معمولی صفات کی وجہ سے آپ کا احترام بھی ملحوظ رکھتے تھے۔ بعد کے زمانے میں بچپن کے کئی واقعات آپ کے بہن بھائیوں نے بیان کیے اور خود آپ نے بھی ان کا تذکرہ فرمایا۔ جب آپ کی رضاعی والدہ حلیمہ سعدیہ آپ کو آپ کی والدہ اور دادا کے سپرد کر کے گئیں تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یک گونہ اطمینان تھا کہ دادا کی بے مثال شفقت و سرپرستی اور ماں کی مامتا کی نعمت حاصل ہوئی ہے۔ اسی طرح حلیمہ بھی مطمئن تھیں کہ ایک عظیم ذمہ داری سے نہایت کامیابی کے ساتھ سرخرو ہوئی ہیں۔ تاہم یہ بھی حقیقت ہے کہ دونوں ماں بیٹے نے ایک دوسرے کی جدائی کو محسوس کیا۔

### آنکھوں کا تارا

دوسری جانب سیدہ آمنہ کو اپنے دریتیم کی گھر واپسی پر جو خوشی تھی اس کو الفاظ میں کوئی کیسے بیان کر سکتا ہے۔ ظاہر ہے کہ وہ روز و شب اور لمحات و ساعات ان کی زندگی کا خوش گوار ترین تجربہ



تھا۔ اسی طرح ننھے محمد بن عبد اللہ کے والد کا سایہ شفقت اگرچہ سر پر نہیں تھا، مگر ماں کی مامتا کا کوئی بدل نہیں ہوتا۔ وہ آپ کو حاصل تھی۔ اس کے ساتھ سید قریش جناب عبدالمطلب کی سرپرستی اور پیار و محبت بے مثال تھا۔ یہی نہیں آپ کے چچا اور پھوپھیاں بھی آپ کو جب تک دیکھ نہ لیتیں انھیں چین نہ آتا۔ اس خاندان میں یہ بچہ ہر شخص کے نزدیک اس کی آنکھوں کا تارا تھا۔ ماں اور بیٹا رات کو جب سوتے تو ایک دوسرے کو کہانیاں سناتے اور خوشی خوشی نیند کی آغوش میں چلے جاتے۔ اگلا دن طلوع ہوتا تو ماں کو اپنے بیٹے کی وجہ سے یوں ہی محسوس ہوتا کہ وہ دنیا کی سب سے خوش نصیب خاتون ہے۔ اس میں شک بھی کیا ہے۔ آمنہ کا در یتیم اس کائنات کا حاصل اور تخلیق رب ذوالجلال کا شاہکار ہے۔ خوشیوں کے یہ دن زیادہ طویل ثابت نہ ہوئے۔ اللہ تعالیٰ کی اپنی مشیت اور رضا ہوتی ہے کہ وہ کب کیا فیصلہ صادر کرے۔

### یثرب کا سفر

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر چھ سال کے قریب تھی کہ آپ کی والدہ نے مدینہ جانے کا فیصلہ کیا۔ عبدالمطلب سے اجازت طلب کی اور کہا کہ میں چاہتی ہوں محمد کے ساتھ آپ کے ننھیال جاؤں اور ان سے ملاقات کروں۔ ساتھ ہی میری یہ خواہش ہے کہ میں اپنے خاوند، اور میرا بیٹا اپنے والد کی قبر کی زیارت کر سکیں۔ انھوں نے اجازت دے دی تو اپنی کنیز ام ایمن کے ساتھ مدینہ روانہ ہوئیں۔ ان کے پاس سواری کے لیے دو اونٹ تھے۔ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا پہلا سفر مدینہ تھا۔ اس سفر میں آپ کی والدہ کی مامتا اور محبت آپ پہ سایہ کیے ہوئے تھی۔ اس وقت کون جانتا تھا کہ ۷۴ سال بعد پھر اس در یتیم کو مدینہ کا ایک سفر درپیش ہوگا اور اس سفر میں اللہ تعالیٰ کی بے پایاں رحمتیں سر پہ سایہ فگن ہوں گی۔ ام ایمن تو اس سفر میں ساتھ نہ ہوں گی البتہ افضل البشر بعد الانبیاء، ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ہم قدم وہم راز ہوں گے۔

یثرب (مدینہ) کا یہ سفر مکمل ہوا تو سیدہ آمنہ بنو نجار کے ہاں پہنچیں۔ اس خاندان بلکہ پورے قبیلے نے ان مہمانان عزیز کے قدموں میں دیدہ و دل فرس راہ کیے۔ بنو نجار آنحضرت صلی اللہ



علیہ وسلم کے دادا جناب عبدالمطلب کے ننھیال تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے والد جناب عبد اللہ کی قبر مدینہ منورہ میں تھی۔ یہ بنو نجار کے ایک مشہور آدمی نابغہ کے صحن کے ایک جانب تھی۔ سیدہ آمنہ اسی گھر میں آ کر ٹھہریں۔ اس گھر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی والدہ کے ساتھ تقریباً ایک مہینہ مقیم رہے۔ ام ایمن بھی وہیں مقیم رہیں۔ اس عرصے میں آنحضرت بنو نجار کے محلے میں اپنے ہم عمر بچوں اور بچیوں کے ساتھ خوب گھومتے پھرتے اور کھیلتے تھے۔

### بچپن کی حسین یادیں

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کبھار اپنے بچپن کے واقعات صحابہ کے سامنے پیش کرتے تو مجلس میں عجیب کیفیت طاری ہو جاتی۔ جب آپ ہجرت کر کے مدینہ آئے اور بنو عدی بن نجار کا وہ بہت بڑا محل دیکھا تو آپ نے پہچان لیا اور فرمایا کہ میں یہاں پر اپنی ایک رشتہ دار لڑکی انیسہ کے ساتھ کھیلا کرتا تھا۔ پھر فرمایا کہ اس محل کی منڈیر پر ایک چڑیا بار بار آ کر بیٹھا کرتی تھی۔ میں اپنے ہم عمر ننھیالی لڑکوں کے ساتھ اس چڑیا کو اڑایا کرتا تھا۔ لیکن وہ پھر وہاں آ کر بیٹھ جاتی تھی۔ وہ چڑیا بھی جانتی ہوگی کہ یہ مہمان کوئی عام بچہ نہیں، یہ سید البشر ہے۔ ہجرت کے بعد یہ گھر دیکھتے ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فوراً کہا کہ میری والدہ مجھے اور ام ایمن کو لے کر یہیں آ کے اتری تھیں۔ یہیں میرے والد گرامی قدر کی قبر ہے۔ پھر آپ نے فرمایا کہ میں بنو نجار کے لڑکوں کے ساتھ ان کے ایک تالاب میں نہایا کرتا تھا اور اسی عمر میں میں نے تیرا کی سیکھی تھی۔

### یادگار گفتگو

ایک بڑی عجیب بات مورخین نے اس حوالے سے نقل کی ہے۔ ابن سعد کے بقول ام ایمن نے فرمایا کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتی رہتی تھی کہ وہ کہیں دور نہ نکل جائیں۔ میں نے ایک دن دیکھا کہ کچھ یہودی ادھر آئے اور انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کھیلتے ہوئے دیکھا۔ میں نے ان کا کلام سنا، وہ آپس میں کہہ رہے تھے کہ یہ لڑکا اس امت کا پیغمبر ہے اور یہی بستی اس کا دارالہجرت ہوگی۔ ام ایمن نے یہ سب باتیں یاد رکھیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی



نبوت کا اعلان ہونے کے بعد مختلف مواقع پر بیان کیں۔

### سیدہ آمنہ کا سانحہ ارتحال

مدینہ میں کم و بیش ایک مہینے کے قیام کے بعد جب سیدہ آمنہ اپنی کنیز اور بیٹے کے ساتھ مکہ کی طرف چلیں تو ان کے رشتہ داروں نے بڑے ادب و احترام کے ساتھ ان کو رخصت کیا۔ انہوں نے سیدہ آمنہ کو کئی تحفے دیے اور ان خواہشات کا اظہار کیا کہ وہ ان کی آئندہ مدینہ آمد کے منتظر رہیں گے۔ اس قافلے کے پاس مکہ سے چلتے ہوئے جو دو اونٹ تھے، وہی اب بھی ان کی سواری میں تھے۔ یہ مختصر اور قدسی قافلہ ابوا کی بستی میں پہنچا جو مدینہ سے مکہ جاتے ہوئے راستے میں پڑتا ہے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ کی طبیعت اچانک ناساز ہوئی اور وہیں ان کا انتقال ہو گیا۔ ام ایمن اور محمد بن عبد اللہ پر قیامت ٹوٹ پڑی۔ ننھے محمد قطری طور پر فرط غم سے رونے لگے۔ ام ایمن کی اپنی کیفیت بھی بہت ناگفتہ بہ تھی۔ اس کے باوجود اس باسلیقہ خاتون نے معصوم بچے کی دل جوئی کی خاطر بہت ضبط سے کام لیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت زیادہ پیارا اور تسلی دی۔

(طبقات ابن سعد، ج ۱، ص ۱۱۶)

### در یتیم ماں کی قبر پر

ام ایمن اگرچہ بالکل نو عمر تھیں، مگر بہت سمجھ دار اور دانش مند خاتون تھیں۔ انہوں نے ابوا کے لوگوں کو اپنے قافلے کا تعارف کرایا اور وہیں سیدہ آمنہ کے کفن و دفن کا انتظام کروایا۔ سیدہ آمنہ ابوا ہی میں دفن ہوئیں۔ ان کی قبر اب بھی موجود ہے۔ ایک بار مدینہ سے مکہ جاتے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ابوا کے مقام پر ر کے اور ایک قبر کے قریب جا کر بیٹھ گئے۔ سبھی صحابہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کیفیت دیکھ کر تڑپ اٹھے۔ اس موقع پر تمام صحابہ خاموش تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان، آپ کیوں رورہے ہیں؟ آپ نے فرمایا: یہ میری والدہ ماجدہ کی قبر ہے۔ میں نے اللہ تعالیٰ سے قبر کی زیارت کے لیے اجازت مانگی تو اللہ نے اجازت دے دی۔ پھر میں نے مغفرت کے لیے دعا کرنے کی درخواست



کی تو اللہ تعالیٰ نے درخواست قبول نہ کی۔ مجھے اپنی والدہ یاد آئیں تو مجھ پر رقت طاری ہو گئی اور میں بے ساختہ رونے لگا۔ جب صحابہ نے یہ سنا تو اتنے روئے کہ روایات کے مطابق کسی اور دن اتنے نہیں روئے۔ (مسلم، کتاب الجنائز، حدیث ۱۰۸، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ و مسند احمد میں بھی یہ حدیث موجود ہے۔ طبقات ابن سعد، ج ۱، ص ۱۱۶-۱۱۷)

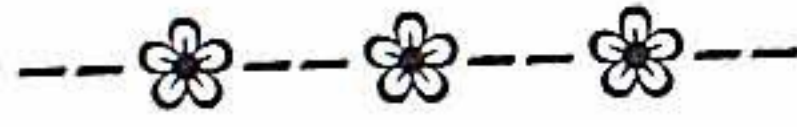
### ایک عاجزانہ وضاحت

ہم یہاں اپنی کتاب رسول رحمت تلواروں کے سائے میں سے ایک اقتباس بطور تذکرہ دے رہے ہیں: ”نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی والدہ کے بارے میں جو ارشاد اوپر نقل کیا گیا ہے، اس پر کوئی تبصرہ کرنا تو کسی کے لیے بھی ممکن نہیں البتہ ہم ایک تاریخی پس منظر یہاں ضرور بیان کرنا چاہتے ہیں۔ وہ یہ کہ کم و بیش تمام مورخین اس بات پر متفق ہیں کہ ابرہہ کے خانہ کعبہ پر حملے کے وقت قریش کے تمام لوگوں نے خالص توحید کی بنیاد پر اللہ سے دعا مانگی تھی کہ وہ ذات باری تعالیٰ اپنے گھر کی حفاظت کرے۔ اس وقت وہ بتوں کو بالکل بھول گئے تھے۔ مورخین کا بیان ہے کہ اس واقعہ کے دس سال بعد تک قریش بتوں کو چھوڑ کر ایک اللہ کی عبادت کرتے رہے۔ [اس پر مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے تفہیم القرآن میں تفصیلی نوٹ لکھا ہے۔ حوالے کے لیے دیکھیے: تفہیم القرآن ج ۶، ص ۶۸، تعارف سورۃ الفیل]۔ اسی عرصے میں آنحضرتؐ کی والدہ ماجدہ اور دادا محترم کا انتقال ہوا۔ دس سال کے بعد پھر قریش اپنی پرانی ڈگر پر چلے گئے۔ اللہ کی طرف سے اجازت نہ دینا کسی حکمت کے تحت ہوگا ورنہ معلوم تو یہی ہوتا ہے کہ اس عرصے میں وفات پانے والے لوگ دین ابراہیمؑ کے پیروکار ہی شمار ہوتے ہیں۔ یہ حکمت غالباً یہی تھی کہ صحابہ اور دیگر لوگ اس کو بنیاد بنا کر ان رشتہ داروں یا والدین کے لیے مغفرت کی دعا شروع نہ کر دیں جو حالت کفر میں فوت ہو گئے تھے اور جن کے لیے مغفرت کی دعا سے منع کر دیا گیا ہے۔“ (بحوالہ: رسول رحمت تلواروں کے سائے میں، جلد سوم، ص ۱۴۳)۔

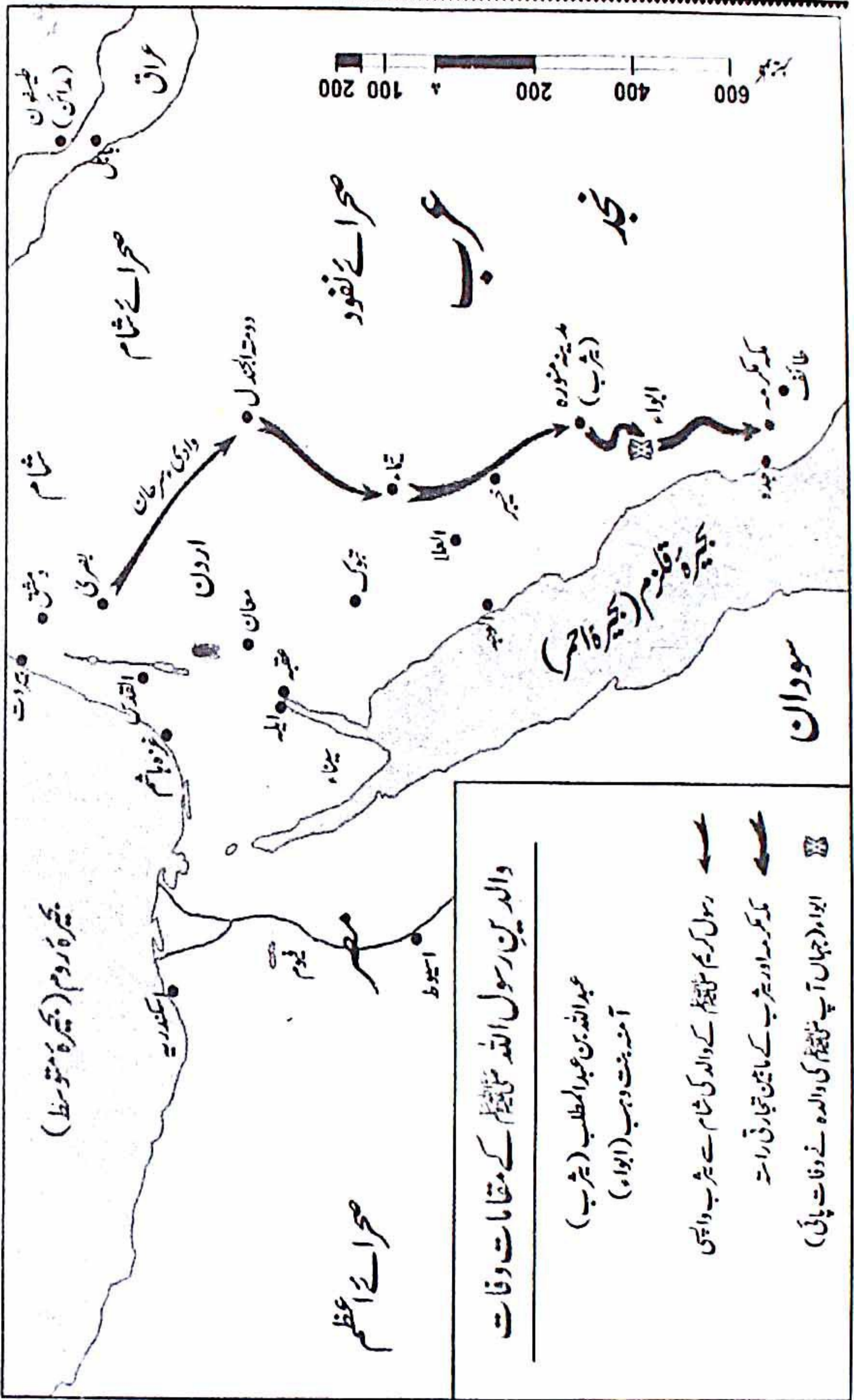


## بڑھاپے میں جان لیوا غم

ابو امیہ سیدہ آمنہ کی تدفین ہو چکی تو ام ایمن زخمی دل اور بو جھل قدموں کے ساتھ مکہ کی طرف روانہ ہوئیں۔ راستے بھر وہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حوصلہ دیتی رہیں۔ سیدہ آمنہ کی زندگی میں بھی ام ایمن ہی زیادہ تر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت تو اضع کیا کرتی تھیں۔ وہ آپ کے لیے بالکل بمنزلہ ماں کے تھیں۔ جب یہ ادھورا قافلہ مکہ واپس پہنچا اور سردار قریش عبدالمطلب کو اپنی پیاری بہو آمنہ بنت وہب کی دوران سفر وفات کی اطلاع ملی تو اس بڑھاپے میں ان کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے۔ انھوں نے اپنے پوتے کو سینے سے لگا لیا اور نہایت شفقت و محبت کے ساتھ ان کو چوما۔ (البدایة والنهاية، ج ۱، طبع دار ابن حزم، بیروت، ص ۴۰۸-۴۰۹، سیرة ابن ہشام، القسم الاول، ص ۱۶۸)







(اٹلس سیرت نبوی، از ڈاکٹر شوقی ابو خلیل، مطبوعہ دارالسلام، صفحہ ۹۲)



## عبدالمطلب کی آغوشِ محبت

خالص کنڈن

یہ کائنات عجوبات سے بھری پڑی ہے۔ ہر عجبہ اللہ کی ربوبیت کا پتا دیتا ہے۔ انسان تمنائیں اور آرزوئیں پالتا رہتا ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے فیصلے صادر فرماتا ہے، جو اٹل ہوتے ہیں۔ ہر فیصلے میں اللہ تعالیٰ کی اپنی حکمتیں ہوتی ہیں۔ بندے کا علم بہت محدود ہے۔ وہ قادرِ مطلق جو چاہتا ہے وہی ہوتا ہے اور وہ جو نہ چاہے وہ کبھی نہیں ہو سکتا۔ ماشاء اللہ کان و ما لم یشالم یکن۔ اس نے اپنے سب سے محبوب بندے اور سید المرسلین، شافعِ محشر اور حاملِ مقامِ محمود کو اس حال میں دنیا میں بھیجا کہ آمد سے قبل والدِ شفیق کا سایہ سر سے اٹھ چکا تھا۔ پھر چھ سال کی عمر میں اپنے محبوب کو والدہ کی مامتا سے بھی محروم کر دیا۔ وہ ان سے بہت بڑا کام لینا چاہتا تھا۔ اسی لیے ان کو آزمائشوں میں ڈال کر کنڈن بنایا۔ دادا کی شفقت بہت بڑا سہارا تھی۔ عبدالمطلب نے اپنے بیٹے بیٹیوں میں سے بھی کسی کے ساتھ اتنی محبت نہیں کی تھی، جتنی اپنے اس یتیم پوتے کے ساتھ کی۔ وہ ان کی خوراک، لباس اور راحت و نیند کا اتنا خیال رکھتے تھے کہ سب لوگ یہ دیکھ کر حیرت میں ڈوب جاتے۔

نقشِ پائے ابراہیمؑ و محمدؐ

عبدالمطلب کا زندگی بھر کا معمول تھا کہ سونے کے وقت میں کوئی ان کی خواب گاہ کے اندر نہیں آ سکتا تھا، نہ ہی کوئی ان کے بستر پر بیٹھنے کی جرأت رکھتا تھا۔ اب ننھا محمدؐ نہ صرف ان کی خواب گاہ کے اندر جاسکتا تھا بلکہ اس کے بغیر وہ خواب گاہ سردارِ قریش کو گوارا ہی نہ تھی۔ وہ اپنے سارے



معمولات کو ترک کر کے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے ساتھ سلاتے اور ان کی ہر خواہش پوری کرتے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پچپن میں بعض حیران کن واقعات پیش آئے۔ انھی میں سے ایک واقعہ سیرت نگاروں نے لکھا۔ اس کے مطابق

بنو مدیج کے لوگ کھوج لگانے کے ماہر تھے۔ جس شخص کا پاؤں ایک بار بھی دیکھا ہوتا زمین پر اس کے نقوش دیکھ کر وہ فوراً پہچان لیتے تھے کہ یہ اسی کے نقوش ہیں۔ ایک مرتبہ یہ لوگ مکہ میں آئے تو انھوں نے عبدالمطلب سے ملاقات کے دوران کہا: احتفظ ابنک هذا فاننا لم نر قدما اشبه بالقدم فی المقام منه۔ اپنے اس بچے کی بہت حفاظت کرنا کیونکہ یہ عام بچہ نہیں ہے۔ اس کے قدم سے زیادہ مقام ابراہیم پہ لگے قدم سے مشابہ کسی شخص کا قدم ہم نے کبھی نہیں دیکھا۔ (طبقات ابن سعد، ج ۱، ص ۱۱۸)

عبدالمطلب نے اس موقع پر اپنے بیٹے ابوطالب کو خصوصی طور پر متوجہ کیا اور فرمایا: اے میرے بیٹے! سن یہ لوگ کیا کہتے ہیں؟ یعنی اگر تمہیں اپنے بھتیجے کی حفاظت کرنا پڑے تو یہ بات ذہن میں رکھنا کہ یہ اللہ کا خاص بندہ ہے، جس کا نشان پا ہمارے جد امجد ابراہیم کے قدم کی تصویر ہے۔

میرے بیٹے کو میرے پاس لاؤ

عبدالمطلب نے ایک مرتبہ آنحضور صلی اللہ کی خادمہ ام ایمن کو خصوصی طور پر متوجہ کرتے ہوئے فرمایا: یا بركة لا تغفلی عن ابنی فانی وجدته مع غلمان قریبا من السدرة وان اهل الكتاب یزعمون ان ابنی هذا نبی هذه الامة۔ یعنی اے بركة! کبھی بھی میرے بیٹے کی دیکھ بھال میں غفلت نہ کرنا۔ میں نے اسے چند لڑکوں کے ساتھ فلاں پیری کے درخت کے پاس پایا ہے اور اہل کتاب کا یہ خیال ہے کہ میرا یہی بیٹا اس امت کا نبی ہے۔ [اس بنیاد پر وہ حسد و بغض میں کہیں اسے نقصان نہ پہنچائیں]۔ عبدالمطلب کھانے کے دسترخوان پر بیٹھتے تو اپنے پوتے کو اپنے ساتھ بٹھاتے۔ کبھی ایسا ہو جاتا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کہیں کھینے کو دینے میں نکل



جاتے تو جب تک آپ آ نہ جاتے، وہ کھانا تناول نہ فرماتے۔ ایسے موقع پر وہ کہا کرتے: علی بابنی، علی بابنی یعنی میرے بیٹے کو میرے پاس لے کر آؤ، میرے بیٹے کو میرے پاس لے آؤ۔

### عبدالطلب کی رحلت

عبدالطلب کافی عمر رسیدہ تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک آٹھ سال ہوئی تو آپ کے دادا کا آخری وقت آ گیا۔ آخری وقت میں اپنے تمام اہل و عیال کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ حسن سلوک کی وصیت فرمائی۔ خصوصی طور پر ابوطالب کو مخاطب کر کے کہا: اب میرا بیٹا تمہاری تحویل اور کفالت میں ہوگا، اس کا خاص خیال رکھنا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس موقع پر موجود تھے۔ آپ اپنے چچاؤں اور پھوپھیوں کی طرح غم سے نڈھال ہو گئے۔ عبدالطلب کے آخری لمحات میں ان کی سب بیٹیوں نے ان کے سامنے ان کی جدائی کے احساس سے اپنے جذبات کا اظہار کرتے ہوئے منظوم بین کیے۔ اسے مرثیہ بھی کہا جاسکتا ہے۔

### رلا دینے والے اشعار

عبدالطلب سب کا کلام سنتے رہے۔ جب ان کی بیٹی امیمہ نے اپنے جذبات کا اظہار کیا تو عبدالطلب کی آنکھیں بند ہو چکی تھیں، زبان بھی نہ ہل سکتی تھی، مگر ابھی تک زندہ تھے اور ہوش میں تھے۔ نقاہت کی وجہ سے اپنے سر کو آہستہ آہستہ جنبش دے کر اپنی بیٹی کے اشعار کی تائید کی۔ یہ اشعار سنتے سنتے ہی ان کی روح قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی۔

أَعْيَنِي جوداً بدمع دِرْرُ

علی طیب الخیم والمعتصرُ

علی ماجدِ الجدِ و ربي الزنادِ

جميلِ المُحَيَّا عظيمِ الخطرُ

علی شیبۃ الحمد ذی المکرّمات



وَذِي الْمَجْدِ وَالْعِزِّ وَالْمُفْتَخِرِ  
وَذِي الْحَلَمِ وَالْفَضْلِ فِي النَّائِبَاتِ  
كَثِيرُ الْمَكَارِمِ جَمَّ الْفَخْرُ  
لَهُ فَضْلٌ مَجْدٌ عَلَى قَوْمِهِ  
مَبِينٌ يَلُوحُ كَضَوْءِ الْقَمَرِ  
أَتَتْهُ الْمَنَائِبُ فَلَمْ تُشَوِّهِ  
بِصَرْفِ اللَّيَالِي وَرَيْبِ الْقَدْرِ

اے میری آنکھو! آج خوب آنسو بہاؤ۔ اس شخص پر اشکبار ہو جاؤ جو اعلیٰ اخلاق و عادات کا مالک اور جو دو فیاضی میں بے مثل تھا۔

اس پر جو بڑی شان و شوکت کا مالک اور بڑے نصیبے والا تھا۔ ضرورت مندوں کا سرپرست، خوب صورت اور عالی مرتبت تھا۔

آنسو بہاؤ صاحب کرامت شیبۃ الحمد پر، خوب رو اس پر کہ جس کی بزرگی و عزت اور افتخار معلوم و معروف اور مسلم ہے۔

اس کی جدائی میں آنسو بہاؤ جو مشکلات و مصائب میں مکمل صبر و تحمل کے ساتھ اپنی فضیلت کا اظہار کرتا تھا۔ وہ کہ جس کی ذات میں کثرت کے ساتھ خوبیاں پائی جاتی تھیں اور جو قابل فخر تھا۔

اپنی ساری قوم پر اسے ایسی فضیلت و فوقیت حاصل تھی، جیسے [ستاروں کے درمیان] چاند کے نور میں واضح نظر آتی ہے۔

یہ ساری خوبیاں بلاشبہ اس میں جمع تھیں، مگر گردش لیل و نہار اور تقدیر کے اٹل فیصلے سے کوئی چیز اس عظیم شخص کو نہ بچا سکی۔ (طبقات ابن سعد، ج ۱، ص ۷۸، سیرۃ ابن ہشام، القسم الاول، ص ۱۷۰-۱۷۳)



یہ اشعار ایک عظیم باپ کی جدائی میں اس کی پیاری بیٹی نے کہے ہیں۔ ان میں بے پناہ تاثیر بھی ہے اور درد و الم کا دلدوز اظہار بھی۔ یہ اشعار پڑھتے ہوئے آنکھوں میں بے ساختہ آنسو چھلکنے لگتے ہیں۔

دادا کی وفات پوتے کو ہمیشہ یاد رہی

عبدالمطلب کے انتقال پر پورے مکہ میں اداسی چھا گئی۔ انھوں نے بیاسی سال کی عمر میں وفات پائی۔ ایک اور روایت میں ان کی عمر ۱۰ سال بیان کی گئی ہے۔ اس تفاوت کی وجہ معلوم نہیں ہو سکی۔ ان کا جنازہ اٹھا تو ایک مجمع اس کے ساتھ تھا۔ مکہ کے باہر حجون کے مقام پر ان کو دفن کیا گیا۔ بعض لوگوں کے خیال میں اب تک ان کی قبر وہاں موجود ہے، مگر یہ محض قیاس آرائی معلوم ہوتی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔ ام ایمن بیان کیا کرتی تھیں کہ میں نے اس روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ وہ عبدالمطلب کے تابوت کی روانگی کے وقت زار و قطار روئے، پھر جنازے کے ساتھ تابوت کے پیچھے پیچھے چلے، اس وقت بھی آپ مسلسل رورہے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی نے ایک مرتبہ دریافت کیا کہ کیا آپ کو عبدالمطلب کی موت کا منظر یاد ہے تو آپ نے فرمایا: کیونکہ نہیں، میں اس وقت آٹھ برس کا تھا۔ میرے جد امجد عبدالمطلب کی وفات حرب الفجار سے قبل ہو گئی تھی۔

تِلْكَ الْآيَاتُ نُدَاوِلْهَا بَيْنَ النَّاسِ

علامہ شبلی نے اپنی سیرت النبی حصہ اول صفحہ ۱۲۵ پر لکھا ہے کہ عبدالمطلب کی وفات کا واقعہ خاص طور پر قابل لحاظ ہے کہ ان کی موت نے بنو امیہ کو یہ موقع فراہم کیا کہ وہ قبائلی سٹم میں دنیوی اقتدار کے لحاظ سے بنو ہاشم پر غالب آگئے۔ اب قریش کی سیادت عبدالمطلب کی بجائے حرب [ابوسفیان کا والد] کے ہاتھ میں آگئی جو بنو امیہ کا نامور فرزند تھا۔ مناصب ریاست و سیادت میں سے بنو ہاشم کے پاس صرف سقایہ یعنی حجاج کو پانی پلانا رہ گیا، جو عبدالمطلب کے سب سے چھوٹے بیٹے عباس بن عبدالمطلب کے ہاتھ میں رہا۔



قدیم مورخین نے عبدالمطلب اور حرب بن امیہ کے درمیان ایک مسابقہ کا تذکرہ کیا ہے۔ ابن سعد نے محمد بن النائب الکلبی کے حوالے سے لکھا ہے کہ ایک مرتبہ حبشہ کے سفر میں سردارانِ قریش مالِ تجارت کے ساتھ گئے۔ چونکہ بنو امیہ اور بنو ہاشم میں مستقل چشمک چلتی رہتی تھی، اس لیے اس کا اظہار سفر و حضر ہر جگہ ہوتا تھا۔ اس سفر میں عبدالمطلب اور حرب بن امیہ دونوں شریک تھے۔ دونوں کے درمیان آپس میں کسی بات پر بحث مباحثہ ہوا اور دونوں نے اپنے اپنے مناقب بیان کیے۔ پھر دونوں نے طے کیا کہ حبشہ کے بادشاہ نجاشی سے فیصلہ کرا لیتے ہیں کہ کون اعلیٰ اور کون ادنیٰ۔ نجاشی کے ہاں جب گئے تو اس نے ان کے درمیان حکم بننے سے انکار کر دیا۔ [غالباً اس نے اسے اپنی شان سے فروتر سمجھا ہوگا یا کسی اور مصلحت کے تحت انکار کیا ہوگا]۔ آخر طے ہوا کہ نفیل بن عبدالعزیٰ بن الریاح بن عبداللہ بن قرط سے فیصلہ کرایا جائے جو عدی بن کعب کی اولاد سے تھا۔ اس نے دونوں کی باتیں سنیں اور پھر حرب سے مخاطب ہو کر کہا: اُتُنا فر رجلا هو اطول منک قامۃ۔ واعظم منک هامۃ و اوسم منک وسامۃ و اقل منک لام، و اکثر منک ولداً و اجزل منک صفداً و اطول منک مزوداً۔ کیا تو ایسے شخص سے مقابلہ کرنا ہے جو تجھ سے بہت بلند و بالا قامت کا مالک ہے، جس کا سر تیرے سر سے بڑا ہے، جو تجھ سے زیادہ حسین و جمیل ہے، جس کے اندر تیرے برعکس نقائص اور باعث ملامت صفات نہیں ہیں، تیرے مقابلے میں زیادہ کثیر الاولاد ہے، تجھ سے کہیں زیادہ سخی و فیاض اور فراخ دل ہے، تجھ سے زیادہ فصیح اور ساز و سامان میں تجھ سے بڑھ کر ہے۔

یہ فیصلہ سن کر حرب زچ ہو گیا اور اپنی بے بسی کا اظہار کرتے ہوئے کہنے لگا: ان من انتکات الزمان ان جعلناک حکماً۔ یعنی یہ بھی منحوس سوچ تھی اور بری گھڑی تھی کہ ہم نے تجھے فیصلہ و حکم مان لیا۔ یہ نفیل بن عبدالعزیٰ حضرت عمر بن خطاب کے دادا تھے۔ اس فیصلے کے بعد حرب بن امیہ نے عبدالمطلب سے تسبیح نعلقی کر لی اور حرب اور اس کی اولاد عبداللہ بن جدعان کے ساتھ ہم پیالہ و ہم نوالہ ہو گئے۔ (طبقات ابن سعد، ج ۱، ص ۸۶-۸۸)



## ابوطالب کے زیر کفالت

یتیم بھتیجا، رحیم چچا

جیسا کہ سابقہ صفحات میں تذکرہ ہو چکا ہے، اس کائنات کی سب سے بڑی شخصیت محمد بن عبد اللہ دنیا میں آئے تو باپ کا سایہ سر سے اٹھ چکا تھا۔ چھ سال کی عمر میں والدہ بھی داغِ مفارقت دے گئیں۔ دادا عبدالمطلب نے اپنے پوتے کو اپنی سرپرستی میں لے لیا، مگر دو سال بعد ان کا بھی آخری وقت آ گیا۔ انہوں نے اپنے آخری لمحات میں اپنے یتیم پوتے کو اپنے بیٹے ابوطالب کی تحویل میں دے دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا اور پھوپھیاں مختلف ماؤں سے تھے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے والد عبد اللہ اور ابوطالب ماں جائے بھائی تھے۔ حقیقی چچا ہونے کے علاوہ بھی ابوطالب بہت حوصلہ مند، نرم مزاج اور صلہ رحمی کے معاملے میں معروف تھے۔ فطری طور پر عبدالمطلب کو اپنے دنیا سے رخصت ہو جانے کے بعد یتیم پوتے کی سب سے زیادہ فکر تھی۔ انہوں نے اپنے بیٹے ابوطالب سے کہا کہ اب محمد بن عبد اللہ تمہاری تحویل میں ہے، اس سے محبت کرنا اور اس کی بہترین انداز میں دیکھ بھال کا اہتمام کرنا۔ جناب ابوطالب نے اپنے والد کی وصیت کے عین مطابق سرپرستی کا حق ادا کیا۔ وہ اپنے بچوں سے زیادہ اپنے یتیم بھتیجے محمد بن عبد اللہ کی دیکھ بھال اور سرپرستی فرماتے تھے۔ جب کہیں جاتے تو اپنے ساتھ رکھتے۔ کھانا اپنے ساتھ کھلاتے اور سونے کے وقت میں بھی انہیں اپنے ساتھ سلاتے۔ اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک آٹھ، ساڑھے آٹھ سال تھی۔

برکات و کرامات

بعض روایات کے مطابق مورخین کا خیال ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کفالت دادا



کے بعد آپ کے چچا زبیر بن عبدالمطلب کے ذمے لگی اور بعد میں یہ ذمہ داری ابوطالب کے حصے میں آئی۔ ہماری رائے میں عبدالمطلب کے بعد آپ کی سرپرستی و کفالت ابوطالب ہی کے سپرد ہوئی۔ اس روایت کو مستند مورخین کی اکثریت نے بیان کیا ہے۔ ابوطالب کے بارے میں مورخین نے لکھا ہے کہ وہ اپنے بچوں میں سے کسی کو کھانے کے وقت موجود نہ پاتے تو کبھی فکر مند نہ ہوتے۔ البتہ اپنے بھتیجے محمد بن عبد اللہ کو کھانے کے وقت گھر پر نہ دیکھتے تو دسترخوان کی طرف اس وقت تک ہاتھ نہ بڑھاتے جب تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بلوانہ لیا جاتا۔ وہ کہا کرتے: لَا أَكُلُ حَتَّى يَحْضُرَ ابْنِي۔ میں اس وقت تک کھانا نہیں کھاؤں گا جب تک میرا بیٹا نہ آجائے۔ ایک اور بڑی اہم بات جو ابن سعد نے بیان کی ہے، وہ یہ ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کھانے میں موجود نہ ہوتے تو اہل خانہ بہت زیادہ کھانا کھانے کے باوجود خود کو سیر نہ سمجھتے۔ آپ کی موجودگی میں تھوڑے کھانے سے بھی آسودگی اور اطمینان مل جاتا اور کافی کھانا بچ بھی جاتا۔ اسی وجہ سے ابوطالب اس بات سے خوش ہو کر آپ سے کہا کرتے تھے: انک لمبارک یا بنی یعنی اے میرے پیارے بیٹے! بے شک تیرے اندر بہت برکات ہیں۔ عبدالمطلب کی وفات کے بعد بنو ہاشم کی قیادت متفقہ طور پر ابوطالب کے سپرد ہوئی۔ (البدایة والنهاية، ج ۱، طبع دار ابن حزم، بیروت، ص ۴۱۰)

### سردار بنو ہاشم کی مجلس

سردار قبیلہ ہونے کی وجہ سے بطحا میں ابوطالب کی مجلس لگتی تو وہاں ایک گدا بچھایا جاتا جس پر ایک بڑے تکیے سے ٹیک لگا کر وہ بیٹھا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ محمد بن عبد اللہ وہاں تشریف لائے جبکہ ابھی ان کے چچا وہاں نہیں پہنچے تھے۔ یہ دیکھ کر انہوں نے وہ گدا ایک جانب بچھایا اور اس کے اوپر لیٹ گئے۔ اسی دوران آپ کی آنکھ لگ گئی۔ ابوطالب مجلس میں آئے تو گدا غائب پا کر اس کے بارے میں پوچھا۔ لوگوں نے کہا کہ وہ آپ کے بھتیجے نے لے لیا ہے اور اس پر لیٹ گیا ہے۔ ابوطالب اس بات پر مگدہ ہونے کی بجائے مسرت سے کہنے لگے: ”بطحا کی حلت کی قسم!



بلاشبہ میرا یہ بھتیجا نعمت کا قدر دان ہے۔“ ایک مرتبہ ابوطالب کی مجلس میں آمد سے قبل وہ گدا جو ان کے لیے بچھا دیا گیا تھا، اس پر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہوئے۔ آپ کی عمر اس وقت کچھ زیادہ نہ تھی۔ ابوطالب آئے تو اپنے بھتیجے کو وہاں بیٹھا دیکھ کر خوشی سے کہا: ”قسم ہے قبیلہ ربیعہ کے معبود کی میرا یہ بھتیجا نعمت کی حقیقی قدر جانتا ہے۔“ (طبقات ابن سعد، ج ۱، ص ۱۲۰، البدایہ والنہایہ، ج ۱، طبع دار ابن حزم، بیروت، ص ۲۰۹)

چچا عظیم، بھتیجا عظیم تر

ابوطالب کے ساتھ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دادا کی وفات سے لے کر خود ان کی وفات تک بیالیس سال گزارے۔ اس سارے عرصے میں چچا بھتیجے کے درمیان کبھی کوئی خاص اختلاف رائے یا رنجش پیدا نہیں ہوئی۔ اس میں عظیم المرتبت بھتیجے کا کمال تو ہے ہی، لیکن سچی بات یہ ہے کہ چچا کی شفقت و محبت اور عظمت و فراخ دلی کا بھی اس میں بہت بڑا حصہ ہے۔ جب کبھی ابوطالب مکہ سے باہر سفر کے لیے کہیں روانہ ہوتے، تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے ساتھ رکھتے۔ اس حوالے سے خاص طور پر ایک سفر بڑا یادگار ہے، جو شام کی طرف کیا گیا تھا۔ اس وقت آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک ۱۲ سال کے قریب تھی۔ اس سفر کی خاص بات بخیر راہب کی آپ سے ملاقات ہے۔ اس کی تفصیل مورخین نے یوں بیان کی ہے۔

اللہ کے بندے کی گواہی اور عقیدت

شام کے سفر میں قافلہ ایک منزل پر رکا تو ایک شخص ان کے پاس آیا۔ اس نے عیسائی راہبوں کا لباس پہن رکھا تھا۔ اس نے اہل قافلہ سے پوچھا: تمہارے درمیان کوئی بہت نیک آدمی ہے؟ اہل قافلہ نے جواب دیا کہ ہمارے درمیان ایسے لوگ موجود ہیں جو مہمان نوازی کیا کرتے ہیں، مجبور قیدیوں اور غلاموں کو رہا کرتے ہیں اور نیکی اور خدمت خلق کے کاموں میں دل چسپی لیتے ہیں۔ بخیر راہب کی اس جواب سے تسلی نہ ہوئی۔ اس نے پھر کہا: تمہارے درمیان ایک پاک طینت اور صالح آدمی ہے۔ اس کے بعد خود ہی اس نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف



اشارہ کیا اور پوچھا کہ اس لڑکے کے والد کہاں ہیں؟ ابوطالب کی طرف اشارہ کر کے کسی نے اسے بتایا کہ یہ اس کے ولی اور سرپرست ہیں۔ یہ سن کر راہب نے ابوطالب سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا: احتفظ بهذا الغلام ولا تذهب به الى الشام، ان اليهود حسدٌ واني اخشاهم عليه، قال: ما انت تقول ذاك ولكن الله يقوله، فردّه، قال: اللّٰهُمّ انى استودعك محمّداً! ثم انه مات، فردّه ابوطالب معه الى مكة. یعنی اس لڑکے کی حفاظت کی فکر کرو، اسے شام نہ لے جاؤ، وہاں یہودی ہیں جو بہت حاسد ہیں۔ اس لڑکے کے بارے میں ان کے شر سے مجھے خوف ہے۔ اس پر ابوطالب نے کہا: یہ تم نہیں کہہ رہے بلکہ حقیقت میں یہ اللہ کا قول ہے۔ اس کے بعد اس راہب نے کہا: ”اے اللہ! میں محمد کو تیرے سپرد کرتا ہوں، تو اس کی حفاظت فرما۔ اس کے کچھ عرصے بعد وہ راہب وفات پا گیا۔ چنانچہ جناب ابوطالب آگے جانے کی بجائے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو لے کر وہیں سے واپس مکہ چلے آئے۔ (طبقات ابن سعد، ج ۱، ص ۱۲۰-۱۲۱، البداية والنهاية، ج ۱، طبع دار ابن حزم، بیروت، ص ۴۱۱)۔ یہ اللہ والے کی سچی گواہی تھی۔ پھر اس کے منہ سے اللہ کے آخری نبی کے لیے جو دعائیہ کلمات نکلے، ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کو کتنی محبت و عقیدت تھی۔ رحمہ اللہ تعالیٰ۔

### مقدس کتب کے سچے پیروکار

اوپر بیان کردہ واقعہ میں آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ نحیرا راہب نے آخری بات جو کہی وہ یہ تھی اے اللہ! میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو تیرے سپرد کرتا ہوں۔ یہ بات کہہ کر وہ وفات پا گیا۔ کیا خوب انسان تھا۔ دراصل اہل کتاب کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی علامات ان کی مقدس کتابوں میں بتا دی گئی تھیں۔ جو خوش نصیب تھے، انہوں نے دیکھتے ہی پہچان لیا جیسے نحیرا راہب اور اہل حبشہ کا ۲۰ رکنی وفد [جو مکہ آیا تھا] اور اسلام قبول کیا تھا۔ قرآن مجید کی سورۃ القصص میں ان لوگوں کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ جب انہوں نے اسلام قبول کر لیا تو ابو جہل اور دیگر سردارانِ قریش نے انہیں



برا بھلا کہا اور گالیاں دیں۔ ان بے ہودہ باتوں کو سن کر انھوں نے قرآن کے الفاظ میں یہ جواب دیا:

وَإِذَا سَبَّحُوا اللَّغْوَ عَرُضُوا عَنْهُ وَقَالُوا النَّآءُ عِبَانَا وَلَكُمْ أَعْبَالُكُمْ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ  
لَا تَبْتَغِي الْجَاهِلِينَ ﴿۵۵﴾ (القصص: ۵۵) اور جب انھوں نے بے ہودہ بات سنی تو یہ کہہ کر  
اس سے کنارہ کش ہو گئے کہ ”ہمارے اعمال ہمارے لیے اور تمہارے اعمال تمہارے  
لیے، تم کو سلام ہے، ہم جاہلوں کا سا طریقہ اختیار کرنا نہیں چاہتے۔“

اسی طرح حضرت عبداللہ بن سلامؓ کی اعلیٰ مثال موجود ہے جنھوں نے مدینہ میں  
آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پہلی نظر دیکھ کر ہی گواہی دی کہ یہ کسی جھوٹے انسان کا چہرہ نہیں ہے اور  
پھر کلمہ طیبہ پڑھ لیا۔ اس کے برعکس جو شیطان کی راہ پر چلنے والے تھے وہ پہچاننے کے باوجود  
مخالفت اور دشمنی پراڑے رہے۔ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

الَّذِينَ اتَّبَعُوا الْكُتُبَ يَعْرِفُونَهُ كَمَا يَعْرِفُونَ أَبْنَاءَهُمْ ۗ الَّذِينَ يُرَىٰ خَسِيمًا وَأَنْفُسُهُمْ  
فَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿۲۰﴾ (الانعام: ۲۰) جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے وہ اس بات کو  
[کہ محمد اللہ کے سچے رسول ہیں] اس طرح غیر مشتبہ طور پر پہچانتے ہیں جیسے ان کو اپنے  
بیٹوں کے پہچاننے میں کوئی اشتباہ پیش نہیں آتا۔ مگر جنھوں نے اپنے آپ کو خود خسارے  
میں ڈال دیا ہے وہ اسے نہیں مانتے۔

### لعل درخشاں

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بچپن کے واقعات دل چسپ بھی ہیں اور ایمان افروز بھی۔  
اللہ کے نبی پیدائشی طور پر نبی ہوتے ہیں۔ ان کی بعثت کا وقت خود اللہ تبارک و تعالیٰ مقرر کرتا ہے،  
جب ان پر وحی نازل کر کے ان کو اپنا نمائندہ بنانے کا اعلان کرتا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو  
چالیس سال کی عمر میں پہلی وحی اور تاج نبوت عطا کیا گیا۔ اس سے قبل آپ کے بچپن اور جوانی کا  
دور بھی اتنا عظیم الشان ہے کہ اس کے اندر کہیں کوئی کمزوری یا عیب نظر نہیں آتا۔ خذف ریزوں



کے درمیان یہ لعلِ درخشاں یوں چمک رہا تھا کہ بخیرِ اراہب نے تو الہامی کتابوں کی روشنی میں آپ کو پہچان لیا، مگر عام آدمی بھی آپ کے اخلاقِ حسنہ کو دیکھ کر پکاراٹھتا تھا کہ یہ شخص کسی خاص اور اعلیٰ مقصد کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔ مولانا ظفر علی خان مرحوم نے کیا خوب کہا ہے:

وہ شمعِ اجالا جس نے کیا چالیس برس تک غاروں میں  
اک روز جھلکنے والی تھی سب دنیا کے درباروں میں  
جو فلسفیوں سے کھل نہ سکا اور نکتہ وروں سے حل نہ ہوا  
وہ رازِ اک کملی والے نے بتلا دیا چند اشاروں میں





## گلہ بانی اور انبیائے کرام

### گلہ بانی شریفانہ کام

عربوں کے عام رواج اور روایات کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بکریاں بھی چرائیں۔ سوقِ عکاظ کے قریب آپ بھیڑ بکریوں کے ریوڑ کے ساتھ دیکھے جاتے تھے۔ کم و بیش اللہ کے تمام نبیوں نے راعی (چرواہے) کا کردار ادا کیا ہے۔ بھیڑ بکریوں اور جانوروں کی دیکھ بھال اور نگہداشت انسان کی تربیت میں بڑا کردار ادا کرتی ہے۔ شبانی کوئی عیب نہیں، بلکہ خوبی ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دس سال مدین میں گلہ بانی کی۔ شیخ مدین نے پہلی ملاقات میں آپ کی زبانی جو رو داد سنی اس پر بے ساختہ کہا: لَا تَخَفُ ۖ نَجَوْتَ مِنَ الظَّالِمِينَ۔ (القصص ۲۸:۲۵) ”کچھ خوف نہ کرو اب تم ظالموں سے بچ نکلے ہو۔“ اس کے بعد جب اپنی اہلیہ کے ساتھ مدین سے مصر جا رہے تھے تو اللہ تعالیٰ نے شبانی سے کلیسی تک کا سفر ایک جست میں طے کرا دیا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی پوری انسانیت کا راعی بننے سے پہلے بھیڑ بکریوں کے راعی ہونے کی منزل طے کی۔

دمِ عارف نسیمِ صمد ہے  
اسی سے ریشہ معنی میں نم ہے  
اگر کوئی شعیب آئے میتر  
شبانی سے کلیسی دو قدم ہے

جانور ایک نعمت بھی اور حسن بھی

قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے اکثر سورتوں میں جانوروں کا ذکر کیا ہے۔ [بلکہ بعض



سورتوں کے تو نام ہی جانوروں کے نام پر ہیں [مثلاً سورۃ البقرہ، سورۃ الانعام اور سورۃ الفیل۔ ہر چند کہ سورۃ الانعام کا موضوع انعام نہیں لیکن اس میں ایک مقام پر اللہ تعالیٰ نے جانوروں اور ان کے جوڑوں کا بہت خوب صورت انداز میں تذکرہ فرمایا ہے۔ جانوروں سے انسان لباس و پوشاک، خیمے اور فرش کے علاوہ گوشت، دودھ بھی حاصل کرتا رہا ہے اور وہ اس کے لیے بار برداری اور سواری کی خدمات بھی سرانجام دیتے ہیں۔ اس کے علاوہ جانوروں کے گلے اور ریوڑ صبح چرنے کے لیے چراگاہ کی طرف جاتے ہیں اور شام کو خوب سیر ہو کر واپس اپنے باڑے کی طرف پلٹتے ہیں تو اس میں بھی کسان اور راعی (چرواہے) کی ایک شان ہوتی ہے۔ اس حقیقت کا ہر وہ شخص خوب ادراک رکھتا ہے جو جانوروں کی افزائش اور زرعی میدان سے تعلق رکھتا ہے۔ قرآن پاک میں ارشاد فرمایا گیا ہے:

وَإِلَّا نِعَامَ خَلَقَهَا لَكُمْ فِيهَا دِفْءٌ وَمَنَافِعُ وَمِنْهَا تَأْكُلُونَ ﴿٥﴾ وَلَكُمْ فِيهَا جَمَالٌ حِينَ تُرِيحُونَ وَحِينَ تَسْرَحُونَ ﴿٦﴾ وَتَحِبُّوا ثِقَالَكُمْ إِلَىٰ بَلَدٍ لَّمْ تَكُونُوا بِلِغِيهِ إِلَّا بِشِقِّ الْأَنْفُسِ ۗ إِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوفٌ رَّحِيمٌ ﴿٧﴾ وَالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيرَ لِتَرْكَبُوهَا وَزِينَةً ۗ وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿٨﴾ (النحل: ۵-۸) اس نے جانور پیدا کیے جن میں تمہارے لیے پوشاک بھی ہے اور خوراک بھی، اور طرح طرح کے دوسرے فائدے بھی۔ ان میں تمہارے لیے جمال ہے جب کہ صبح تم انہیں چرنے کے لیے بھیجتے ہو اور جب شام کو انہیں واپس لاتے ہو۔ وہ تمہارے لیے بوجھ ڈھو کر ایسے ایسے مقامات تک لے جاتے ہیں جہاں تم سخت جانفشانی کے بغیر نہیں پہنچ سکتے۔ حقیقت یہ ہے کہ تمہارا رب بڑا ہی شفیق اور مہربان ہے۔ اس نے گھوڑے اور خچر اور گدھے پیدا کیے تاکہ تم ان پر سوار ہو اور وہ تمہاری زندگی کی رونق بنیں اور وہ بہت سی چیزیں (تمہارے فائدے کے لیے) پیدا کرتا ہے [اور کرتا رہے گا] جن کا تمہیں علم تک نہیں ہے۔

جنگل اور اس کے درختوں سے واقفیت

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے بچپن ہی سے صحرائی اور جنگلی جھاڑیوں اور درختوں سے خوب



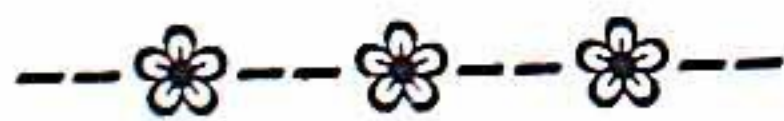
متعارف ہو گئے تھے۔ بکریاں چرانے کے زمانے میں آپ مختلف جنگلی پھلوں سے بھی مستفید ہوتے تھے۔ ایک مرتبہ صحابہ کرام کے ساتھ آپ جنگل کی طرف تشریف لے گئے۔ وہاں جھڑبیروں کے جھنڈ تھے۔ صحابہ ان کے پھل توڑ کر کھانے لگے تو آپ نے فرمایا جھڑبیری کا جو پھل خوب پک جائے، وہ بہت سیاہ ہو جاتا ہے اور وہی زیادہ شیریں اور پر لطف ہوتا ہے، پھر فرمایا کہ یہ میرا اس زمانے کا تجربہ ہے جب میں بچپن میں یہاں [قبیلہ بنو سعد میں] بکریاں چرایا کرتا تھا۔ (سیرۃ النبیؐ، ج ۱، ص ۱۲۵، السیرۃ الحلبيۃ، ج ۱، دارالکتب العلمیہ بیروت، ص ۱۸۵)

### قراریط؟

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک روایت کے مطابق آپ نے فرمایا: انا رعیتها لاهل مکة بالقراریط۔ یعنی میں نے بھی اہل مکہ کے لیے بکریاں چرائی ہیں۔ قراریط کے بدلے۔ قراریط کے بارے میں مختلف آراء ہیں۔ ایک رائے یہ ہے کہ اس سے مراد املی کا پھل ہے، جبکہ دوسری رائے کے مطابق قراریط ایک مقام ہے جہاں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم بکریاں چرایا کرتے تھے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت داؤد علیہ السلام کا نام لے کر فرمایا کہ وہ دونوں عظیم المرتبت انبیا بکریاں چرایا کرتے تھے۔ میں نے بھی اپنی بعثت سے پہلے اجیاد (مکہ میں ایک پہاڑی اور وادی کا نام، جو چراگاہ ہوا کرتی تھی) میں اپنے لوگوں کی بکریاں چرائیں۔

عبید بن عمیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک قول نقل کرتے ہیں: ما من نبی الا وقد رعی الغنم، قالوا وانت یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، قال: وانا۔ یعنی اللہ کا کوئی نبی ایسا نہیں گزرا جس نے بھیڑ بکریاں نہ چرائی ہوں۔ لوگوں نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا آپ نے بھی گلہ بانی کی ہے؟ آپ نے فرمایا: ہاں میں نے بھی یہ کام کیا ہے۔ (طبقات ابن سعد، ج ۱، ص ۱۲۵-۱۲۶، سیرۃ ابن ہشام، القسم الاول، ص ۱۶۷، السیرۃ

الحلبيۃ، ج ۲، دارالکتب العلمیہ بیروت، ص ۱۸۴-۱۸۵)





## حرب الفجار

### حرام مہینوں میں خون ریزی

عرب قبائل کے درمیان جنگیں تو ہوتی رہتی تھیں، مگر ایک جنگ تاریخ میں زیادہ معروف ہوگئی۔ اسے حرب الفجار کہا جاتا ہے۔ فجار یعنی فجور اور اللہ کی نافرمانی کا وقوع پذیر ہونا۔ اس جنگ کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ یہ قریش اور بنی کنانہ کے مقابلے پر قبیلہ قیس عیلان نے حرام مہینے میں لڑی تھی۔ اس جنگ کی وجہ کیا تھی، اکثر مورخین نے واضح نہیں کیا، تاہم ابن سعد نے طبقات میں بیان کیا ہے کہ سوقِ عکاظ میں نعمان بن منذر، شاہِ حیرہ نے تجارت کے لیے اپنے کچھ کارندوں کو بھیجا تھا۔ یہ بنو قیس کے ایک سردار عروہ بن عتبہ بن جابر بن کلاب کی پناہ میں تھے۔ قبیلہ بنو بکر بن عبد المناف بن کنانہ کے ایک شخص براض بن قیس نے عروہ پر حملہ کر کے اسے قتل کر دیا اور پھر فرار ہو گیا۔ اس نے خیبر میں جا کر پناہ لے لی۔ یہی قتل اس جنگ کی وجہ بنا۔ بنو قیس نے قریش کے خلاف جنگ کی تیاری کی اور انھیں دھمکی دی کہ اب ہم تم سے نمٹیں گے۔ نتیجتاً یہ جنگ حرام مہینوں کے اندر ہی وقوع پذیر ہوگئی۔

### حضور کی جنگ میں شمولیت

اس جنگ کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر ۲۰ سال کے قریب تھی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا زبیر اپنے خاندان کی طرف سے علم بردار تھے۔ جب جنگ شروع ہوئی تو بنو قیس کا پلڑا بھاری نظر آیا، لیکن دوپہر کے بعد جنگ کا پانساپٹ گیا۔ قریش اور ان کے حلیفوں نے اپنے دشمن پر تار تار حملے کیے اور انھیں زبردست شکست دی۔ تاہم اس جنگ میں مثبت بات



یہ ہوئی کہ عتبہ بن ربیعہ نے جو اس وقت ابھی تیس سال کا نوجوان تھا پکار کر کہا کہ اے لڑنے والو! بہت ہو چکی، اب جنگ بند کر دی جائے اور آپس میں صلح کی جائے۔ حسن اتفاق سے اس کے نتیجے میں یہ جنگ بند ہو گئی۔ چنانچہ دونوں فریقوں نے ہتھیار رکھ دیے اور آئندہ کے لیے ایک دوسرے کے مقابلے پر ہتھیار نہ اٹھانے کا عہد کیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بیان فرمایا کرتے تھے کہ میں اس جنگ میں شریک تھا لیکن میں نے کسی پر حملہ نہیں کیا۔ دشمن کی طرف سے جو تیر آتے تھے میں ان کو اپنی ڈھال پر روکتا تھا اور اپنے چچاؤں کا دفاع کرتا تھا۔ اسی طرح میں اپنے چچاؤں کو تیر پکڑاتا تھا جو وہ اپنے دشمن پر چلا رہے تھے۔

### سالاران جنگ

اس جنگ میں عبداللہ بن جدعان قریش اور بنو کنانہ کی قیادت کر رہا تھا۔ اس کے زیر کمان سات سردار مختلف دستوں کی کمان کر رہے تھے۔ یہ تھے ہشام بن مغیرہ، حرب بن امیہ، ابواحجہ سعید بن عاص، عتبہ بن ربیعہ، العاص بن وائل، معمر بن حبیب الحمی اور عکرمہ بن عامر بن ہاشم۔ قبیلہ قیس کی قیادت ابو براء عامر بن مالک بن جعفر کے ہاتھ میں تھی اور اس کے زیر کمان چھ قبائلی سردار مختلف دستوں کے کمانڈر تھے۔ ان کے نام ابن سعد نے یہ بیان کیے ہیں: سبیح بن ربیعہ بن معاویہ النصری، درید بن الصمہ، مسعود بن معتب ثقفی، ابو عمرو بن مسعود، عوف بن ابی حارثہ المری اور عباس بن رعل السلمی۔ (طبقات ابن سعد، ج ۱، ص ۱۲۶-۱۲۸، سیرۃ ابن ہشام، القسم الاول، ص ۱۸۴-۱۸۷)









## آنحضورؐ کا دوسرا سفرِ شام

### مہمان نوازی اور تنگ دستی

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دوسرا سفرِ شام کم و بیش ۲۳، ۲۴ سال کی عمر میں ہوا۔ یہ سفر آپ نے حرب الفجار کے کچھ عرصہ بعد کیا۔ آپ اپنے چچا ابوطالب کے پاس رہتے تھے اور ابوطالب اپنے اہل و عیال کے علاوہ ہر جانب سے آنے والے مہمانوں کی خاطر تواضع بھی کیا کرتے تھے اور ان کا کوئی بہت بڑا کاروبار نہیں تھا۔ اس کا نتیجہ یہ تھا کہ وہ عموماً تنگ دست رہتے تھے۔ تنگ دستی کے باوجود ان کی فیاضی میں کمی نہ آئی تھی۔ ان کے بیٹے طالب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم عمر تھے، مگر وہ بھی کوئی زیادہ کام نہیں کرتے تھے۔ ابوطالب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بے پناہ محبت کرتے تھے اور چچا بھتیجے میں آپس میں بہت بے تکلفی بھی تھی۔ تمام امور پر دونوں کے درمیان بے تکلفی کے ماحول میں مشاورت اور تبادلہ بھی ہوتا رہتا تھا۔

### ایک صائب تجویز

ایک روز جناب ابوطالب نے اپنے ہونہار بھتیجے سے کہا: انا رجل لا مال لی وقد اشتد الزمان علینا، وهذا غیر قومک وقد حضر خروجها الی الشام و خدیجۃ بنت خویلد تبعث رجلاً من قومک فی غیراتها۔ میرے پاس اس وقت مال و دولت نہیں ہے اور حالات خاصے سخت ہو گئے ہیں۔ تیری قوم کا تجارتی قافلہ شام کی طرف جانے کو تیار ہے۔ خدیجہ بنت خویلد تیری قوم کے لوگوں میں سے کچھ لوگوں کو اپنے تجارتی قافلوں کی نگرانی کے لیے بھیجتی ہے۔ اگر تو چاہے تو میں اس سے بات کروں کہ تو اس تجارتی قافلے کا نگران بن جائے۔ چچا



کی یہ تجویز بہت صائب، مناسب اور برموقع تھی۔ آپ نے یہ تجویز پسند فرمائی اور پھر چچا سے کہا: اگر خدیجہ مجھے اس کام کے لیے مناسب سمجھیں تو میں تیار ہوں۔ (السیرة الحلبیة، ج ۱، دارالکتب العلمیہ بیروت، ص ۱۹۳، طبقات ابن سعد، ج ۱، ص ۱۲۹-۱۳۰، سیرة ابن ہشام، القسم الاول، ص ۱۸۷-۱۸۸)

### شام کی جانب تجارتی سفر

حضرت خدیجہ کو بھی اس گفتگو کی اطلاع مل گئی۔ انھیں خوشی ہوئی کہ قریش کا سب سے زیادہ شریف النفس، امانت دار اور ذہین و فطین اور قابل نوجوان انھیں اپنے تجارتی قافلے کے لیے دستیاب ہے۔ وہ جن لوگوں کو اپنے تجارتی سامان کے ساتھ شام کی طرف بھیجا کرتی تھیں، انھیں دو جوان اونٹ معاوضے میں دیتی تھیں۔ ابوطالب نے کہا کہ اے بھتیجے! ہم آپ کے لیے دو اونٹ نہیں چار اونٹ مناسب سمجھتے ہیں۔ اس دوران اتفاق کی بات یہ ہے کہ خدیجہ نے خود بھی یہی سوچا اور کہا: انا اعطیک ضعف ما اعطی رجلا من قومک۔ یعنی میں آپ کی قوم کے کسی بھی دوسرے شخص کو جتنا معاوضہ دیا کرتی ہوں اس سے دو گنا آپ کو دوں گی۔ چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر رضامندی ظاہر کی اور تجارتی قافلے کو لے کر شام کی طرف روانہ ہوئے۔

### عالم ربانی کی گواہی

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خدیجہ بنت خویلد کا غلام میسرہ بھی شریک سفر تھا۔ جب قافلہ روانہ ہونے لگا تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام چچا آپ کو رخصت کرنے کے لیے جمع ہو گئے اور اہل قافلہ کو سب نے آپ کے بارے میں تاکید کی کہ آپ کا پورا پورا خیال رکھیں۔ قافلہ مکہ سے شام کی طرف کئی منزلیں طے کرتا ہوا بصری کے شہر میں پہنچا اور وہاں ایک درخت کے سائے میں ڈیرہ لگایا۔ قریب ہی ایک گرجا گھر تھا، جس کے اندر نسطور انامی ایک راہب مقیم تھا۔ اس راہب نے قافلے کو دیکھا تو وہ متوجہ ہوا اور میسرہ سے سوال و جواب کیے۔ میسرہ پہلے بھی شام



کی طرف سفر کرتا رہتا تھا اور اس راہب سے واقف تھا۔ نسطورا نے کہا: ما نزل تحت هذه الشجرة قط الا نبی، ثم قال لمیسرة افی عینیہ حمرة؟ قال نعم لا تفارقه، قال: هو نبی وهو آخر الانبیاء۔ اس درخت کے نیچے نبی کے علاوہ کبھی کوئی دوسرا نہیں اترتا۔ پھر میسرہ سے پوچھا کیا اس شخص کی آنکھوں میں سرخی ہے تو میسرہ نے جواب دیا: ہاں ہے اور یہ سرخی مستقل ان کی آنکھوں میں رہتی ہے۔ اس پر نسطورا نے کہا یہ اللہ کا نبی ہے اور یہی آخری نبی ہے۔

تائید مزید

پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے شام کے بازار اور مارکیٹ میں اپنا تجارتی سامان بیچا اور جو مال تجارت وہاں سے خریدنا تھا وہ خریدا۔ اسی دوران ایک شخص نے خرید و فروخت کے معاملے میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ مباحثہ کیا اور اپنی گفتگو میں اس نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: تولات وعزائی کی قسم اٹھا۔ اس پر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے زندگی بھر کبھی ان کی قسم نہیں کھائی، بلکہ میں تو ان کے پاس سے جب گزرتا ہوں تو اپنا رخ دوسری طرف پھیر لیتا ہوں۔ اس شخص نے بھی میسرہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا: خدا کی قسم! یہ اللہ کا نبی ہے، جسے ہمارے احبار و علماء تورات و انجیل میں پاتے ہیں۔ جو بات ایک عالم فاضل کہہ چکا تھا، اس کی تائید ایک عام آدمی نے بھی بھرے بازار میں کر دی۔ سچائی خود اپنا آپ منوالیتی ہے۔

غیر معمولی مشاہدات

اس سفر کے دوران میں میسرہ نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت قریب سے دیکھا۔ آپ کے اخلاق و معاملات اور امانت و صداقت کی تو پہلے ہی عرب معاشرے میں شہرت تھی۔ میسرہ نے کچھ مافوق الفطرت چیزوں کا بھی مشاہدہ کیا۔ وہ آپ کا ایسا گرویدہ ہوا کہ پھر زندگی بھر آپ ہی کا ہو رہا۔ وہ بیان کرتا تھا کہ جب شدت کی دھوپ اور گرمی ہوتی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اوپر کوئی غیر مرئی چیز سایہ کیے رکھتی۔ میسرہ کے خیال میں یہ اللہ کے فرشتے ہوتے تھے۔ میسرہ کے



تجارتی تجربات کافی قدیم و وسیع تھے۔ وہ ہمیشہ مختلف لوگوں کی نگرانی میں اس تجارتی قافلے کے ساتھ شام کی طرف آتا جاتا رہا تھا۔ اس مرتبہ تجارتی قافلے کو پہلے سے کئی گنا زیادہ منافع حاصل ہوا۔ واپسی پر جب یہ لوگ مرالظہر ان کے مقام پر پہنچے تو میسرہ نے کہا: اے محمد! جب ہم خدیجہ کے پاس چلیں گے تو آپ انہیں بتائیں کہ کس طرح اللہ تعالیٰ نے مال تجارت میں آپ کو کئی گنا نفع عطا کیا ہے۔ آپ نے فرمایا: ٹھیک ہے۔

### قافلہ خیر کی واپسی

یہ قافلہ مکہ میں دوپہر کے وقت پہنچا۔ خدیجہ کے ہاں مکہ کی خواتین ہر وقت حاضر رہا کرتی تھیں۔ اس وقت خدیجہ اپنے بالا خانے میں کچھ خواتین کے ساتھ بیٹھی تھیں۔ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو آتے ہوئے دیکھا۔ وہ اپنے اونٹ پر سوار تھے اور دو فرشتوں نے ان کے اوپر دھوپ سے بچاؤ کے لیے سایہ کیا ہوا تھا۔ خدیجہ نے یہ دیکھا تو اپنے ساتھ بیٹھی ہوئی خواتین کو بھی اس جانب متوجہ کر کے یہ منظر دکھایا۔ وہ خواتین یہ منظر دیکھ کر حیران رہ گئیں۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کامیاب سفر اور بہترین منافع کی خبر دی تو حضرت خدیجہ بہت خوش ہوئیں۔ خدیجہ نے میسرہ کو سائے کے بارے میں بتایا تو اس نے کہا: محترمہ! میں تو یہ منظر دوران سفر مسلسل دیکھتا رہا ہوں۔ پھر نسطور اراہب کی گفتگو کا بھی تذکرہ کیا اور ساتھ ہی یہ بھی بتایا کہ ایک شخص نے دوران خرید و فروخت آپ سے کسی بات پر اختلاف کیا اور بتوں کی قسم کھانے کی بات کی تو آپ نے اسے کیا جواب دیا اور اس شخص نے جواب میں کیا کہا۔

### چار گنا معاوضہ

اس مرتبہ چونکہ مال تجارت میں پہلے کے مقابلے میں دو گنا نفع ہوا تھا اس لیے خدیجہ بہت خوش تھیں۔ انہوں نے معاہدہ کرتے وقت آپ کے لیے چار اونٹ معاوضہ مقرر کیا تھا۔ اب خود رضا کارانہ طور پر کہا کہ چار نہیں آپ کا حق آٹھ اونٹ ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ



نے ایسی کامیابیاں عطا فرمائیں کہ آپ کے چچا ابوطالب اور سارا خاندان بنو ہاشم ان کامیابیوں پر خوشیاں منانے لگا۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تجارت سے جو کچھ بھی ملا وہ اپنے چچا کی خدمت میں پیش کر دیا۔ محبت اور خوشی سے چچا کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور اپنے بھتیجے کے لیے دل سے دعائیں نکلیں۔ اس میں شک نہیں کہ چچا تاریخ عرب کی عظیم شخصیت تھے، مگر کون انکار کر سکتا ہے کہ بھتیجا از اول تا آخر پوری ذریت آدم میں عظیم ترین تھے۔ (طبقات ابن سعد، ج ۱، ص ۱۲۹-۱۳۰، السیرة الحلبيّة، ج ۱، دارالکتب العلمیہ بیروت، ص ۱۹۳-۱۹۱)









## خدیجہ بنت خویلد سے نکاح

### مال اور عزت

خدیجہ بنت خویلد مکہ میں خاندان قریش کی سب سے معزز اور سب سے مال دار خاتون تھیں۔ بعض لوگوں کے پاس مال بہت ہوتا ہے، مگر عزت و احترام سے محروم ہوتے ہیں، بعض دوسرے لوگوں کے پاس مال و دولت نہیں ہوتا، مگر وہ معززین اور شرفا میں شمار ہوتے ہیں۔ اس عظیم خاتون کو اللہ نے دونوں اعزاز بخشے تھے۔ جوانی میں ان کی پہلی شادی ابوہالہ ہند بن نباش بن زرارہ کے ساتھ ہوئی، جو بنو تمیم میں سے تھے۔ ابوہالہ شادی کے تھوڑے عرصے بعد وفات پا گئے۔ ان سے سیدہ خدیجہ کے دو بیٹے تھے۔ ایک کا نام ہالہ اور دوسرے کا اپنے باپ ہی کے نام پر ہند تھا۔ گویا دونوں باپ بیٹے کا ایک ہی نام تھا۔ سیدہ خدیجہ کی دوسری شادی بنو مخزوم کے ایک خوش اخلاق نوجوان عتیق بن عائد بن عبد اللہ بن عمر بن مخزوم سے ہوئی۔ ان سے حضرت خدیجہ کی ایک لڑکی پیدا ہوئی۔ اس کا نام ہندہ تھا، جسے بعض مورخین نے ہند بھی لکھا ہے۔ عتیق بن عائد بھی شادی کے کچھ ہی عرصے بعد جوانی میں انتقال کر گئے۔ ان کی بیٹی ہند صحابیات میں شامل ہیں۔

### دور و ایات

ایک روایت کے مطابق سیدہ خدیجہ کے والد خویلد بن اسد فوت ہو چکے تھے جبکہ دوسری روایت یہ ہے کہ وہ زندہ تھے، مگر بد قسمتی سے اتنی شراب پیتے تھے کہ انھیں مدہوش ہی پایا گیا۔ سیرت الحلبيہ میں یہ واقعہ لکھنے کے ساتھ ہی اس کی تردید بھی کی گئی ہے۔ مورخ حلبی خود بیان کرتے ہیں کہ خویلد بن اسد حرب الفجار سے قبل فوت ہو گیا تھا، جبکہ بعض لوگوں کے نزدیک وہ یمن



کے حکمران تیج کے مقابلے پر اس وقت کھڑا ہوا جب تیج خانہ کعبہ سے حجر اسود اکھاڑ کر یمن لے جانا چاہتا تھا۔ قریش کے کئی اور غیرت مند نوجوان بھی خویلد کے ساتھ ہتھیار بند ہو کر نکل کھڑے ہوئے۔ اتفاق سے تیج نے رات اتنا خوف ناک خواب دیکھا کہ اب وہ اپنے ارادے سے تائب ہو گیا اور حجر اسود کو چھیڑے بغیر یمن چلا گیا۔ ہمارے نزدیک صحیح روایت یہی ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حضرت خدیجہ سے نکاح کے وقت خویلد فوت ہو چکا تھا۔

خویلد کے بھائی اور حضرت خدیجہ کے چچا عمرو بن اسد خاندان کے سربراہ اور صاحب الرائے قریشی سردار تھے۔ وہی سارے خاندان کے سرپرست بھی تھے۔ حضرت خدیجہ کے دو بھائی حزام بن خویلد (حضرت حکیم بن حزام کے والد) اور عوام بن خویلد (حضرت زبیر بن العوام کے والد اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی صفیہ کے خاوند) تھے۔ یہ دونوں بھائی جوانی میں فوت ہو گئے تھے۔ والد اور بھائیوں کی وفات کے بعد حضرت خدیجہ کے خاندانی سرپرست ان کے چچا عمرو بن اسد تھے۔ (الاصابة فی تمیز الصحابة، لابن حجر العسقلانی، ج ۲، مطبوعہ دارصادر بیروت، ص ۲۸۰-۲۸۱، اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابة، اردو ترجمہ، ج ۳، حصہ ہفتم، مکتبہ خلیل، ص ۲۲۰-۲۲۱، السیرۃ الحلبیۃ، ج ۱، دارالکتب العلمیۃ بیروت، ص ۲۰۰)

حضرت خدیجہ کو ان کے دوسرے خاوند کی وفات کے بعد قریش کے کئی معزز سرداروں نے نکاح کے پیغام بھیجے، مگر انہوں نے ہر ایک کے جواب میں معذرت کی۔ جب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق و کردار کو دیکھا تو ان سے اتنی متاثر ہوئیں کہ اگرچہ دوبارہ شادی کرنے کا ارادہ دل سے نکال چکی تھیں، مگر اب رائے سے رجوع کر لیا۔ انہوں نے اپنی ایک ہم راز سہیلی نفیسہ بنت منیہ کو کہا کہ وہ محمد بن عبد اللہ سے جا کر ملاقات کرے اور ان کو نکاح کی پیش کش کرے۔ نفیسہ بہت سمجھ دار خاتون تھیں۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں اور آپ سے کہا: ”اے محمد! آپ جوان آدمی ہیں، آپ نکاح کیوں نہیں کر لیتے۔“ آپ نے جواب میں فرمایا: ابھی میرے پاس اتنے وسائل نہیں ہیں کہ میں نکاح کر سکوں۔ اس پر نفیسہ نے کہا کہ اگر وسائل میسر ہو جائیں اور



آپ کو کسی عزت و شرف والی خاتون، جو حسن و جمال کا بھی پیکر ہو اور جس کے ہاں مال و دولت کی بھی ریل پیل ہو، کی طرف سے پیش کش کی جائے تو آپ کا کیا رد عمل ہوگا؟

مبارک پیش کش

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نفیسہ سے پوچھا: تم جس خاتون کے بارے میں بات کر رہی ہو وہ کون ہے؟ اس نے جواب دیا: ”خدیجہ بنت خویلد۔“ آپ نے فرمایا: میرے لیے ان کی پیش کش کہاں ہے؟ اس پر نفیسہ نے عرض کیا: آپ اس کی فکر نہ کریں یہ میری ذمہ داری ہے۔ آپ نے فرمایا: اگر وہ پیش کش کریں گی تو میں قبول کر لوں گا۔ حضرت خدیجہ کے والد اور بھائی فوت ہو چکے تھے۔ ان کے چچا عمرو بن اسد بھی کافی عمر رسیدہ تھے جبکہ ان کے دادا اسد بن عبد العزیٰ بن قصی بھی حیات تھے اور ان کی عمر سو سال سے زیادہ تھی۔ بینائی سے معذور ہونے اور بڑھاپے کے ضعف کی وجہ سے وہ نہ تو کہیں آ جاسکتے تھے اور نہ ہی کوئی فیصلہ کرنے کی پوزیشن میں تھے۔ اس وقت حضرت خدیجہ کے سرپرست اور ولی ان کے چچا عمرو بن اسد ہی تھے۔

بنو عبدالمطلب کی آمد اور مبارک فیصلہ

حضرت خدیجہ کو ان کی ہمراز سہیلی نفیسہ نے جب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ملاقات اور اپنی گفت و شنید سے آگاہ کیا تو سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کو ایک گونہ اطمینان ہوا۔ انہوں نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پیغام بھیجا کہ آپ اپنے بزرگوں کے ساتھ میرے چچا عمرو بن اسد سے فلاں وقت آ کر ملاقات کریں اور ان کے سامنے سوال پیش کریں۔ اسی دوران انہوں نے اپنے چچا کو بھی اس صورت حال سے مطلع کیا۔ ان کے چچا اس پر خوش ہوئے۔ پروگرام کے مطابق آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے سب چچاؤں کو ساتھ لے کر عمرو بن اسد کے پاس آئے۔ عمرو بن اسد نے ان کا استقبال کیا اور ان کے سوال کا مثبت جواب دیا۔ اسی مجلس میں آپ کا سیدہ خدیجہ سے نکاح ہوا۔ ایک روایت کے مطابق آپ کے چچا ابوطالب نے اس موقع پر اپنے رواج اور عرف کے مطابق خطبہ نکاح بھی پڑھا۔



## موثر خطبہ نکاح

ابوطالب کا خطبہ نکاح مورخین نے نقل کیا ہے جو بہت فصیح و بلیغ اور بامعنی ہے۔ اس کے آغاز میں انہوں نے کہا: ”الحمد لله الذي جعلنا من ذرية ابراهيم..... حمد وتعريف الله کے لیے جس نے ہمیں ابراہیم کی اولاد میں پیدا کیا۔ اسماعیل کے باغیچے کے پھول بنایا اور اپنے مقدس گھر کی نگرانی اور خدمت کے لیے ہمیں منتخب کیا۔ ہمارے شہر کو امن و امان کا گہوارہ بنایا اور ہمیں لوگوں کا حاکم بننے کا شرف عطا ہوا۔ یہ میرا بھتیجا محمد ہے جس کی مثل دنیا کا کوئی انسان نہیں۔ وہ ہر معاملے میں سب سے افضل و برتر ہے، ہاں مال و دولت کی فراوانی نہیں، لیکن مال و دولت کا کیا، یہ تو ہاتھ کا میل ہوتا ہے۔ اے خاندان بنو اسد! آپ کی عفت مآب اور معزز بیٹی خدیجہ کے لیے محمد نے تمہیں پیغام دیا، ہم شکر گزار ہیں کہ تم نے اس پیغام کا مثبت جواب دیا ہے۔ حق مہر ہم ادا کرتے ہیں، جو پانچ سو درہم ہے۔“ اس کے بعد ایجاب و قبول ہوا اور دونوں خاندانوں نے ایک دوسرے کو مبارک باد دی۔ خاندان بنو اسد کے تمام لوگ اور بنو ہاشم کے بھی تمام ارکان اس موقع پر موجود تھے۔ (السيرة الحلبية، ج ۱، دارالکتب العلمیہ بیروت، ص ۲۰۱-۲۰۲)

## ایمان افروز زندگی

قال عمرو بن اسد بعد تزويجهما: ان هذا البضع لا يقرع انفه۔ حضرت خدیجہ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح کے بعد سیدہ خدیجہ کے چچا نے کہا کہ یہ اتنا اچھا اور مبارک نکاح ہے کہ اس پر کسی قسم کی تنقید اور نکتہ چینی نہیں کی جاسکتی۔ نکاح کے وقت سیدہ خدیجہ کی عمر ۴۰ سال تھی کیونکہ وہ اصحاب فیل کے حملے سے پندرہ سال پہلے پیدا ہوئی تھیں، جبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر ۲۵ سال تھی کیونکہ آپ کی پیدائش عام الفیل میں ہوئی۔ واقعہ اصحاب فیل کو ۲۵ سال گزر چکے تھے۔ تاریخ انسانی کے اس مثالی جوڑے نے ۲۵ سال ایک ساتھ زندگی گزاری، جس کا ایک ایک لمحہ یادگار اور ایمان افروز ہے۔ سیدہ خدیجہ کی وفات ۶۵ سال کی عمر میں ۱۰ نبوی



میں ہوئی۔ اسی سال آپ کے مہربان اور مشفق چچا جناب ابوطالب دنیا سے رخصت ہو گئے۔ اس سال کو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں عام الحزن یعنی غم کے سال کا عنوان دیا گیا ہے۔ (السیرة الحلبيّة، ج ۱، دارالکتب العلمیہ بیروت، ص ۱۹۹-۲۰۱، البداية والنهاية، ج ۱، طبع دار ابن حزم، بیروت، ص ۴۱۷-۴۱۸)



## مثالی جوڑے کی اولادِ طیبہ

### آلِ مطہرہ اور ان کی ترتیب

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا بہت خوش تھیں۔ آپ کے اخلاقِ حسنہ اور پاکیزہ کردار نے ان کے گھر کو دنیا ہی میں جنتِ نظیر بنا دیا تھا۔ مورخین نے سیدہ خدیجہ سے اولاد کی ترتیب بیان کرنے میں مختلف انداز اختیار کیے ہیں۔ ہمارے نزدیک صحیح ترین روایت کے مطابق ترتیب یوں ہے: آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شادی کے تقریباً ایک سال بعد آپ کو اللہ نے پہلے صاحبزادے جناب قاسم کی ولادت سے خوشیاں عطا فرمائیں۔ ان کا نام مشورے کے ساتھ قاسم رکھا گیا۔ انھی کی نسبت سے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم ابو القاسم کہلاتے ہیں۔ قاسم کا نام طیب بھی معروف ہے، مگر زیادہ مستند روایات کے مطابق آپ کے دوسرے فرزند عبد اللہ بن محمد ہی کو طیب اور طاہر کے القاب سے یاد کیا جاتا ہے۔

قاسم کے دو سال بعد آپ کی بڑی بیٹی سیدہ زینب بنت محمد پیدا ہوئیں۔ پھر ان کے بعد آپ کے دوسرے بیٹے عبد اللہ پیدا ہوئے، جو طیب اور طاہر کے نام سے تاریخ میں معروف ہیں۔ ان کے بعد سیدہ رقیہ بنت محمد کی ولادت ہوئی۔ رقیہ سے چھوٹی صاحبزادی حضرت ام کلثوم تھیں۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے آپ کی آخری اولاد سیدہ فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا ہیں جو آپ کو سب سے زیادہ محبوب تھیں۔ انھی کو آپ نے خواتین جنت کی سردار (سیدة نساء اهل الجنة) کا لقب دیا۔

### بیٹوں کی مفارقت

آپ کے صاحبزادے قاسم بچپن میں فوت ہو گئے۔ بعض روایات کے مطابق قاسم اتنی عمر کو



پہنچ گئے تھے کہ وہ گھوڑے پر سوار ہو سکتے تھے۔ پھر اچانک ان کی وفات ہو گئی۔ آپ کے دوسرے بیٹے عبداللہ بھی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے چند سال بعد فوت ہو گئے تھے۔ یکے بعد دیگرے دونوں بیٹے داغ مفارقت دے گئے۔ والدین پر غم کے پہاڑ ٹوٹ پڑے، مگر ان کا صبر بے مثال تھا۔ عبداللہ بن محمد کی وفات پر بد بخت کفار مکہ نے بڑی خوشیاں منائیں اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ابتر (دم کٹا) قرار دیا۔ ابن سعد لکھتے ہیں کہ عاص بن وائل سہمی نے کہا: قد انقطع ولده فهو ابتر، یعنی محمد کی زینہ اولاد ختم ہو گئی ہے، لہذا وہ ابتر ہیں۔ کم و بیش ایسے ہی الفاظ آپ کے بد بخت چچا ابولہب نے بھی کہے۔ اسی پر قرآن کی مختصر مگر جامع ترین سورت سورہ الکوثر نازل ہوئی۔

إِنَّا أَعْطَيْنَكَ الْكَوْثَرَ ۝ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ۝ إِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْأَبْتَرُ ۝  
(الکوثر ۸: ۱-۳)۔ (اے نبی!) ہم نے تمہیں کوثر عطا کر دیا۔ پس تم اپنے رب ہی کے لیے نماز پڑھو اور قربانی کرو۔ تمہارا دشمن ہی جڑ کٹا ہے۔

### عقیقہ کی سنت

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی حضرت صفیہ بنت عبدالمطلب کی آزاد کردہ ایک لونڈی تھی جس کا نام سلمیٰ تھا۔ وہ بہت سمجھ دار اور باشعور خاتون تھیں۔ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا عموماً اپنے ذاتی کاموں کے لیے اس کی خدمات حاصل کرتی تھیں۔ جب بھی زچگی کا زمانہ ہوتا تو وہ ان کو اپنے ہاں بلا لیا کرتی تھیں۔ وہ بچوں کی پیدائش سے لے کر دودھ پلانے والی خواتین کے تقرر تک زچہ اور بچہ کی دیکھ بھال کرتیں۔ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا اپنے بچوں کو دودھ پلانے کے لیے پہلے ہی سے مناسب خواتین کا اہتمام کر لیا کرتی تھیں۔ اسلام میں بیٹے کی پیدائش پر دو بکرے، مینڈھے یا دنبے اور بیٹی کی پیدائش پر ایک بکرا، مینڈھا یا دنبہ ذبح کر کے عقیقہ کرنے کا حکم ہے۔ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا دور اسلام سے قبل بھی اپنے بچوں کے لیے عقیقہ کا اہتمام کیا کرتی تھیں۔ کیا خوب اللہ



کی بندی تھیں۔ یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کے وقت سے عربوں میں رائج تھا۔ اکثر لوگ اسے بھول چکے تھے۔ نبی محترم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سنت کو پھر سے زندہ کیا۔

(طبقات ابن سعد، ج ۱، ص ۱۳۳-۱۳۴، سیرۃ ابن ہشام، القسم الاول، ص ۱۹۰)

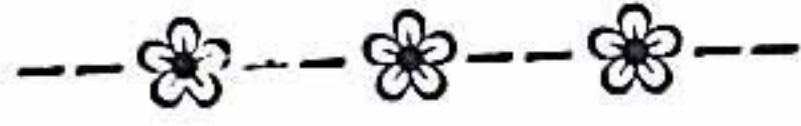
آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اور سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کا نکاح ہونے کے بعد اس قدسی جوڑے کے کاروبار میں حسب سابق اللہ نے بہت برکت دی۔ وقت گزرتا گیا اور بہت سے واقعات رونما ہوتے چلے گئے۔ یہ واقعات سیرت کی کتابوں میں تفصیلاً نقل کیے گئے ہیں۔ ہم اختصار کے ساتھ چند اہم واقعات کا تذکرہ اگلے چند صفحات میں کریں گے۔ یہاں ہم عرض کرنا چاہتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک جوں جوں بڑھ رہی تھی، آپ کا تعلق اللہ رب العزت کے ساتھ اسی نسبت سے گہرے سے گہرا ہوتا چلا جا رہا تھا۔ آپ دنیوی ہنگاموں سے ذرا ہٹ کر غور و فکر میں کافی وقت گزارنے لگے تھے۔ اس کیفیت کو عربی زبان اور قرآنی اصطلاح میں تبتُّل کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ نبوت کے بعد بھی قرآن پاک میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا: **وَإِذْ كُنَّا اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلًا** (المزل ۷۳: ۸) اپنے رب کے نام کا ذکر کیا کرو اور سب سے کٹ کر اسی کے ہو رہو۔

نہ ترک دنیا، نہ غرق دنیا

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس غور و فکر کے زمانے میں کاروبار کی طرف آپ کی توجہ کافی حد تک کم ہو گئی تھی۔ تاہم سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے تجارتی کاروان معمول کے مطابق شام اور دیگر علاقوں کی طرف آتے جاتے تھے۔ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے کبھی بھی اپنا پیسہ خرچ کرنے میں بخل سے کام نہیں لیا تھا۔ نبوت سے قبل آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تبتُّل اور گوشہ نشینی کا دور ایک لحاظ سے اس عظیم ذمہ داری کو اٹھانے کے لیے ابتدائی تیاری، تربیت اور ریاضت کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس دوران آپ دوست احباب، خاندان اور رشتہ داروں، اپنی اہلیہ اور بچوں سب کے حقوق پوری



طرح ادا کرتے تھے۔ ایسا نہیں کہ آپؐ نے ان ذمہ داریوں کو نظر انداز کر دیا ہو۔ آپؐ برابر اپنے گھر میں بچوں کی تربیت اور انھیں شفقت پداری سے مالا مال کرنے کا فریضہ ادا کرتے رہتے تھے۔ کاروبار اور تجارت پر بھی توجہ رکھتے تھے۔ اگرچہ خود عملاً وقت کم دے پاتے تھے تاہم پوری ہدایات اور نگرانی کا اہتمام فرماتے تھے۔ آپؐ نے نبوت سے قبل بھی عملاً یہ پیغام دیا کہ متوازن زندگی کا حسن یہی ہے کہ انسان نہ ترک دنیا کرے اور نہ غرق دنیا ہو جائے۔





## خانہ کعبہ کی تعمیر نو

سید الکونین پر نظرِ رحمت

محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں ایک یتیم کی حیثیت سے تشریف لائے۔ آپ یتیم ہونے کے باوجود ایسے خاندان کے چشم و چراغ تھے، جس نے آپ کو ہر طرح کی سہولیات کے ساتھ پروان چڑھایا۔ والدہ کی وفات کے بعد دادا جان اور ان کی وفات کے بعد شفیق و مہربان چچا آپ کے سر پرست رہے۔ یہ دنیاوی سرپرستی اپنی جگہ مگر اللہ رب العالمین نے آپ کو سید کونین اور خاتم المرسلین کا جو مقام بخشا تھا، وہ تخلیق کائنات کے روز اول سے آپ کا مقدر اور آپ کی شان تھی۔ خالق کائنات نے اپنے محبوب پر ہمیشہ اپنی نظرِ رحمت مرکوز رکھی۔ ہر مشکل میں وہی آپ کا سہارا بنا اور اس نے ظاہری اسباب فراہم کیے۔ وحی ربانی چالیس سال کی عمر میں آئی، مگر آپ نے وحی سے قبل بھی ایک شاندار اور قابلِ تحسین زندگی گزاری۔ دوست اور دشمن سبھی اس بات کے معترف تھے کہ در یتیم کے اندر کوئی اخلاقی عیب اور جھول نہیں۔ وہ صادق و امین ہیں، خوش خلق اور مہمان نواز ہیں، مظلوموں کے حامی اور مصیبت زدگان کے سر پرست ہیں۔ آپ کی نبوت سے قبل کی زندگی کا اہم واقعہ خانہ کعبہ کی تعمیر نو ہے۔ جب اس واقعہ کا تذکرہ سنایا پڑھا جائے تو مسلم اور غیر مسلم ہر شخص پکار اٹھتا ہے کہ سنگریزوں کے درمیان یہ خالص ہیرا اپنی چمک دمک میں بے مثال اور اپنی قدر و قیمت میں بے نظیر ہے۔

خانہ کعبہ از زمین تا عرش بریں

خانہ کعبہ کی تعمیر سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے اسماعیل علیہ السلام کے ساتھ مل کر مکمل کی تھی۔



اللہ تعالیٰ نے اس گھر کو جو عزت و شرف عطا فرمایا ہے وہ دنیا کے کسی عبادت خانے یا مقام کو عطا نہیں ہوا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ بیت اللہ کی حدود زمین سے لے کر آسمانوں کی بلندیوں تک جاتی ہیں اور تخلیق کائنات کے وقت ہی اللہ تعالیٰ نے زمین کے اس ٹکڑے کو یہ مقام عظیم عطا فرما دیا تھا۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے تعمیر کردہ خانہ کعبہ کی عمارت کو کئی مرتبہ مرور زمانہ اور ارضی و سماوی حادثات کی وجہ سے نئے سرے سے تعمیر کرنے کی ضرورت پیش آئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دورِ جوانی میں بھی خانہ کعبہ کی تعمیر کو پانی کے ایک تیز ریلے نے جو پہاڑوں کے اوپر سے آیا، خاصا نقصان پہنچایا جس سے اس کی دیواریں گر گئیں۔

### مشقت اور ستر

قریش مکہ نے اس گھر کی تعمیر نو کے لیے باہمی منصوبہ بنایا۔ اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر ۳۵ برس تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی دیگر قریشی سرداروں اور عوام کے ساتھ تعمیر کعبہ کے اس کارِ خیر میں مصروف عمل ہو گئے۔ لوگ پتھر اٹھا اٹھا کر لاتے اور اس کے لیے اپنے کندھوں پر اپنے تہہ بند کے نچلے حصے کو ڈال دیتے۔ بعض لوگوں کے ستر کے حصے کھل جاتے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار پتھر اٹھاتے ہوئے اپنے تہہ بند کا پہلو اپنے کندھے پر ڈالا۔ آپ کو آواز آئی: عورت تک۔ یعنی اپنے پردے کا خیال رکھو۔ پہلی آواز سننے کے بعد ایک جانب سے آپ کے چچا ابوطالب کی بھی یہ آواز آئی۔ وہ فرما رہے تھے: یا بنی اخی اجعل ازارک علی رأسک یعنی اے بھتیجے اپنے تہہ بند کا دامن اپنے سر پر ڈال لے۔ آپ نے فرمایا: میری بھول کے باعث جو کچھ ہو گیا سو ہو گیا اب میں کبھی اپنا ستر ننگا نہ ہونے دوں گا۔ فما رؤیت لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عورة بعد ذالک یعنی اس واقعہ کے بعد کبھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ستر زندگی بھر کسی نے نہیں دیکھا۔

### جہاز کی لکڑیاں اور تعمیر کعبہ

اس مرتبہ تعمیر کعبہ میں قریش کے سرداروں میں سے ولید بن مغیرہ کا نام بہت نمایاں نظر







ذمے لگا اور یہ تھے بنی اسد بن عبد العزیٰ اور بنی عبدالدار بن قصی۔

- ۳- مغربی جانب کی دیوار (رکن حجر سے لے کر رکن یمانی تک) کی تعمیر کی ذمہ داری بھی دو قبائل بنو تمیم اور بنو مخزوم کے حصے میں آئی۔ ولید بن مغیرہ (خالد بن ولید کا والد) بنو مخزوم ہی میں سے تھا، جبکہ بنو تمیم حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا قبیلہ تھا۔
- ۴- رکن یمانی سے حجر اسود تک چار قبائل کو تعمیر کرنا تھی۔ بنو سہم، بنو جمیح، بنو عدی اور بنو عامر بن لوی۔

### خوش آئند فیصلہ

تعمیر کعبہ کا کام خوش اسلوبی سے شروع ہو گیا۔ تمام بڑے بڑے سردار بنفس نفیس اس میں شریک تھے۔ یہ بھی بہت خوبی کی بات ہے کہ تمام برائیوں میں ملوث ہونے کے باوجود قریش کے تمام لوگوں نے متفقہ طور پر فیصلہ کیا کہ تعمیر کعبہ میں صرف حلال کمائی استعمال کی جائے گی۔ ہر ایک کی زبان پر مختلف اشعار تھے۔ قبائلی انتشار اور باہمی تفاخر کے اس دور میں بیت اللہ شریف کے اندر قریش کا یہ متحدہ عمل ایک تاریخی اہمیت کا حامل یادگار واقعہ ہے۔ تعمیر کے اس کام میں اس وقت ایک مشکل پیش آ گئی جب حجر اسود کو اس کی جگہ نصب کرنے کا مرحلہ آیا۔ ہر قبیلے کے سردار کی یہ خواہش تھی کہ حجر اسود کو وہی اس کی جگہ پر نصب کرے۔ اس پر تو تکار شروع ہوئی تو جنگ کا خطرہ پیدا ہو گیا۔

### صادق و امین پر سب کا اتفاق

آخر ایک بزرگ سردار جس کا نام مورخین نے ابو امیہ بن مغیرہ بن عبد اللہ بن عمرو بن مخزوم بیان کیا ہے، نے یہ کہا کہ اللہ کے گھر میں لڑائی جھگڑا ہمیں زیب نہیں دیتا۔ اس وقت اس شخص کی عمر قریش میں سب سے زیادہ تھی۔ اس نے کہا کہ اس معاملے کا فیصلہ خوش اسلوبی اور باہمی پیار و محبت سے ہونا چاہیے۔ چنانچہ سب نے قرارداد منظور کی کہ دیکھو باب بنی شیبہ سے سب سے پہلے کون شخص اندر آتا ہے۔ وہ جو بھی ہو اسی کو حکم مان لیا جائے۔ اب سب لوگ بڑے تجسس اور



شوق سے باب بنی شیبہ کی طرف دیکھنے لگے۔ سب سے پہلے جو شخص نمودار ہوئے وہ سید الاولین والآخرین محمد بن عبد اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام تھے۔ آپ کی عمر اس وقت ۳۵ سال تھی۔ انہیں دیکھ کر تمام کے تمام لوگ پکار اٹھے۔ هذا الامین قد رضینا بما قضی بیننا۔ یعنی یہ امین تشریف لے آئے ہیں وہ اس معاملے میں جو بھی فیصلہ کریں گے ہم اس پر راضی ہوں گے۔ مورخین کی ایک رائے یہ بھی ہے کہ متفقہ طور پر طے پایا تھا کہ تعمیری کام کو بند کر دیا جائے اور اگلے دن سب سے پہلے جو شخص بیت اللہ میں موجود ہو اسے فیصلہ قرار دے دیا جائے اور اس کے فیصلے کو قبول کر لیا جائے۔ بہر حال جو بھی صورت تھی اصل بات تو یہ ہے کہ صادق و امین پر کسی کو کسی قسم کے تحفظات و اعتراضات نہ تھے۔ (طبقات ابن سعد، ج ۱، ص ۱۴۶، البدایہ والنہایہ، ج ۱، طبع دار ابن حزم بیروت، ص ۴۲۳)۔

### اطمینان بخش فیصلہ

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جب ساری صورت حال کے بارے میں بتایا گیا تو آپ نے اپنی خداداد ذہانت و صلاحیت سے معاملے کو خوش اسلوبی سے حل فرما دیا۔ آپ نے اپنی چادر زمین پر بچھا دی اور اپنے دست مبارک سے حجر اسود کو اٹھا کر اس کے اندر رکھا، پھر فرمایا: ”چاروں جانب تعمیر کے لیے قبائل کے درمیان جس طرح دیواریں تقسیم ہوئی ہیں، اس کے مطابق ان چاروں فریقوں میں سے ایک ایک شخص کو قرع اندازی سے منتخب کر لیا جائے۔“ چنانچہ ربع اول میں سے عتبہ بن ربیعہ کا نام آیا۔ ربع ثانی سے ابوزمعه، ربع ثالث سے ابو حذیفہ بن المغیرہ اور ربع رابع سے قیس بن عدی کے ناموں پر قرعہ نکلا۔ اب آپ نے فرمایا: ”آپ چاروں قائدین آگے آئیں اور چادر کا ایک ایک کونہ پکڑ لیں۔“ جب انہوں نے کونے پکڑ لیے تو آپ نے فرمایا: ”اب اسے اوپر اٹھائیں۔“ جب انہوں نے چادر اوپر اٹھائی اور وہ حجر اسود کے مقام تک بلند ہو گئی تو آپ نے وہ پتھر اپنے دست مبارک سے اٹھا کر اس کی جگہ پر نصب کر دیا۔ ایک دوسری رائے یہ بھی ہے کہ آپ نے اپنی چادر کے اوپر حجر اسود کو رکھ دیا تو تمام قبائل کے سرداروں کو دعوت دی۔ چار بڑے



سرداروں نے چادر کے کونے پکڑ لیے اور باقیوں نے کونوں کے درمیان کا حصہ پکڑ لیا۔ یوں سب نے چادر کو اوپر اٹھایا اور آپ کے دست مبارک سے یہ کام پایہ تکمیل کو پہنچ گیا۔

### شیطان کی دخل اندازی

مورخین نے تنصیب حجر اسود کے موقع پر رونما ہونے والا ایک اور واقعہ بھی نقل کیا ہے۔ حجر اسود جب اپنے مقام پر رکھا جا چکا تو اسے مضبوط کرنے کے لیے آنحضور نے ایک پتھر مانگا۔ اس موقع پر ایک نجدی بوڑھا آگے بڑھا اور اس نے پتھر پکڑنا چاہا۔ حضرت عباس بن عبدالمطلب نے کہا کہ نہیں یہ کام قریش ہی کر سکتے ہیں اور اسے پیچھے ہٹا دیا۔ اس پر وہ شخص بڑا غضب ناک ہوا۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”انہ لیس احدٌ بینی معنا فی البیت الامنا۔ یعنی تعمیر کعبہ کا کام ہماری ذمہ داری ہے اور ہم ہی اسے سرانجام دیں گے کسی دوسرے کو دخل اندازی کی ضرورت نہیں۔“ (ایضاً)

اس پر وہ بوڑھا بہت تلملایا اور اس نے قریش کی خوبیاں بیان کرنے کے ساتھ یہ کہا کہ مجھے تعجب ہے کہ قریش نے آج اس شخص کو یہ شرف بخشا ہے جو عقل میں، مال میں، عمر اور تجربے میں سب سے کم ہے۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ عن قریب وہ تم سب کو پیچھے چھوڑ جائے گا اور تم سب کا مقدر ذلت اور سبکی ہوگی۔ کہا جاتا ہے کہ یہ ابلیس تھا جو انسانی شکل میں آیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے ہاتھ سے اپنے گھر کی تعمیر میں پتھر قبول نہ کیا اور اپنے نبی کو یہ بات سجھائی جو بظاہر ان کے اخلاق عالیہ سے متضاد دکھائی دیتی ہے، مگر فی الحقیقت یہ شیطانی چال پر ضرب کاری تھی۔

### ابوطالب کی مسرت اور اشعار

خانہ کعبہ کی تعمیر کے موقع پر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جو اعزاز ملا اسی کی یاد میں آپ کے چچا جناب ابوطالب نے خوشی اور مسرت سے یہ اشعار کہے:

إِنَّ لَنَا أَوْلَاهُ وَآخِرَهُ  
فِي الْحُكْمِ وَالْعَدْلِ الَّذِي لَا نُنْكِرُهُ



وَقَدْ جَهَدْنَا جَهْدَهُ لِنَعْمَرَهُ  
 وَقَدْ عَمَرْنَا خَيْرَهُ وَأَكْثَرَهُ  
 فَإِنْ يَكُنْ حَقًّا فَفِينَا أَوْفَرَهُ

اس کارِ خیر کی ابتدا بھی ہمارے مقدر میں تھی اور انتہا بھی۔ اللہ نے ہمیں حکم بھی بنایا اور پھر ہمیں مکمل انصاف کی بھی توفیق بخشی، جس سے کوئی بھی سرتابی نہ کر سکا۔  
 ہم نے اس گھر کی تعمیر اور آبادی کے لیے کاوش و محنت کی، ہم نے اس گھر کے خیر اور برکات میں سے بھی وافر حصہ پایا۔

اب جو بھی سچ اور حقیقت ہے اس میں سے ہمیں وافر حصہ ملا ہے۔ (طبقات ابن سعد، ج ۱، ص ۱۲۷)

حطیم

خانہ کعبہ کی دیواریں جب مکمل ہو گئیں تو چھت ڈالنے کے لیے پندرہ شہتیر ان دیواروں پر نصب کیے گئے۔ پھر لکڑی کی چھت ڈال کر اس کے اوپر مٹی کے ساتھ لپائی کر دی گئی۔ خانہ کعبہ کی تعمیر میں حلال کمائی کی شرط کی بنا پر دستیاب رقم کم اور خرچہ زیادہ تھا۔ اسی مجبوری کے تحت حطیم کے حصے کو خانہ کعبہ سے باہر رکھا گیا۔ تاہم اس کے خانہ کعبہ کا حصہ ہونے کی بنا پر اس کے گرد بھی ایک مخروطی دیوار بنا دی گئی، جس پر چھت نہیں ہے اور جس میں سے مشرق سے مغرب کی طرف گزرنے کا راستہ بھی ہے۔

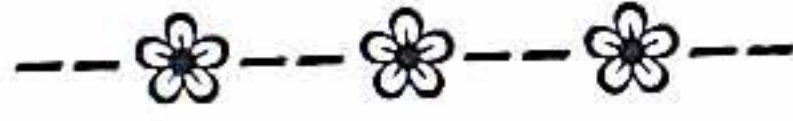
فتح مکہ کے بعد ایک موقع پر سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:  
 ”إِنَّ قَوْمَكَ اسْتَقْصَرُوا مِنْ بُنْيَانِ الْكُعْبَةِ وَلَوْلَا حَدِيثُ عَهْدِهِمْ بِالشِّرْكِ أَعَدْتُ فِيهِ مَا تَرَكَوْا مِنْهُ۔ یعنی اے عائشہ! تیری قوم نے کعبہ کی تعمیر میں کمی کر دی تھی، میں چاہتا ہوں کہ اس حصے کو خانہ کعبہ میں شامل کر دوں، مگر اس فتنے کے خوف سے ایسا نہیں کر رہا، کیونکہ تیری



قوم شرک چھوڑ کر نئی نئی اسلام میں داخل ہوئی ہے، کہیں اس عمل پر اختلافات نہ پیدا ہو جائیں۔“  
(کنز العمال: ۱۲/۷۶۲-۳۴)

### خانہ کعبہ کا بلند دروازہ

پھر آپؐ نے یہ بھی فرمایا کہ مجھے اچھی طرح سے معلوم ہے کہ خانہ کعبہ کی اصلی عمارت کی حدود کہاں سے کہاں تک تھیں۔ کیا تم جانتی ہو کہ تمہاری قوم نے بیت اللہ کا دروازہ کیوں بہت اونچا کر دیا۔ میں نے عرض کیا کہ میں تو نہیں جانتی۔ آپؐ نے فرمایا کہ اپنے اس تفاخر کے لیے کہ جسے وہ چاہیں اسے داخلے کی اجازت دیں اور جسے مکروہ خیال کریں اسے روک دیں۔ قریش خانہ کعبہ کا دروازہ پیر اور جمعرات کے دن کھولا کرتے تھے۔ خانہ کعبہ کے کلید بردار ہونے کا اعزاز بنو شیبہ کو حاصل تھا۔ آج کے روز تک وہی کلید بردار کعبہ ہیں۔





## حلف الفضول

### مظلوم کی پکار

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی قبل از بعثت کے یادگار واقعات میں سے ایک بہت اہم واقعہ وہ حلف ہے جو قریش کے مختلف خاندانوں کے چند افراد نے باہمی طور پر طے کیا۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس معاہدے میں ایک رکن کے طور پر شریک تھے۔ زیر نظر واقعہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک کے بیسیویں سال کا ہے۔ عربوں کی ساری خرابیوں کے باوجود ان کے اندر ابھی تک اخلاق حسنہ کی بعض باقیات موجود تھیں۔ ظلم کے خلاف کبھی کبھار ان کی رگ حمیت جاگ اٹھتی تھی اور وہ ظالم سے مظلوم کا حق دلانے کے لیے سینہ سپر ہو جاتے تھے۔

واقعہ کی تفصیلات میں بیان کیا گیا ہے کہ قبیلہ بنو زبید کا ایک شخص کچھ مال تجارت لے کر مکہ آیا۔ اس کی بیٹی بھی اس کے ساتھ تھی۔ اس تاجر سے اس کا سامان مکہ کے مشہور اور مال دار سردار عاص بن وائل نے خرید لیا۔ لیکن اس نے سینہ زوری کرتے ہوئے اس زبیدی تاجر کی بیٹی کو بھی اپنے قبضے میں لے لیا۔ وہ اجنبی شخص خانہ کعبہ میں آیا اور خانہ کعبہ کا غلاف پکڑ کر بلند آواز سے روتے پیتے ہوئے فریاد کرنے لگا: اے شہر مکہ کے شرفا! تمہارے بااثر آدمی عاص بن وائل نے مجھ سے زبردستی میری بیٹی چھین لی ہے۔ میں مسافر اور مظلوم ہوں، تمہاری خدمت میں درخواست گزار ہوں کہ میری داد رسی کرو اور میری بیٹی مجھے واپس دلاؤ۔

### پکار کا مثبت جواب

قریش کے کچھ نوجوانوں نے اس مظلوم کی آہ و پکار سنی تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں یہ



بات ڈال دی کہ مردانگی کا تقاضا ہے اس مسافر کی دادرسی کی جائے۔ جب تاریخ میں ہم اس واقعہ کا مطالعہ کرتے ہیں تو دل سے یہ بات اٹھتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے گھر کے اندر ایک مظلوم کی دادرسی کو شرف قبولیت بخشے ہوئے ان لوگوں کے دل خیر پر آمادہ کر دیے۔ طبقات ابن سعد کے مطابق سب سے پہلے بنو ہاشم، بنو امیہ، بنو زہرہ اور بنو مخزوم چاروں اہم قبائل میں سے کچھ لوگوں نے مل کر اس مظلوم کی پکار پر لبیک کہا۔

امام ابن کثیر نے البدایة والنہایة میں جن قبائل کے نام لکھے ہیں ان میں مظلوم کی پکار پر لبیک کہنے والے لوگ بنو ہاشم، بنو زہرہ اور بنو تمیم بن مرہ سے تعلق رکھتے تھے، جبکہ سب سے پہلے مظلوم کی پکار پر لبیک کہنے والے سعادت مند قریشی آنحضرت کے چچا زبیر بن عبدالمطلب تھے۔ ابن سعد نے یہ بھی لکھا ہے کہ عبد اللہ بن جدعان کے گھر جمع ہونے والے ان ارکان کے کھانے کا انتظام بھی زبیر بن عبدالمطلب نے ہی کیا تھا۔ علامہ حافظ ابن کثیر کے مطابق قبیلہ عبدالدار، مخزوم جمیح، سہم اور عدی بن کعب کے سامنے جب اس مظلوم نے عاص بن وائل کی شکایت کی تو انہوں نے اس کی حمایت میں کھڑے ہونے سے انکار کر دیا۔ (البدایة والنہایة، ج ۱، طبع دار ابن حزم، بیروت، ص ۴۱۶)

## ظالم کا مقابلہ

یہ کتنے لوگ تھے اس پر کوئی مستند حوالہ ہماری نظر سے نہیں گزرا۔ البتہ گمان غالب یہ ہے کہ یہ لوگ درجن بھر کے لگ بھگ ہوں گے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان میں پیش پیش تھے۔ یہ سب لوگ اس زبیدی کو اپنے ساتھ لے کر عاص بن وائل کے دروازے پر پہنچے۔ اسے باہر بلایا گیا اور سب نے یک زبان کہا کہ اس مظلوم پر تم نے کیوں ظلم ڈھایا ہے؟ اس نے کہا: میں نے کوئی ظلم نہیں کیا، وہ لڑکی کنیر ہے۔ جب مال کا سودا کیا تھا تو یہ لڑکی بھی میں نے اس شخص سے خرید لی تھی۔ میں اس سے تمتع بھی کر چکا ہوں۔ عاص بن وائل کا جواب سن کر وفد کے لوگوں نے زبیدی سے وضاحت مانگی تو اس نے کہا: خانہ کعبہ کی عظمت و تقدس کی قسم! میں نے اپنی لڑکی بیچی نہیں ہے اور نہ



ہی وہ کینر ہے، وہ میری بیٹی ہے اور اس شخص نے اپنی قوت کے بل بوتے پر زبردستی اسے اغوا کر کے اپنے گھر میں ڈال لیا ہے۔ اس پر وفد کے لوگوں نے سختی کے ساتھ عاص بن وائل سے بات کی تو اس بد بخت نے اپنے جرم کا اعتراف کر لیا اور زبیدی کی لڑکی اسے واپس دینا پڑی۔

### مظلوم کی دعائیں

ایک روایت یہ بھی ہے کہ ابھی تک عاص بن وائل نے اس لڑکی سے تمتع نہیں کیا تھا۔ اس کے واپس کرنے کے وقت اس نے ارکانِ وفد سے کہا کہ میں کل صبح لڑکی واپس کروں گا۔ ایک رات مجھے اس کے ساتھ گزار لینے دو۔ وفد کے تمام غیرت مند ارکان نے اسے سختی کے ساتھ اس ارادہ بد پر شرم دلائی اور کہا کہ یہ ہرگز ممکن نہیں۔ چنانچہ اسے اپنے شیطانی ارادے پر عمل کا موقع نہ ملا۔ زبیدی کی بیٹی اسے واپس دلا دی گئی۔ اب اس نے اپنی بیٹی کو ساتھ لیا اور اپنے علاقے کی طرف روانہ ہو گیا۔ جاتے ہوئے وہ اور اس کی بیٹی ان تمام نوجوانوں کو دعائیں دے رہے تھے، جنہوں نے ان کی دادرسی کی۔ مظلوم کی بددعا بھی رب عرش تک بلا روک ٹوک پہنچتی ہے اور اس کی دعا بھی۔ وہ قریشی نوجوان خوش نصیب تھے جنہوں نے مظلوم سے دعائیں لیں۔

جب اس تنازع کا فیصلہ بحسن و خوبی ہو گیا تو وفد کے ارکان میں سے بعض نے مشورہ دیا کہ اس قسم کے واقعات وقتاً فوقتاً رونما ہوتے رہتے ہیں۔ کیا ہی اچھا ہو کہ ہم آپس میں حلف اٹھائیں کہ ہم ظالم کے مقابلے پر ہر مظلوم کی مدد کریں گے خواہ وہ کوئی بھی ہو۔ چنانچہ یہ سب لوگ عبداللہ بن جدعان کے گھر پر اکٹھے ہوئے اور اللہ کے نام پر سب نے حلف اٹھایا، جس کے الفاظ یہ تھے:

تحالفوا ان یردوا الفضول علی اہلہا والا یعد ظالم مظلوماً۔ یعنی ہم حلف اٹھاتے ہیں کہ غصب شدہ چیز مالک کو واپس دلائیں گے۔ اور آج کے بعد کسی پر ظلم کو برداشت نہیں کریں گے ہر مظلوم کی دادرسی ہوگی اور ظالم کو اس کے ظلم کی سزا دی جائے گی۔ "الفضول کا معنی ہے کہ وہ چیز جو ظلم کے ساتھ چھینی جائے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے: لقد شهدت فی دارِ عبد اللہ بن جدعان حلفاً لو دعیت بہ فی الاسلام لا جبٹ۔ یعنی میں نے عبداللہ بن



جدعان کے گھر میں جو حلف اٹھایا تھا، آج اسلامی دور میں بھی اگر کوئی مجھے اس کی طرف دعوت دے تو میں لبیک کہوں گا۔ (البدایة والنہایة، ج ۱، طبع دار ابن حزم، بیروت، ص ۴۱۵-۴۱۶، السیرة الحلبيّة، ج ۱، دارالکتب العلمیہ بیروت، ص ۱۹۰)

### وجہ تسمیہ

اس حلف کو حلف الفضول کہنے کی تین وجوہات بیان کی گئی تھیں۔ ایک تو یہ کہ حلف میں جتنی باتیں کی گئی تھیں وہ اخلاقی فضائل کے زمرے میں آتی ہیں، دوسری یہ کہ فضول اس متاع کو کہا جاتا ہے جو جبر و ظلم سے چھین لی جائے۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ اس حلف میں شامل ہونے والے افراد میں سے تین کے نام فضل تھے۔ مورخ حلبی نے اپنی تاریخ میں مزید ایک وجہ بیان کی ہے کہ ان لوگوں نے یہ بھی حلف اٹھایا تھا کہ اپنی کمائی میں سے ضروریات سے زائد مال مہمانوں کی ضیافت کے لیے خرچ کریں گے۔ تحالفوا، ان اخرجوا فضول اموالہم للاضياف۔ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ تین ارکان حلف اس نام سے موسوم تھے: (۱) الفضل بن فضالہ، (۲) الفضل بن وداعہ، (۳) الفضل بن الحارث۔ یہ ابن قتیبہ کی روایت میں بیان ہوئے ہیں۔ جبکہ ابن کثیر نے دوسری روایت مورخ سہیلی کے حوالے سے لکھی ہے اور اس میں یہ نام آئے ہیں: الفضل بن شرعہ، الفضل بن وداعہ اور الفضل بن فضاء۔ (البدایة والنہایة، ج ۱، طبع دار ابن حزم، بیروت، ص ۴۱۶)

### قابل ذکر اور لائق تحسین کارنامہ

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی پوری زندگی میں جب بھی اس حلف کو یاد کرتے تو اس کی تعریف ضرور فرماتے۔ ایک مرتبہ آپ نے فرمایا: لقد شهدت فی دار عبد اللہ بن جدعان حلفاً ما احب ان لی بہ حمر النعم ولو ادعی بہ فی الاسلام لاجبت۔ یعنی عبد اللہ بن جدعان کے گھر پر میں نے جس حلف میں حصہ لیا تھا (مجھے اس کا اتنا احترام ہے کہ) اگر کوئی مجھے سرخ اونٹوں کا گلہ بھی پیش کرے تو میں اس کو ہرگز نہیں توڑوں گا۔ آج دور اسلام میں بھی مجھے کوئی



اس حلف کی طرف بلائے گا تو میں اس کا مثبت جواب دوں گا۔ زمانہ جاہلیت میں قریش کے اہل خیر نے جتنے اچھے کام کیے ہیں، ان میں سے ایک بہت عظیم کارنامہ ہے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل اس واقعہ کا ظہور اللہ کی طرف سے ایک خاص نعمت تھی جس پر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ اللہ کا شکر ادا کیا۔ (البدایة والنہایة، ج ۱، طبع دار ابن حزم، بیروت، ص ۴۱۷)

صحابہ و تابعین کے درمیان حلف الفضول کا تذکرہ

ہماری نظر سے اسی باب میں ایک دل چسپ روایت گزری ہے جس کے مطابق ولید بن عتبہ بن ابی سفیان (حضرت امیر معاویہؓ کا بھتیجا) اور حضرت حسین بن علیؓ کے درمیان ایک تنازع پیدا ہوا۔ ولید جب مدینہ کا گورنر مقرر ہوا تو اس نے اپنی قوت کے بل بوتے پر سیدنا حسین بن علیؓ کی ایک جایداد جو ذوالمرہ کے مقام پر تھی، قبضے میں لے لی اور گورنری کا رعب جمانے لگا۔ حضرت حسین بن علیؓ گورنر ہاؤس میں تشریف لے گئے اور آپ نے فرمایا: ”اے ولید! تم میری جایداد سے قبضہ اٹھا لو، اگر ایسا نہ کرو گے تو میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ پھر میں اپنی تلوار نکال لوں گا اور مسجد نبوی میں کھڑے ہو کر اعلان کروں گا کہ اے اہل ایمان آج پھر حلف الفضول کو دہرانے کا لمحہ آ گیا ہے۔“

عبداللہ بن زبیرؓ بھی اس وقت وہاں موجود تھے۔ انہوں نے فرمایا کہ میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ حسین کا حق اگر واپس نہ کیا گیا تو میں بھی اس کے حصول کے لیے اپنی تلوار نکال کر اس کے ساتھ کھڑا ہو جاؤں گا۔ پھر یا تو اس کا حق دلوا کے رہوں گا یا جان کی بازی لگا دوں گا۔ حضرت مسور بن مخرمہ بن نوفل زہری تک یہ بات پہنچی تو انہوں نے بھی یہی اعلان کیا جو عبداللہ بن زبیرؓ نے کیا تھا۔ پھر اس تنازع کی خبر حضرت عبدالرحمن بن عثمان بن عبداللہ تیمی تک پہنچی تو انہوں نے بھی وہی الفاظ دہرائے۔ والی مدینہ ولید بن عتبہ کو جب اس صورت حال کا پتا چلا تو اس نے حضرت حسینؓ کا حق انھیں واپس دے کر راضی کر لیا۔ (البدایة والنہایة، ج ۱، طبع دار



ابن حزم، بیروت، ص ۴۱۷ بحوالہ ابن اسحاق، السیرة الحلبیة، ج ۱، دارالکتب العلمیہ بیروت، ص ۱۹۱-۱۹۲۔

### محبوب ترین عمل

حق دار کے حق میں آواز اٹھانا اور اس کا حق دلانے کی کاوش اللہ کے محبوب ترین اعمال میں سے ہے۔ اللہ کے نبیوں کی آمد کا مقصد بھی قرآن نے یہی بیان کیا ہے کہ عدل قائم ہو اور ظلم مٹ جائے۔ ”لیقوم الناس بالقسط“۔ مظلوم کے حق میں اگر لوگ اٹھ کھڑے ہوں تو ہر دور میں اہل اقتدار کو ان کے سامنے گھٹنے ٹیکنے پڑتے ہیں۔ المیہ یہ ہوتا ہے کہ معاشروں کے اندر بے حسی اور ذاتی و انفرادی مفادات تک سوچ کو محدود کر لینے کے نتیجے میں ظالم منہ زور ہو جاتا ہے اور مظلوم بے بس و مجبور بن کر یا تو چپ سادھ لیتا ہے یا تنہادھکے کھاتا پھرتا ہے۔ سنتِ رسول گس قدر واضح ہے کہ ظلم کا خاتمہ شانِ مومنانہ بھی ہے اور فرضِ عین بھی۔ آج اس جذبے کو پھر سے زندہ کرنے کی ضرورت ہے۔





## بعثت سے قبل کے اہم واقعات

### شرم و حیا کا پتلا

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم شروع ہی سے شرم و حیا کا پتلا تھے۔ آپ کی امانت و صداقت کا سارا زمانہ معترف تھا۔ جوں جوں آپ بڑے ہوتے جا رہے تھے، آپ کی شخصیت مزید نکھرتی چلی جا رہی تھی۔ طبیعت میں نظافت و نفاست پہلے ہی سے تھی، اس میں بھی مسلسل ارتقا ہو رہا تھا۔ آپ نے اس جاہلی معاشرے میں کبھی اپنا ستر ننگا نہیں ہونے دیا۔ نہ کبھی کسی بت سے کوئی دل چسپی رکھی۔ میلوں ٹھیلوں میں جو خرافات ہوتی تھیں، ان سے بھی آپ گوشدین نفرت تھی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرمایا کرتے تھے کہ نبوت سے قبل آپ ابھی بالکل نو عمر تھے کہ آپ کو ایک آواز آئی: اِسْتَبْرُ، یعنی اپنے اعضائے ستر کو ڈھانپ کر رکھو۔ اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم کا کوئی خفیہ حصہ کبھی کسی شخص نے نہ دیکھا۔ برہ بنت ابی تجرأ کہتی ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نبوت سے قبل قضائے حاجت کے لیے شہر سے بہت دور نکل جایا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ تمام گھر گھروندے نظروں سے اوجھل ہو جاتے تھے۔ اس دوران آپ جس پتھر اور درخت کے پاس سے بھی گزرتے اس سے آواز آتی: السلام علیک یا رسول اللہ۔ (طبقات ابن سعد، ج ۱،

ص ۱۵۷)

### پاکیزہ بچپن

حضرت ام ایمن کی ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ بوانہ کے مقام پر ایک بت تھا، جس کی قریش کے تمام لوگ بڑی تعظیم کرتے تھے۔ اس کے لیے قربانی بھی کرتے اور اس کے یوم



جشن پر صبح سے شام تک اس کے سامنے اعتکاف میں بیٹھ جاتے تھے۔ ایک مرتبہ جب عبدالمطلب اس تہوار میں جانے لگے تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابوطالب اور آپ کی تمام پھوپھیاں اصرار کرنے لگیں کہ محمد بن عبد اللہ ان کے ساتھ اس میلے میں شرکت کریں۔ آپ نے میلے میں جانے سے انکار کر دیا۔ یہ پہلا موقع تھا جب ابوطالب اور ان کی بہنوں نے اپنے بھتیجے سے ناراضگی کا اظہار کیا۔ آپ ان کے احترام میں ان کے ساتھ چل پڑے، لیکن وہاں پہنچ کر انہوں نے دیکھا تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم غائب تھے۔ جب یہ لوگ اپنے رسم و رواج سے فارغ ہو گئے تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک جانب سے نمودار ہوئے۔ اپنے بزرگوں کا احترام بھی کیا اور خود کو غیر اخلاقی اور معصیت ربانی کے اعمال سے بھی دور رکھا۔

جب آپ سے غائب ہو جانے کا سبب پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا: انی کُلَّمَا دَرَرْتُ مِنْ صَنَمٍ مِنْهَا تَمَثَّلَ لِي رَجُلٌ اَبْيَضٌ طَوِيْلٌ يَصِيْحُ بِي وَرَائِكَ يَا مُحَمَّدُ لَا تَمَسَّهُ، قَالَتْ فَمَا عَادَ اِلَى عِيْدٍ لَهُمْ حَتَّى تَنْبَأَ۔ یعنی میں جب بھی ان بتوں میں سے کسی بت کے قریب جانے کا ارادہ کرتا تو ایک سرخ و سفید رنگ کا طویل القامت شخص میرے اور بتوں کے درمیان حائل ہو جاتا اور کہتا: اے محمد! پیچھے ہٹ جا، ان بتوں کو ہاتھ مت لگانا۔ حضرت ام ایمن بیان فرماتی ہیں کہ اس کے بعد آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کبھی بھی اس میلے میں شریک نہیں ہوئے، یہاں تک کہ آپ کو اللہ نے نبوت سے سرفراز فرما دیا اور آپ نے اپنی نبوت کا اعلان کر دیا۔ (طبقات ابن سعد، ج ۱، ص ۱۵۸)

پاکیزہ اور میٹھی نیند

عرب راتوں کو کھلے میدانوں میں محفلیں جماتے اور داستان گوئی اور شعر و شاعری میں مصروف ہو جاتے۔ اسی دوران بعض مجالس میں شراب کی محفل بھی چلتی رہتی۔ ایسے اکٹھ باہمی تفاخر کے علاوہ بعض اوقات فحش گوئی پر مشتمل افسانوں اور اشعار کا سہارا بھی لیتے۔ کئی مرتبہ خصوصی ایام منائے جاتے، جن میں رات بھر یہ سلسلہ چلتا رہتا۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چالیس سالہ



دور قبل از نبوت میں دو مرتبہ ایسا ہوا کہ آپ بعض ہم جولیوں کے شدید اصرار پر ایسے جلسوں میں شرکت کے لیے ان کے ساتھ چلے، مگر دونوں مرتبہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو وہاں پہنچنے سے محفوظ رکھا۔ ہر مرتبہ آپ کو راستے میں ایسی نیند آئی کہ صبح تک آرام سے سوتے رہے۔ اللہ نے اپنے پاکیزہ نبی کو ہر آلائش سے ہمیشہ محفوظ رکھا۔ علامہ شبلی نے سیرۃ النبیؐ جلد اول کے صفحہ ۱۴۱ پر امام بزاز اور امام حاکم کے حوالے سے ان واقعات کی طرف اشارہ کیا ہے۔

### بادشاہ یمن اور علمائے یہود

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے حوالے سے ایک روایت بیان کی گئی ہے کہ یمن کا بادشاہ تبع جب اپنے لاؤ لشکر کے ساتھ مدینہ آیا تو اس نے ایک چشمے کے پاس ڈیرہ لگایا۔ پھر اس نے علمائے یہود کو اپنے پاس بلایا۔ ان کے سامنے اس نے کہا میں اس شہر کو اس لیے برباد کرنا چاہتا ہوں کہ یہاں سے یہودیت کا نام و نشان مٹ جائے اور تمام لوگ ہمارے دین (بت پرستی) پر قائم ہو جائیں۔ اس موقع پر یہودیوں کے سب سے بڑے عالم سامول نے کہا: اے بادشاہ! اس شہر کی طرف بنی اسماعیل میں سے ایک نبی ہجرت کرے گا۔ اس کی جائے پیدائش مکہ اور اس کا نام احمد ہے اور یہ اس کا دارالہجرت ہے۔ اس مقام پر اس کے ساتھ جنگیں بھی لڑی جائیں گی، جن میں بہت سارے لوگ قتل اور مجروح ہو جائیں گے۔ بادشاہ نے پوچھا: فاتح کون ہوگا؟ اس نے جواب دیا کہ کبھی اسے فتح ملے گی، کبھی اس کے دشمنوں کو۔ لیکن بالآخر اسی کو فتح عظیم ملے گی، وہ غالب آجائے گا اور اس کے دین کے غلبے میں کسی کو شک نہیں رہے گا۔ بادشاہ نے پوچھا: اس کی قبر کہاں ہوگی؟ تو اسے جواب دیا گیا کہ اسی شہر میں۔

### نبی رحمتؐ کا حلیہ مبارک

بادشاہ یہودی عالم کی باتیں غور سے سنتا رہا اور اس نے اس سے پوچھا کہ اس نبی کا حلیہ اور اس کی صفات کیا ہوں گی؟ اس نے جواب دیا:

رجل لیس بالقصیر ولا بالطویل، فی عینیہ حمرة، یرکب البعیر ویلبس



الشملة، سيفه على عاتقه لا يبالى من لاقى اخاً او ابن عمّ او عمّاً حتى يظهر امره ولا يخالفه احدٌ، قال تبع: ما الى هذا البلد من سبيل، وما كان ليكون خرابها على يدي، فخرج تبع منصرفاً الى اليمن۔

یعنی وہ نہ پست قامت ہوگا نہ بہت دراز قد۔ اس کا قد کاٹھ بہت متناسب و متوازن ہوگا۔ اس کی دونوں آنکھوں میں خاص قسم کی سرخی ہوگی۔ اونٹ پر سواری کرے گا، عمامہ پہنے گا اور اپنے کندھے پر تلوار لٹکائے گا، جو اس کے مقابل آئے گا وہ کوئی پروا نہیں کرے گا کہ وہ اس کا بھائی ہے یا چچا کا بیٹا یا چچا، اسے (اپنے دین کا غلبہ مطلوب ہوگا) یہاں تک کہ اس کا دین ایسا غالب ہوگا کہ کوئی اس سے اختلاف کرنے والا نہ رہے گا۔ (یہ سن کر) تبع نے کہا کہ پھر تو میرے لیے اس شہر پر قبضہ کرنے کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ یہ شہر میرے ہاتھوں ویران ہو۔ اس کے بعد وہ اپنے لاؤ لشکر کے ساتھ یمن واپس چلا گیا۔

(طبقات ابن سعد، ج ۱، ص ۱۵۹)

### مقدر اپنا اپنا

یہودیوں کو یہ ساری باتیں ان کی مقدس کتابوں سے معلوم ہوئی تھیں۔ گویا انھیں پوری طرح سے علم تھا کہ اللہ کے آخری رسول بنی اسماعیل میں سے مبعوث ہوں گے اور وہ یہ بھی جانتے تھے کہ وہ نبی ہجرت کرے گا اور ان کا شہر ہی اس کا دارالہجرت ہوگا۔ انھیں یہ بھی بخوبی معلوم تھا کہ جو بھی اس کے مد مقابل آئے گا، اس کا مقدر ناکامی اور ہزیمت ہوگی۔ ان کے برعکس عرب ان علوم سے بے بہرہ تھے۔ خود اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ان کے درمیان کافی عرصے تک کوئی نبی مبعوث نہیں ہوا تھا۔ وہ دین ابراہیمی کے پیرو ہونے کا دعویٰ تو کرتے تھے، مگر انھوں نے توحید کو چھوڑ کر بت پرستی کو اپنا شعار بنا لیا تھا۔ اس لاعلمی کے باوجود ان کی خوش بختی تھی کہ وہ (بالخصوص اہل یثرب) بڑی تعداد میں حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔ یہودی اپنے بغض، احساس برتری اور خباثت کی وجہ سے سب کچھ جانتے ہوئے بھی بڑی تعداد میں ہدایت سے محروم رہے۔ یہ کتنی بڑی بد قسمتی ہے، اس کا تصور ہر آدمی کر سکتا ہے۔ اس نبی آخر الزمان کی تمام صفات اللہ نے مقدس صحائف و کتب



کے اندر نمایاں طور پر بیان فرمادی تھیں۔ بہر حال مقدر اپنا اپنا ہوتا ہے، کسی کا سرفرازی اور کسی کا ذلت و رسوائی۔

## محمدؐ مقبول نام

محمد ایک ایسا نام تھا جو کتب مقدسہ میں بیان ہوا۔ اس نام کی فضیلت و عظمت ہی کی وجہ سے عربوں میں اس دور میں محمد بہت مقبول ناموں میں شمار ہونے لگا۔ کئی عرب اپنے بچوں کے نام محمد رکھنے لگے۔ بنو تمیم میں بھی ایک شخص کا نام محمد بن سفیان بن مجاشع رکھا گیا تھا۔ یہ شخص نصرانیت اختیار کرنے کے بعد بہت بڑا پادری اور بشارت بن گیا تھا۔ ان کے علاوہ بھی مورخین نے کچھ مزید لوگوں کے نام بیان کیے ہیں۔ مثلاً بنی سواۃ میں ایک شخص محمد بن الجشمی کے نام سے معروف تھا۔ اسی طرح محمد الاسیدی اور محمد الفقیہی کے نام رکھے گئے تھے۔ (ایضاً)

آپ کے صحابہ کرام میں ایک انصاری صحابی حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کا نام آپ کے اسم گرامی کے ساتھ مشترک ہے۔ وہ آپ سے عمر میں چھوٹے تھے۔ ان کے بے شمار کارنامے تاریخ اسلامی میں رقم ہیں۔ کعب بن اشرف یہودی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور اہل ایمان کو بہت اذیت پہنچائی تھی۔ وہ مسلم خواتین کے ساتھ اپنے جھوٹے تعلقات کے قصے گھڑتا اور فحش اور عشقیہ اشعار کہا کرتا تھا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی اذیتوں کے حد سے بڑھ جانے کے بعد اس کے قتل کا فیصلہ کیا تو اس مشکل کام کا بیڑہ بھی محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے اٹھایا اور اس مشن کو کامیابی سے پایہ تکمیل تک پہنچایا۔ پہلی مرتبہ ان کا نام سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خوش ہوئے تھے اور آپ نے فرمایا تھا کہ محمد نام رکھا کرو، مگر میری کنیت ابو القاسم اختیار نہ کیا کرو۔

## علامات نبوت

امام احمد حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے ایک روایت فرماتے ہیں کہ انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک دن سوال کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کی نبوت اور رسالت کی علامات آغاز میں کیسے ظاہر ہوئیں؟ آپ نے فرمایا: دعوة ابی ابراہیم، وبشری عیسیٰ، ورات امی انه یخرج منها نور اضاءت له قصور الشام۔ یعنی میں اپنے باپ



ابراہیم کی دعا کا جواب ہوں اور عیسیٰ نے میرے بارے میں بشارت دی اور میری والدہ نے مجھے یہ بتایا کہ میری ولادت کے وقت ان کے جسم سے ایک نور نمودار ہوا، جس کی روشنی نے شام کے محلات تک کو منور کر دیا اور میری والدہ نے انھیں دیکھا۔ (البدایة والنہایة، ج ۱، طبع دار ابن حزم، بیروت، ص ۴۲۵)

### دادا محترم کا خواب

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا عبدالمطلب کے بارے میں ابن کثیر لکھتے ہیں کہ انھوں نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے کچھ عرصہ قبل ایک عجیب و غریب خواب دیکھا، جس کا خلاصہ یہ ہے: وہ خواب میں دیکھتے ہیں کہ ایک نہایت خوب صورت اور سرسبز و شاداب درخت آسمان کی بلندیوں کو چھو رہا ہے۔ حدنگاہ تک اس کی شاخیں مشرق و مغرب میں پھیلی ہوئی ہیں۔ اس سے ایسی روشنی نمودار ہو رہی ہے جس سے مشرق و مغرب کا ہر خطہ جگمگا رہا ہے۔ پھر اچانک دیکھا کہ ہر جانب سے کچھ لوگ کلہاڑے اور دیگر ہتھیار لے کر دیوانہ وار اس درخت کو کاٹنے کے لیے بھاگے چلے آ رہے ہیں۔ جب یہ لوگ درخت کے قریب پہنچے تو درخت کا تنا پھٹ گیا اور اس میں سے ایک ایسا خوب صورت جوان رعنا برآمد ہوا کہ اس کی مثل دنیا میں کبھی نہ دیکھی گئی ہوگی۔ اس جوان حسین و جمیل نے ان لوگوں کو درخت کاٹنے سے روکا، مگر وہ نہ مانے۔ اب اس نے ان کو بزور قوت یوں روکا کہ ان کی کمر توڑ ڈالی اور ان کی آنکھیں پھوڑ دیں۔ جس کے بعد وہ لوگ درد سے کراہتے اور چلاتے ہوئے گرتے پڑتے دور بھاگنے لگے۔

### خواب کی تعبیر

عبدالمطلب نے اپنا یہ خواب اپنے بیٹے ابوطالب کو بھی بتایا اور پھر اس کی تعبیر پوچھنے کے لیے اس دور کی ایک مشہور کاہنہ کے پاس گئے۔ جب اس کے سامنے یہ خواب بیان کرنے لگے تو کاہنہ نے کہا کہ آپ کا چہرہ زرد کیوں ہو رہا ہے۔ انھوں نے کہا کہ میرا خواب تو سن لو۔ جب پورا خواب سنا چکے تو کاہنہ کا چہرہ بھی زرد ہو گیا۔ پھر وہ چونک کر بولی کہ خواب کی تعبیر یہ ہے کہ وہ



درخت شجر نبوت ہے اور جو نو جوان تنے سے برآمد ہوا ہے وہ تمھاری قوم میں مبعوث ہونے والا نبی ہے۔ اس کی روشنی مشرق و مغرب میں ہر جانب پھیلے گی، مگر خود اس کی اپنی قوم اس کے مد مقابل کھڑی ہو جائے گی۔ وہ ان کی اصلاح کی کوشش کرے گا، مگر وہ نہیں مانیں گے۔ آخر مجبور ہو کر وہ ان کی کمریں توڑ ڈالے گا اور ان کی آنکھیں پھوڑ ڈالے گا اور اس کی فتوحات ان لوگوں کو بے بس کر دیں گی۔ (البدایة و النہایة، ج ۱، طبع دار ابن حزم، بیروت، ص ۴۳۲)

### اعلان نبوت

امام ابن کثیر ابو نعیم کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا: میں ایک تجارتی قافلے میں یمن کی طرف گیا اس قافلے میں ابوسفیان بھی شامل تھا۔ جب ہم یمن میں پہنچے تو ایک دن میں کھانا پکاتا، ایک دن ابوسفیان اور ایک ایک دن باقی لوگ۔ ایک دن جب کھانا تیار ہو گیا اور لوگ کھانے کے لیے آئے تو ابوسفیان نے مجھ سے کہا کہ اے ابوالفضل کیا تمہیں معلوم ہے کہ تمہارا بھتیجا خود کو نبی سمجھتا ہے۔ میں نے کہا: میرا کون سا بھتیجا؟ اس نے کہا: ایک ہی تو ہے جو یہ بات کر سکتا ہے۔ میں نے پھر سوال کیا تو اس نے کہا کہ محمد بن عبداللہ۔ میں نے کہا: تمہیں کس نے بتایا؟ اس نے کہا: میرے بیٹے حنظلہ نے مجھے ایک خط بھیجا ہے جس میں لکھا ہے کہ بطحا کے مقام پر محمد بن عبداللہ نے کھڑے ہو کر کہا: ”انارسول اللہ ادعوکم الی اللہ عز و جل۔ یعنی میں اللہ کا رسول ہوں اور تمہیں اللہ عز و جل کی طرف دعوت دیتا ہوں۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے کہا: شاید ابو حنظلہ نے سچ ہی کہا ہے۔ اسی دوران عبداللہ بن حذافہ یہ خبر لے کر یمن آ گیا اور اس نے خود اپنے ایمان لانے کا تذکرہ کیا۔

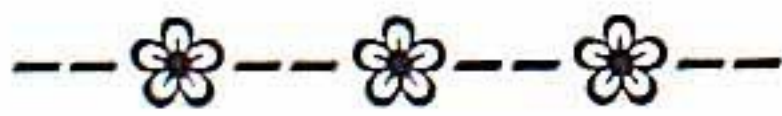
ابوسفیان اس خبر سے بہت رنجیدہ اور غضب ناک ہوا، مگر ایک یہودی ان لوگوں سے ملا جس کے سامنے اس بات کا تذکرہ ہوا تو اس نے بھی کہا کہ اس رسول کا ذکر تورات میں موجود ہے اور اے ابوالفضل! یہود بھی تمہارے بھتیجے کی آمد سے خوف زدہ ہیں۔ مجھے اچھی طرح معلوم ہے کہ اس کی فوج اور گھوڑ سوار ایک وقت میں کداسے طلوع ہوں گے اور فتح پائیں گے۔ حضرت



عباس رضی اللہ عنہ نے فتح مکہ کے وقت کدّاکے پاس ابوسفیان کو یہ بات یاد کرائی تو اس نے کہا: ای واللہ، انی لذا کرھا، فالحمد لله الذی هدانی للاسلام. ہاں خدا کی قسم! مجھے وہ بات یاد ہے اور میں اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ اس نے مجھے قبولِ اسلام کی توفیق عطا فرمائی۔ (البداية والنہایة، ج ۱، طبع دار ابن حزم، بیروت، ص ۲۳۲-۲۳۳)

### خواب میں رہنمائی

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی حضرت عمرو بن مرہ الجہنی بیان کرتے ہیں کہ وہ یمن سے ایک قافلے کے ساتھ زمانہ جاہلیت میں مکہ کی طرف روانہ ہوئے۔ راستے میں ایک جگہ پڑاؤ کیا تو میں نے رات کو خواب میں دیکھا کہ جیسے ہم مکہ میں داخل ہو گئے ہیں۔ خانہ کعبہ سے ایک روشنی نکل کر دور تک پھیلتی چلی گئی جو یثرب کی وادیوں تک پہنچ گئی۔ پھر میں نے ایک آواز سنی: انقشعت الظلماء، وسطع الضیاء، وبعث خاتم الانبیاء یعنی دورِ ظلمت ختم ہوا، روشنی کا عہد طلوع ہوا اور خاتم الانبیاء دنیا میں مبعوث ہو گئے۔ پھر کہتے ہیں کہ مجھ کو دوسری روشنی نظر آئی تو اس میں حیرہ اور مدائن کے علاقے دیکھے۔ اللہ اپنے محبوب بندوں کو سچے خواب دکھاتا ہے اور پھر یہ خوش نصیب ان خوابوں سے حقیقت اور سچائی تک پہنچ جاتے ہیں۔ یہ عمرو بن مرہ جب مکہ میں آئے تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہو چکے تھے۔ یہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے اور آپ سے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے اجازت دیجیے کہ میں یمن واپس جا کر اس دین کی تبلیغ کروں۔ آپ نے انھیں واپسی کے وقت نصیحت فرمائی: علیک بالرفق والقول السدید والّا تکن فظاً ولا متکبراً ولا حسوداً۔ یعنی ہمیشہ نرم رویہ اختیار کرنا، سچی بات کہنا، سخت دلی تکبر اور حسد سے ہمیشہ بچ کر رہنا۔ عمرو بن مرہ رضی اللہ عنہ کی دعوت کے نتیجے میں یمن میں بہت بڑی تعداد میں لوگ اسلام میں داخل ہوئے۔ (البداية والنہایة، ج ۱، طبع دار ابن حزم، بیروت، ص ۲۳۳-۲۳۴)





## اہل کتاب اور رسول رحمت

### علامات نبوت

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل جو مبشرات لوگوں کے سامنے آتی رہیں، ان کے علاوہ بعد از بعثت بلکہ بعد از ہجرت بھی یہ سلسلہ جاری رہا۔ کئی لوگ سابقہ کتب اور انبیاء کی تعلیمات کی روشنی میں آپ کی حقیقت تک پہنچتے رہے۔ انہی واقعات میں سے ایک واقعہ مدینہ منورہ میں پیش آیا۔ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کے بیٹے یوسف بن عبداللہ نے ایک روایت بیان کی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے زید بن سعنہ یہودی کی ہدایت کا فیصلہ فرمایا تو زید کے دل میں ایک بات سو جھی۔ اس ضمن میں خود زید کہتے ہیں: میں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے میں نبوت کی تمام علامات دیکھ لیں سوائے دو باتوں کے۔ وہ چہرے سے مجھے معلوم نہ ہو سکیں۔ ہماری کتابوں میں بیان کیا گیا تھا کہ اس نبی کا حلم، اس کی سختی پر غالب ہوگا اور جب اس کے مقابلے میں جہالت کی شدت کا اظہار کیا جائے گا تو اس کے حلم میں بھی اضافہ ہو جائے گا۔ چنانچہ میں نے آپ کے ساتھ ملنا جلنا شروع کر دیا۔ اس تعلق کی وجہ سے میرے ساتھ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا لین دین بھی ہو گیا۔ ایک بار آپ نے مجھ سے ادھار پر کچھ کھجوریں لیں۔

### حضرت عمرؓ کا جلال

وعدے کا وقت جب قریب آ گیا تو میں آپ کے پاس گیا۔ اس وقت آپ اپنے صحابہ کے ساتھ ایک جنازے میں شریک تھے۔ میں نے سخت لہجہ اختیار کرتے ہوئے آپ کی قمیص اور چادر سے پکڑ کر کھینچا اور اپنی رقم کا مطالبہ کیا۔ میں نے سخت غصے کے ساتھ آپ کی طرف دیکھا اور کہا:



یا محمد! تقضینی حقی؟ یعنی اے محمد! کیا آپ مجھے میرا حق واپس نہیں کرتے؟۔ آپ نے میری باتیں سن کر حلم کا مظاہرہ کیا۔ اس وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے میری طرف دیکھا۔ ان کی آنکھیں غصے سے یوں حرکت کر رہی تھیں جیسے کشتی بھنور میں ہو۔ پھر عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: اے اللہ کے دشمن! تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے وہ کچھ کہہ رہا ہے جو میں سن چکا ہوں اور وہ کچھ کر رہا ہے جو کچھ میں دیکھ رہا ہوں۔ اس ذات کی قسم جس نے اپنے رسول کو حق کے ساتھ بھیجا ہے! اگر اللہ کے رسول رکاوٹ نہ بنتے تو میں اپنی تلوار سے تیرا سر قلم کر دیتا۔

### ایمان افروز نصیحت

اس موقع پر میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف بڑے اطمینان اور محبت کے ساتھ دیکھ رہے تھے اور آپ کے چہرے پر تبسم تھا۔ پھر آپ نے فرمایا: اے عمر! میں بھی اور فریق ثانی بھی تم سے اس سلوک کی نسبت کسی اور سلوک کے زیادہ محتاج تھے۔ اے عمر! تجھے چاہیے تھا کہ مجھے اچھے انداز میں ادائیگی کی تلقین کرتا اور اسے اچھے انداز میں مطالبے کا حکم دیتا۔ اے عمر! اس کو ساتھ لے جاؤ اور اس کا حق ادا کر دو۔ اس کی کھجوریں ادا کرنے کے بعد ۲۰ صاع (ایک صاع تقریباً تین کلوگرام کا ہوتا ہے) کھجوریں زائد دے دینا۔ یہ سن کر زید بن سعنہ نے فوراً اسلام قبول کر لیا۔ اس کے بعد حضرت زید بن سعنہ رضی اللہ عنہ زندگی بھر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ وفاداری نبھاتے رہے۔ غزوہ تبوک کے سال میں ان کی وفات ہوئی۔ (البدایة والنہایة، ج ۱، طبع دار ابن حزم، بیروت، ص ۲۲۸ بحوالہ دلائل النبوة از ابو نعیم)

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم فاتح القلوب تھے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ارشاد فرمایا

ہے:

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللَّهِ لِنْتَ لَهُمْ ۗ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ ۗ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ ۗ فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِينَ ﴿٥٩﴾ (آل عمران ۳: ۱۵۹)



(اے پیغمبرؐ) یہ اللہ کی بڑی رحمت ہے کہ تم ان لوگوں کے لیے بہت نرم مزاج واقع ہوئے ہو۔ ورنہ اگر کہیں تم تند خو اور سنگ دل ہوتے تو یہ سب تمہارے گرد و پیش سے چھٹ جاتے۔ ان کے قصور معاف کر دو، ان کے حق میں دعائے مغفرت کرو، اور دین کے کام میں ان کو بھی شریک مشورہ رکھو، پھر جب تمہارا عزم کسی رائے پر مستحکم ہو جائے تو اللہ پر بھروسہ کرو، اللہ کو وہ لوگ پسند ہیں جو اسی کے بھروسے پر کام کرتے ہیں۔

### قدرتِ کاملہ کے کرشمے

نجران سے عیسائیوں کا ایک وفد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ملنے کے لیے مدینہ کی طرف آیا۔ اس وفد میں ایک شخص ابو الحارث بن علقمہ بن ربیعہ تھا، جو عالم دین تھا اور پادری ہونے کے ساتھ ساتھ ان کے روسا میں بھی شمار ہوتا تھا۔ اس کی اپنی قوم میں بڑی قدر و منزلت تھی۔ اتفاق سے اس کے خچر نے اسے گرا دیا تو اس کا بھائی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بددعائیں دینے لگا۔ یہ سن کر ابو الحارث نے کہا کہ ایسا مت کہو تم خود ہلاک اور برباد ہو جاؤ گے، وہ شخص اللہ کے نبیوں میں سے ہے، جس کی بشارت انجیل میں عیسیٰ علیہ السلام نے دی اور جس کا تذکرہ تورات میں بھی ہے۔ یہ سن کر بددعائیں دینے والے بھائی کی قسمت جاگ اٹھی۔ اس نے کہا: خدا کی قسم میں مدینہ پہنچ کر اس پر ایمان لاؤں گا۔ یہ سن کر وہ عالم سو کہنے لگا: ارے نہیں میں تو محض تم سے مذاق کر رہا تھا۔ اس کے بھائی نے کہا: جو کچھ بھی ہے میں تو اب ایمان لاؤں گا۔ چنانچہ یہ شخص وہاں پہنچا اور مسلمان ہو گیا۔ صاحبِ علم پادری ہدایت سے محروم رہا۔ ایک بظاہر جاہل شخص حق شناس بن کر حق و صداقت کا علم بردار بن گیا۔ کیا عجیب قدرتِ کاملہ کے کرشمے ہیں! (طبقات ابن سعد، ج ۱، ص ۱۶۳-۱۶۵)

### الہامی کتب میں نبی امی کا ذکر خیر

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق اہل کتاب کسی ابہام میں نہیں تھے، محض اپنی ہٹ دھرمی، ضد اور فسادِ قلبی کی وجہ سے وہ آپ کو تسلیم کرنے سے انکاری رہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں فرماتا ہے:



الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الرَّسُولَ النَّبِيَّ الْأُمِّيَّ الَّذِي يَجِدُونَهُ مَكْتُوبًا عِنْدَهُمْ فِي  
التَّوْرَةِ وَالْإِنْجِيلِ يَأْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَاهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ  
الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ  
عَلَيْهِمْ ۗ فَاَلَّذِينَ آمَنُوا بِهِ وَعَزَّرُوهُ وَنَصَرُوهُ وَاتَّبَعُوا النُّورَ الَّذِي أُنزِلَ  
مَعَهُ ۗ أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿۱۵۷﴾ (الاعراف ۷: ۱۵۷)

(پس آج یہ رحمت ان لوگوں کا حصہ ہے) جو اس پیغمبر، نبی امی (ﷺ) کی پیروی  
اختیار کریں جس کا ذکر انھیں اپنے ہاں تورات اور انجیل میں لکھا ہوا ملتا ہے۔ وہ انھیں نیکی  
کا حکم دیتا ہے، بدی سے روکتا ہے، ان کے لیے پاک چیزیں حلال اور ناپاک چیزیں حرام  
کرتا ہے اور ان پر سے وہ بوجھ اتارتا ہے جو ان پر لدے ہوئے تھے اور وہ بندشیں کھولتا  
ہے جن میں وہ جکڑے ہوئے تھے۔ لہذا جو لوگ اس پر ایمان لائیں اور اس کی حمایت  
اور نصرت کریں اور اس روشنی کی پیروی اختیار کریں جو اس کے ساتھ نازل کی گئی ہے، وہی  
فلاح پانے والے ہیں۔

آپ سے قبل آنے والے ہر نبی نے آپ کی آمد کا تذکرہ کیا ہے۔ بالخصوص سیدنا عیسیٰ علیہ السلام  
نے اتنی وضاحت کے ساتھ آپ کی بشارت دی کہ آپ کا نام تک اپنی قوم کو بتا دیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا  
ہے۔

وَإِذْ قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ بِنِيَّ اسْرَأَيْلُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ  
يَدَيَّ مِنَ التَّوْرَةِ وَ مُبَشِّرًا بِرَسُولٍ يَأْتِي مِنْ بَعْدِي اسْمُهُ أَحْمَدٌ ۗ فَلَمَّا جَاءَهُمْ  
بِالْبَيِّنَاتِ قَالُوا هَذَا سِحْرٌ مُّبِينٌ ﴿۶۱﴾ (الصف ۶۱: ۶)

اور یاد کرو عیسیٰ ابن مریم کی وہ بات جو اس نے کہی تھی کہ اے بنی اسرائیل! میں تمہاری  
طرف اللہ کا بھیجا ہوا رسول ہوں، تصدیق کرنے والا ہوں اس تورات کی جو مجھ سے پہلے  
آئی ہوئی موجود ہے، اور بشارت دینے والا ہوں ایک رسول کی جو میرے بعد آئے گا



جس کا نام احمد ہوگا۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے آخری نبی اور سید المرسلین ہیں۔ تورات اور انجیل میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کی صفات بھی بیان کی گئی ہیں۔ ارشاد باری ہے:

رسول برحق اور صحابہ کرام

هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ ۗ  
وَكَفَىٰ بِاللَّهِ شَهِيدًا ۝ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ ۗ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى  
الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ تَرَاهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِّنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا  
سِيَاهُمْ فِي وُجُوهِهِمْ مِّنْ أَثَرِ السُّجُودِ ۗ ذَٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرَةِ ۗ وَمَثَلُهُمْ فِي  
الْإِنْجِيلِ ۗ كَزُرْعٍ أَخْرَجَ شَطْئَهُ فَازْرَأَهُ فَاسْتَغَلَظَ فِاسْتَوَىٰ عَلَىٰ سَوْقِهِ يُعْجِبُ  
الزُّرَّاعَ لِيغِيظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ ۗ وَعَدَّ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ مِنْهُمْ  
مَغْفِرَةً وَأَجْرًا عَظِيمًا ۝ (الفتح ۲۸: ۲۸-۲۹)

وہ اللہ ہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا ہے تاکہ اس کو پوری جنس دین پر غالب کر دے اور اس حقیقت پر اللہ کی گواہی کافی ہے۔ محمد اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں وہ کفار پر سخت اور آپس میں رحیم ہیں۔ تم جب دیکھو گے انھیں رکوع و سجود اور اللہ کے فضل اور اس کی خوش نودی کی طلب میں مشغول پاؤ گے۔ سجود کے اثرات ان کے چہروں پر موجود ہیں جن سے وہ الگ پہچانے جاتے ہیں۔ یہ ہے ان کی صفت تورات میں۔ اور انجیل میں ان کی مثال یوں دی گئی ہے کہ گویا ایک کھیتی ہے جس نے پہلے کوئیل نکالی، پھر اس کو تقویت دی، پھر وہ گدرائی، پھر اپنے تنے پر کھڑی ہو گئی۔ کاشت کرنے والوں کو وہ خوش کرتی ہے تاکہ کفار ان کے پھلنے پھولنے پر جلیں۔ اس گروہ کے لوگ جو ایمان لائے ہیں اور جنہوں نے نیک عمل کیے ہیں اللہ نے ان سے مغفرت اور بڑے اجر کا وعدہ فرمایا ہے۔



## انبیائے کرام سے عہدِ ربّانی

اللہ تعالیٰ نے ہر نبی سے ایک عہد لیا تھا کہ وہ اپنے بعد آنے والے رسولِ برحق کی تصدیق کریں گے۔ ارشاد باری ہے:

وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ النَّبِيِّينَ لَمَا آتَيْتُكُمْ مِنْ كِتَابٍ وَحِكْمَةٍ ثُمَّ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مُصَدِّقٌ لِمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهِ وَلَتَنْصُرُنَّهُ ۗ قَالَ أَأَقْرَرْتُمْ وَأَخَذْتُمْ عَلَىٰ ذَلِكُمْ إِصْرِي ۗ قَالُوا أَقْرَرْنَا ۗ قَالَ فَاشْهَدُوا ۗ وَإِنَّا مَعَكُمْ مِنَ الشَّاهِدِينَ ﴿۸۱﴾ فَمَنْ تَوَلَّىٰ بَعْدَ ذَلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ ﴿۸۲﴾ (آل عمران ۸۱-۸۲)

یاد کرو، اللہ نے پیغمبروں سے عہد لیا تھا کہ آج میں نے تمہیں کتاب اور حکمت و دانش سے نوازا ہے، کل اگر کوئی دوسرا رسول تمہارے پاس اسی تعلیم کی تصدیق کرتا ہوا آئے جو پہلے سے تمہارے پاس موجود ہے، تو تم کو اس پر ایمان لانا ہوگا اور اس کی مدد کرنی ہوگی۔ یہ ارشاد فرما کر اللہ نے پوچھا: کیا تم اس کا اقرار کرتے ہو اور اس پر میری طرف سے عہد کی بھاری ذمہ داری اٹھاتے ہو؟ انہوں نے کہا: ہاں ہم اقرار کرتے ہیں۔ اللہ نے فرمایا: اچھا تو گواہ رہو اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہ ہوں، اس کے بعد جو اپنے عہد سے پھر جائے وہی فاسق ہے۔

## اللہ کی پھٹکار

اہل کتاب پر اللہ کی ایسی پھٹکار نازل ہوئی کہ جن چیزوں کے حق ہونے کو وہ بخوبی جانتے تھے، آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد پر ان کا انکار کر دیا۔ اس سے بڑی بد قسمتی اور کیا ہوگی۔ ان کے برعکس عرب کے مشرک قبائل جو ان سے یہ باتیں سنا کرتے تھے، اللہ کی توفیق سے آگے بڑھے اور حق کو سینے سے لگا لیا۔ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَبَّآ جَاءَهُمْ كِتَابٌ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ مُصَدِّقٌ لِمَا مَعَهُمْ ۗ وَكَانُوا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُونَ عَلَى الَّذِينَ كَفَرُوا ۗ فَلَمَّا جَاءَهُمْ مَا عَرَفُوا كَفَرُوا بِهِ ۗ فَلَعْنَةُ اللَّهِ



عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿۸۹﴾ (البقرہ ۲: ۸۹)

اور اب جو کتاب اللہ کی طرف سے ان کے پاس آئی ہے، اس کے ساتھ ان کا کیا برتاؤ ہے، باوجودیکہ وہ اس کتاب کی تصدیق کرتی ہے جو ان کے پاس پہلے سے موجود تھی، باوجودیکہ اس کی آمد سے پہلے وہ خود کفار کے مقابلے میں فتح و نصرت کی دعائیں مانگا کرتے تھے، مگر جب وہ چیز آگئی، جسے وہ پہچان بھی گئے تو انہوں نے اسے پہچاننے سے انکار کر دیا۔ خدا کی لعنت ہے ان منکرین پر۔

اس آیت کی تشریح میں سید مودودیؒ نے جو حاشیہ لکھا ہے وہ بڑا ایمان افروز ہے۔ تحریر فرماتے ہیں:

اہل کتاب کی بدبختی

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد سے پہلے یہودی بے چینی کے ساتھ اُس نبی کے منتظر تھے جس کی بعثت کی پیشین گوئیاں ان کے انبیاء نے کی تھیں۔ دعائیں مانگا کرتے تھے کہ جلدی سے وہ آئے تو کفار کا غلبہ مٹے اور پھر ہمارے عروج کا دور شروع ہو۔ خود اہل مدینہ اس بات کے شاہد تھے کہ بعثتِ محمدیؐ سے پہلے یہی ان کے ہمسایہ یہودی آنے والے نبی کی امید پر جیا کرتے تھے اور ان کا آئے دن تکیہ کلام یہی تھا کہ اچھا، اب تو جس جس کا جی چاہے ہم پر ظلم کر لے، جب وہ نبی آئے گا تو ہم ان سب ظالموں کو دیکھ لیں گے۔ اہل مدینہ یہ باتیں سنے ہوئے تھے، اسی لیے جب انہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات معلوم ہوئے تو انہوں نے آپس میں کہا کہ دیکھنا، کہیں یہودی تم سے بازی نہ لے جائیں۔ چلو، پہلے ہم ہی اس نبی پر ایمان لے آئیں۔ مگر ان کے لیے یہ عجیب ماجرا تھا کہ وہی یہودی، جو آنے والے نبی کے انتظار میں گھڑیاں گن رہے تھے، اس کے آنے پر سب سے بڑھ کر اس کے مخالف بن گئے۔

اور یہ جو فرمایا گیا ہے کہ ”وہ اس کو پہچان بھی گئے“، تو اس کے متعدد ثبوت اسی زمانے میں



مل گئے تھے۔ سب سے زیادہ معتبر شہادت ام المومنین حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کی ہے، جو خود ایک بڑے یہودی عالم کی بیٹی اور ایک دوسرے عالم کی بھتیجی تھیں۔ وہ فرماتی ہیں کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے، تو میرے باپ اور چچا دونوں آپ سے ملنے گئے۔ بڑی دیر تک آپ سے گفتگو کی۔ پھر جب گھر واپس آئے، تو میں نے اپنے کانوں سے ان دونوں کو یہ گفتگو کرتے سنا:

چچا: کیا واقعی یہ وہی نبی ہے، جس کی خبریں ہماری کتابوں میں دی گئی ہیں؟  
والد: خدا کی قسم، ہاں۔

چچا: کیا تم کو اس کا یقین ہے؟  
والد: ہاں۔

چچا: پھر کیا ارادہ ہے؟

والد: جب تک جان میں جان ہے، اس کی مخالفت کروں گا اور اس کی بات چلنے نہ دوں گا۔ (تفہیم القرآن، ج ۱، ص ۹۳، ۹۴۔ بحوالہ: ابن ہشام، ج ۲، ص ۱۶۵، طبع جدید)

### اسم گرامی کا اعجاز

امام بخاریؒ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی زبانی ایک روایت بیان کی ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ نے مجھ سے پہلے کوئی نبی نہیں بھیجا، مگر ان سے عہد لیا کہ اگر اس کی زندگی میں محمدؐ کی بعثت ہو تو لازماً ان پر ایمان لائے گا اور ان کی مدد کرے گا۔ یہی عہد اللہ کے نبیوں نے اپنی امتوں سے لیا۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت عربوں نے بھی اہل کتاب سے آپ کے بارے میں خوش خبریاں سن رکھی تھیں۔ حتیٰ کہ آپ کا نام تک لوگوں کو معلوم تھا۔ جیسا کہ پہلے تذکرہ ہوا، اسی وجہ سے بہت سے لوگوں نے اپنے بیٹوں کے نام اس امید پر محمد رکھے کہ شاید انھی کو اس اعلیٰ اعزاز سے نواز دیا جائے۔ سعید ابن مسیب بیان کرتے ہیں کہ عرب اہل کتاب اور اپنے



کاہنوں کی زبانی سنا کرتے تھے کہ دیا رب میں ایک نبی مبعوث ہوگا جس کا نام محمد ہوگا تو نبوت کے لالچ میں انہوں نے اپنے بیٹوں کے نام محمد رکھے۔ بنو سلیم کی شاخ بنی ذکوان میں محمد بن خزاعی بن خزابہ کا نام بھی محمد تھا۔ وہ یمن چلا گیا اور ابرہہ کے دربار میں اسے بڑی پذیرائی ملی۔ اس نے ابرہہ کا دین اختیار کر لیا اور اسی پر اس کی موت ہوئی۔ اس کی مدح میں اس کے بھائی قیس بن خزاعی نے ایک قصیدہ لکھا جس کا ایک شعر ہے:

فَذَالِكُمْ ذُو التَّاجِ مِنَّا مُحَمَّدٌ  
وَرَأَيْتُهُ فِي حَوْمَةِ الْمَوْتِ تَخْفِقُ

ہمیں یہ فخر حاصل ہے کہ ہم میں سے محمد ہے، جو صاحبِ تاج ہے اور میں نے اسے دیکھا ہے کہ موت کے ہجوم میں بھی اس کی بہادری اور اس کے جھنڈے کے پھریرے کبھی ماند نہیں پڑتے۔ (طبقات ابن سعد، ج ۱، ص ۱۶۹)

جس شخص کے حق میں یہ شعر لکھا گیا ہے، وہ ہرگز اس کا مصداق نہ تھا۔ یہ مبالغہ آرائی کی انتہا ہے۔ صفاتِ حمیدہ کا مالک تو وہی محمد ہے جسے اللہ نے خاتم النبیین بنایا، سید الاولین والآخرین قرار دیا اور مقام محمود پر سرفراز فرمایا۔ اللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی عَبْدِكَ وَحَبِيبِكَ مُحَمَّدِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ وَعَلٰی اٰلِهِ وَاَصْحَابِهِ۔





## حُفَاء

### اہم واقعات قبل از وحی

وحی کے آغاز اور نبوت سے قبل بھی بچپن سے لے کر جوانی تک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ شرک سے مجتنب اور ہر غیر اخلاقی حرکت سے پاک اور منزہ تھے۔ آپ کا میلان ان لوگوں کی طرف تھا جو بت پرستی سے اپنا دامن بچا کر توحید کے عقیدے پر قائم تھے۔ اس معاشرے میں بت پرستی سے اجتناب کرنا یقیناً ایک مشکل کام تھا، مگر اللہ کے کچھ بندے ہر دور اور ہر نسل میں ایسے رہے ہیں جو عقیدہ توحید پر قائم تھے۔ ان کو حنفایا مؤحدین کہا جاتا ہے۔ مورخین نے آپ کے دور میں جن لوگوں کے نام مؤحدین میں شمار کیے ہیں ان میں قُتس بن ساعدہ، ورقہ بن نوفل، عثمان بن الحویرث، زید بن عمرو بن نفیل اور عبید اللہ بن جحش خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ یہ لوگ بتوں پر چڑھائی گئی نذر و نیاز یا ان کے نام پر ذبح کیے گئے جانوروں کا گوشت بالکل نہیں کھاتے تھے۔

### فصیح خطبہ

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں سے ملاقات بھی کی اور ان کے خیالات کو پسند کیا۔ ورقہ بن نوفل سے تو آپ کی ملاقات وحی آنے کے بعد بھی ہوئی تھی، جس کا تذکرہ آگے آئے گا۔ قُتس بن ساعدہ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ بڑا زبردست خطیب تھا۔ اس کے بعض خطبے عکاظ کے میلے میں بھی لوگوں نے سنے۔ اسی طرح کا ایک خطبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی زبانی سنا تھا۔ اس خطبے کو مورخین نے نقل کیا ہے۔ اس طویل خطبے کو لکھنے کی بجائے اس کا ایک آدھ فقرہ یہاں نقل کیا جا رہا ہے: ایہا الناس اسمعوا و اوعوا، و اذا وعیتم فانفَعوا، انه من عاش



مات، ومن مات فات وکل ماہوائِ آت، مطرو نبات، وارزاق واقوات۔ اے لوگو! سنو اور اسے خوب یاد کر لو۔ جب تم یاد کر لو گے تو تمہارے حق میں فائدہ مند ہوگا۔ بلاشبہ ہر زندہ کا مقدر موت ہے اور جو موت کی وادی میں اتر جائے وہ فانی ہو جاتا ہے اور جو کچھ مقدر ہے وہ ضرور آ کر رہے گا۔ بارش اور روئیدگی، رزق اور خوراک (سب کچھ تقدیر میں لکھا ہے، اس کے مطابق اس کی تقسیم ہوتی ہے)۔

### عربوں کی فصاحت و بلاغت

کئی مورخین نے اس موحد کے طویل خطبے بھی نقل کیے ہیں، جن میں بالخصوص امام بغویؒ اور امام بیہقیؒ کے اوراق سیرت قابل ذکر ہیں۔ ان خطبوں کے بارے میں اگرچہ علامہ شبلی نے اپنی رائے ظاہر کی ہے کہ یہ بعد میں گھڑے گئے ہیں، مگر عربوں کی فصاحت و بلاغت سے کوئی بعید نہیں ہے کہ یہ سب خطبے قس بن ساعدہ کے ہوں۔ ظاہر ہے کہ وہ توحید پر قائم تھا، اس میں تو کوئی دو آرا نہیں ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی موحد اور حنیف تھے، لیکن آپ باقی حنفا میں سے بالکل منفرد تھے اور کیوں نہ ہوں ان سب میں سے صرف آپ ہی توحی کے نور سے نوازے جانے والے تھے۔ اکثر حنفاء آپ کی آمد کے منتظر تھے اور اسی تڑپ میں جان کھپادی کہ آپ کا دور اور آپ کی صحبت میسر آ جائے۔

### منفرد شخصیت زید بن عمرو

حنفاء میں سب سے اہم نام زید بن عمرو بن نفیل کا ہے۔ یہ حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ [یکے از عشرہ مبشرہ] کے والد گرامی تھے۔ یہ بتوں سے برملا اظہارِ برأت کرتے تھے۔ ان پر چڑھائی جانے والی نذر و نیاز کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتے تھے۔ جب مشرکین اپنے بتوں کی تعظیم کے لیے جانور لے کر ان کے استھان پر ذبح کرتے تو اس عمل پر نکیر فرماتے۔ اس کے نتیجے میں کئی مرتبہ ان کا چچا خطاب بن نفیل انھیں برا بھلا کہتا اور بسا اوقات ان پر ہاتھ بھی اٹھاتا۔ اپنے قبیلے کے لوٹوں اور سفہا کو ان کے پیچھے لگا دیتا جو انھیں ازیتیں پہنچاتے۔ اس سب کچھ کے باوجود زید



بن عمرو اپنے عقیدہ توحید پر ثابت قدمی سے ڈٹے رہے۔ حفاء کے ~~مذہب~~ میں کسی دوسری شخصیت کو ایسی مشکل گھاٹیوں سے نہیں گزرنا پڑا جو زید بن عمرو کا مقدر ~~نہیں~~ ہے کہ جب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت کے بعد اللہ کا پیغام لوگوں تک پہنچایا تو آپ پر ظلم و ستم کے جو پہاڑ توڑے گئے وہ الگ اور منفرد موضوع ہے، ان کی مثال تو تاریخ میں نہیں ملتی۔

حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ میں نے اپنے بچپن میں زید بن عمرو کو دیکھا۔ وہ بہت بوڑھے ہو چکے تھے۔ خانہ کعبہ کی دیوار سے ٹیک لگائے بیٹھے تھے کہ انہوں نے اس موقع پر وہاں موجود قریش کے لوگوں سے خطاب کیا اور فرمایا: اے معشر قریش! اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں زید بن عمرو کی جان ہے، میرے سوا تم میں سے کوئی بھی اس وقت دین ابراہیمی کا پیروکار نہیں ہے۔ پھر بڑی حسرت کے ساتھ کہا: اے اللہ! اگر میں جانتا کہ تیری عبادت کا صحیح طریقہ کیا ہے، تو تیری ذات کی قسم میں اس کے مطابق تیری عبادت کرتا۔ پھر میں نے دیکھا کہ وہ سجدے میں گر گئے۔ (سیرۃ ابن ہشام، القسم الاول، ص ۲۲۴-۲۲۵)

تلاش حق میں سرگرداں!

جناب زید بن عمرو اپنے بڑھاپے کے باوجود تلاش حق میں مکہ ~~سے~~ نکل کر عراق و شام کی طرف گئے اور وہاں یہودیت و نصرانیت کے علاوہ صابی مذہب کے پیروکاروں کو بھی دیکھا، مگر ان سب میں ان کو حق نہ مل سکا۔ اسی دوران اس علاقے کے شہر موصل میں ان کی ایک راہب سے ملاقات ہوئی۔ اس سے بھی کچھ معلومات تو ملیں، مگر تشفی نہ ہوئی۔ پھر ~~بلقاء~~ دمشق کے نواح میں ایک پہاڑی مقام) کے علاقے میں ایک اور راہب سے ملاقات ہوئی تو اس نے کہا: یوں شہروں کی خاک چھاننے کی بجائے تم اپنے شہر میں واپس چلے جاؤ، اللہ کا آخری نبی وہاں مبعوث ہونے والا ہے۔ اس کی آمد بہت جلد متوقع ہے۔ یہ سن کر وہاں سے واپس چل پڑے۔ راستے میں ایک جگہ قبیلہ لخم کے بدو ڈاکو انھیں ملے، جنہوں نے انھیں لوٹ بھی لیا اور قتل بھی کر دیا۔ آخری وقت میں ان کی زبان پر یہ دعا آئی: اے اللہ! مجھے تیرے سچے نبی کی صحبت حاصل نہیں ہو سکی، میرے بیٹے



سعید کو یہ سعادت ضرور عطا فرمانا۔ (سیرۃ ابن ہشام، القسم الاول، ص ۲۲۹، ۲۳۱، ۲۳۲)

### ورقہ بن نوفل ~~بن عبدمنزل~~

زید بن عمرو کی شہادت کی اطلاع مکہ میں پہنچی تو ان کے خاندان کا ہر فرد غم زدہ ہوا، مگر ورقہ بن نوفل ان کے دل پر سب سے زیادہ ~~تکلیف~~ گلین ہوئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بھی یہ سانحہ دل دوز تھا۔ آپ زید بن عمرو سے ایک خصوصی محبت و شفقت کا تعلق رکھتے تھے۔ بہر حال ورقہ بن نوفل نے ان کا جو مرثیہ لکھا وہ بڑا دردناک ہے۔

رَفَعْتُ وَأُفِعْتُ ابْنَ عَمْرٍو وَ إِنَّمَا  
تَجَنَّبْتُ تَنُورًا مِّنَ النَّارِ حَامِيًا  
بِدِينِكَ رَبًّا لَيْسَ رَبُّ كَمِثْلِهِ  
وَتَرَكْتُكَ أَوْثَانَ الطَّوَاغِي كَمَا هِيَ  
وَ إِذْ رَأَيْتُكَ الدِّينَ الَّذِي قَدْ طَلَبْتَهُ  
وَلِمَ تَكُ عَنْ تَوْحِيدِ رَبِّكَ سَاهِيًا  
فَأَصْبَحْتَ فِي دَارِ كَرِيمٍ مُّقَامُهَا  
تُعَلَّلُ فِيهَا بِالْكَرَامَةِ لَاهِيًا  
تُلَاقِي خَلِيلَ اللَّهِ فِيهَا وَلَمْ تَكُنْ  
مِنَ النَّاسِ جَبَّارًا إِلَى النَّارِ هَاوِيًا  
وَقَدْ تَفَرَّكَ الْإِنْسَانُ رَحْمَةً رَبِّهِ  
وَلَوْ كَانَ تَحْتَ الْأَرْضِ سِتِّينَ وَادِيًا

اے زید بن عمرو! تو نے راہِ ہدایت پائی اور تجھ پر اللہ کی نعمتیں ہوئیں۔ تو خوش قسمت ہے کہ آگ کے تنور سے جس کی شعلے بڑے شدید ہیں، خود کو بچا لیا۔

تو نے یہ کامیابی اس دین کو اختیار کرنے سے حاصل کی جو حقیقی رب کا دیا ہوا ہے، اس رب



کی کوئی مثل نہیں ہے۔ تو نے بتوں کو ترک کر دیا کیونکہ ان کی پیروی اللہ کی نافرمانی کے مترادف ہے۔

تجھے یہ شعور حاصل ہوا کہ تو نے سچے دین کی تلاش کی اور اسے پایا اور تو نے کبھی بھی اپنے رب کی توحید کو فراموش نہ کیا۔

پس تو اس گھر کا مستحق ٹھہرا جس میں قیام عزت و احترام کا باعث ہے۔ تو اس مقام پر پوری عزت و شان کے ساتھ رونق افروز ہے۔

وہاں تو ابراہیم خلیل اللہ سے جا ملا اور ان لوگوں میں سے نہیں جو دنیا میں بغاوت و کبر کا اعلان کرتے ہیں اور آگ کے گڑھے کے مستحق ٹھہرتے ہیں۔

اللہ کا بندہ اپنے رب کی رحمت سے بار آور ہوا اور اگر زمین کے نیچے ستر وادیوں تک بھی اسے دفن کیا جائے تو اللہ کی رحمت اسے اوپر اٹھالے گی۔

(البدایة والنہایة، ج ۱، طبع دار ابن حزم، بیروت، ص ۳۸۲، سیرة ابن ہشام، القسم الاول، ص ۲۳۲)

### پیغام توحید بذریعہ اشعار

زید بن عمرو بھی بہت بڑے خطیب اور عظیم شاعر تھے۔ ان کے اشعار بھی ان کے عقائد کی بھرپور ترجمانی کرتے ہیں اور توحید ربانی کی زندہ مثال ہیں۔ ان کے طویل قصائد جو سیرت نگاروں نے لکھے ہیں، ان میں سے چند اشعار ہم نذر قارئین کرنا چاہتے ہیں۔ فرماتے ہیں:

ارَبًا وَاٰحِدًا اَمَ اَلْفِ رَبِّ  
اَدِيْنُ اِذَا تُقَسِّمُ اَلْاُمُوْرُ  
عَزَلْتُ اَللّٰتِ وَالْعَزَىٰ جَمِيْعًا  
كَذٰلِكَ يَفْعَلُ الْجَلْدُ الصُّبُوْرُ  
فَلَا الْعَزَىٰ اَدِيْنُ وَلَا اِبْتِيْهَا



وَلَا صَنَمِيْ بَنِيْ عَمْرِوْ اَزُوْرُ  
 وَلَا هُبْلَا اَدِيْنُ وَكَانَ رَبًّا  
 لَنَا فِي الدَّهْرِ اِذْ حُلْمِيْ يَسِيْرُ  
 عَجِبْتُ وَفِي اللِّيَالِيْ مُعْجِبَاتُ  
 وَفِي الْاَيَّامِ يَعْرِفُهَا الْبَصِيْرُ  
 بِاَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَفْنَى رِجَالًا  
 كَثِيْرًا كَانَ شَأْنُهُمُ الْفُجُوْرُ  
 وَابْقَى اٰخِرِيْنَ بِيْرَ قَوْمِ  
 فَيَرْبِلُ مِنْهُمْ الطِّفْلُ الصَّغِيْرُ  
 وَلٰكِنْ اَعْبُدُ الرَّحْمٰنَ رَبِّيْ  
 لِيَغْفِرَ ذُنْبِيْ الرَّبُّ الْغَفُوْرُ

کیا (سلامت روی یہ ہے) کہ میں ایک رب کی عبادت کروں یا ہزار الہوں کی بندگی کا  
 اعلان کروں جیسا کہ لوگوں نے ان کو آپس میں بانٹا ہوا ہے؟  
 میں نے لات اور عزلی سب سے کنارہ کشی اختیار کر لی۔ جس شخص کو بھی اللہ سنجیدگی اور صبر  
 بخشے وہ یہی راستہ اپنائے گا۔

میں نہ تو عزلی کی پرستش کرتا ہوں نہ اس کی دونوں بیٹیوں کے سامنے سجدہ ریز ہوتا ہوں۔  
 میں بنی عمرو کے دونوں بتوں پر بھی کبھی حاضری نہیں دیتا۔  
 جب میں بالکل بچپن میں تھا اور غنم نامی بت کو ہمارا پروردگار قرار دیا جاتا تھا، میں نے اس  
 غنم کی بھی کبھی پرستش نہیں کی۔

میں اللہ کی قدرتوں پر حیرت میں ڈوب جاتا ہوں۔ دن رات میں کتنے عجوبات ہیں، مگر  
 انہیں صاحب بصیرت ہی سمجھ سکتا ہے۔

اللہ نے کتنے ہی نافرمان اور باغی بتا ہی کے گھاٹ اتار دیے، جنہیں اپنی قوت و کثرت کا



گھمنڈ تھا۔

اور کئی دیگر لوگوں کو ان کی نیکی کے سبب زندگی اور نعمتیں عطا فرمائیں تا آنکہ ان کے چھوٹے چھوٹے بچے پرورش پا کر کثیر تعداد میں پھیل گئے۔

میں اپنے پروردگار رحمن کی عبادت کرتا ہوں تا کہ میرا رب غفور میرے سب گناہوں کی بخشش فرمادے۔

مزید ایمان افروز اشعار

اپنے طویل اور موثر قصیدوں میں جناب زید بن عمر واللہ تبارک و تعالیٰ کے ساتھ اپنے تعلق کو یوں بیان کرتے ہیں کہ ان کے اندر قرآن و سنت میں دی گئی ہدایات کی روشنی جھلکتی ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ اللہ ہی کی طرف سے ان کے قلب توحید پرست پر القا ہوتی ہوں گی۔ علامہ اقبال نے اپنے اشعار کے بارے میں کہا تھا کہ کئی مرتبہ میں سوچتا رہتا ہوں اور کوئی شعر زبان پر نہیں آتا اور بعض اوقات اللہ کی طرف سے ایسی رہنمائی ملتی ہے کہ اشعار خود بخود میری زبان سے ادا ہونے لگتے ہیں۔ زید کے اشعار میں دیکھیے کہ اللہ کا یہ موحد بندہ کیسی خالص توحید اور اللہ سے اپنی بندگی کا تعلق نوک زبان پر لاتا ہے:

إِلَى اللَّهِ أُهْدِي مِدْحِي وَ ثَنَائِي  
 وَقَوْلًا رَصِينًا لَائِنِي الدَّهْرَ بَاقِيًا  
 إِلَى الْمَلِكِ الْآلِ عَلَى الَّذِي لَيْسَ فَوْقَهُ  
 آلَاءٌ وَلَا رَبُّ يَكُونُ مُدَانِيًا  
 إِلَّا أَيُّهَا الْإِنْسَانُ إِيَّاكَ وَالرَّذَى  
 فَإِنَّكَ لَا تَخْفَى مِنَ اللَّهِ خَافِيًا  
 وَإِيَّاكَ لَا تَجْعَلُ مَعَ اللَّهِ غَيْرَهُ  
 فَإِنَّ سَبِيلَ الرِّشْدِ اصْبَحْ بَادِيًا



میں اپنے مالک اللہ کی خدمت میں اپنی مدح و ثنا کا ہدیہ پیش کرتا ہوں اور میں ایسی پسندیدہ بات رب ذوالجلال کی خدمت میں عرض کرتا ہوں جس کو گردشِ ایام کمزور اور معدوم نہ کر سکے۔

اس شہنشاہِ اعظم کی خدمت عالی میں اپنا ہدیہ پیش کرتا ہوں جس سے بالا کوئی معبود نہیں اور کوئی ایسا پروردگار اور مالک کہیں نہیں پایا جاتا جس میں اس کی صفات کا کوئی ذرہ بھی موجود ہو۔

اے انسان! ہوش میں آ، اپنے آپ کو تباہی سے بچا۔ بلاشبہ تو اللہ تعالیٰ سے کوئی چیز بھی چھپا نہیں سکتا۔

(اے انسان!) اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی غیر کو شریک کرنے سے ہمیشہ بچ کر رہے۔ راہِ ہدایت تو بالکل واضح اور ظاہر ہو چکی ہے۔ (سیرۃ ابن ہشام، القسم الاول، ص

(۲۲۷-۲۲۶)

ابراہیمؑ کا سچا پیروکار

ابن اسحاق نے بیان کیا ہے کہ ایک دن حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اور حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ نے آنحضورؐ سے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زید بن عمرو کے لیے دعائے مغفرت کی جاسکتی ہے؟ تو آپؐ نے فرمایا: ہاں۔ فَإِنَّهُ يُبْعَثُ أُمَّةً وَاحِدَةً۔ وہ روز قیامت اکیلا ایک امت کی حیثیت سے اٹھایا جائے گا۔ (سیرۃ ابن ہشام، القسم الاول، ص ۲۲۶)۔

ابن اسحاق نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ زید بن عمرو جب بھی مسجد حرام میں قبلہ رخ ہوتے تو کہتے: لَبِیکَ حَقًّا حَقًّا تَعْبُدَا وَرِقًّا۔ یعنی اے اللہ! میں حاضر ہوں تو ہی حق ہے، تو ہی عبادت کے لائق ہے اور میں پوری رقت قلبی کے ساتھ تیری ہی عبادت کے لیے خود کو وقف کرتا ہوں۔

عُدْتُ بِمَا عَادَ بِهِ إِبْرَاهِيمُ  
مُسْتَقْبِلَ الْقِبْلَةِ وَهُوَ قَائِمٌ



اے اللہ میں اسی طرح اپنے آپ کو تیری پناہ میں دیتا ہوں، جس طرح ابراہیم علیہ السلام نے تیری پناہ طلب کی تھی جبکہ وہ قبلہ رخ تیرے سامنے کھڑے تھے۔ (سیرۃ ابن ہشام، القسم الاول، ص ۲۳۰)

### ایک صحابی کی گواہی

عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے اپنے کانوں سے زید بن عمرو بن نفیل کو لوگوں سے یہ کہتے ہوئے سنا: میں نے یہود و نصاریٰ اور مجوس کے علما سے ملاقاتیں کیں، ملک ملک کی خاک چھانی اور سب لوگوں سے اللہ کے نبی کے بارے میں پوچھا۔ مجھے جو کچھ معلوم ہوا اس کا خلاصہ یہ ہے کہ انا انتظر نبینا من ولد اسماعیل، ثم من بنی عبدالمطلب ولا ارانی ادرکہ وانا اؤمن بہ واصلدقہ واشہد انہ نبی..... میں جس نبی کا منتظر ہوں وہ اسماعیل علیہ السلام کی اولاد سے ہوگا۔ پھر اسماعیل کی شاخ بنو عبدالمطلب سے اس کا تعلق ہوگا۔ مجھے (اپنے بڑھاپے کی وجہ سے) امید نہیں ہے کہ اس کا زمانہ پاسکوں اور میں اسے دیکھ سکوں لیکن میں اس پر ایمان لاتا ہوں، اس کی تصدیق کرتا ہوں اور گواہی دیتا ہوں کہ بلاشبہ وہ اللہ کا سچا نبی ہے۔ اگر اللہ نے تجھے مہلت دی اور تو نے اس کا دور پایا تو ضرور اس کی بات ماننا اور اسے میرا سلام عرض کرنا۔ میں تجھے اس کی علامات بتا دیتا ہوں تاکہ تجھے اس کے پہچاننے میں مشکل پیش نہ آئے۔ وہ مناسب قد و قامت کی شخصیت ہے نہ بہت لمبا اور نہ ہی بہت چھوٹا، اس کے جسم پر نہ تو گھنے بال ہیں، نہ بالوں کی قلت ہے۔ اس کی آنکھوں میں ایک ایسی سرخی ہے جو کبھی ان سے جدا نہ ہوگی۔ اس کے دونوں کندھوں کے درمیان ختم نبوت کی مہر ہے۔ اس کا نام احمد ہے۔ وہ اسی شہر میں پیدا ہوگا۔ پھر اس کی قوم اسے یہاں سے نکال دے گی تو وہ ہجرت کر جائے گا۔ (البدایۃ والنہایۃ، ج ۱، طبع دار ابن حزم، بیروت، ص ۳۸۳)

### سلام اور اس کا جواب

حضرت عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ مزید بیان کرتے ہیں کہ جب میں نے اسلام قبول کیا تو رسول



اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو زید بن عمرو کی یہ پوری بات بتائی اور ان کا سلام آپ کی خدمت میں پیش کیا۔ اس پر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ جواب دیا: فرداً علیہ السلام وترحم علیہ وقال قد رائتہ فی الجنة یسحب ذیولاً۔ یعنی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے زید کے سلام کا جواب دیا، ان کے لیے اللہ سے رحمت کی دعا مانگی اور فرمایا: میں نے اسے جنت میں دیکھا ہے کہ اپنی چادر گھسیٹتے ہوئے چل رہے تھے۔ امام بخاری نے بھی صحیح بخاری میں محمد بن ابی بکر سے بواسطہ فضیل بن سلیمان، موسیٰ بن عقبہ، سالم بن عبد اللہ، عن عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ روایت بیان کی ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات زید سے وحی کی آمد سے قبل ہوئی تھی اور دونوں شخصیات نے اس بات کا اظہار کیا تھا کہ وہ بتوں پر ذبح کیے جانے والے جانوروں کا گوشت بھی نہیں کھاتے اور جن جانوروں پر ذبح کے وقت اللہ کا نام نہ لیا جائے اسے بھی نہیں چکھتے۔ (صحیح بخاری، کتاب الذبائح، باب ما ذبح علی النصب والاصنام، حدیث ۵۴۹۹، البدایة والنہایة، ج ۱، طبع دار ابن حزم، بیروت، ص ۳۸۳)

فرد واحد کو امت کا درجہ

زید بن عمرو ایک ایسی شخصیت ہیں جن کا تذکرہ سیرت کی کتابوں میں اتنا تفصیلاً دیا گیا ہے کہ اگر وہ سارے واقعات جمع کر دیے جائیں تو ایک ضخیم کتاب بن جائے۔ ان کی تعریف خود آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائی ہے۔ ایک روایت کے مطابق ان کے بیٹے سعید بن زید اور بھتیجے سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے جواب دیا کہ وہ دین ابراہیم کے پیروکار تھے، شرک سے مجتنب رہے، توحید پر مکمل استقامت دکھائی اور وہ اہل جنت میں سے ہیں۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ارشاد امام ابن کثیر اور دیگر سیرت نگاروں نے نقل کیا ہے۔ امام ذہبی نے بھی اسے سیر الاعلام النبلا میں لکھا ہے۔ آنحضور نے فرمایا: یبعث یوم القیامة امة واحدة۔ یعنی زید بن عمرو قیامت کے دن اکیلا ایک امت کی حیثیت سے اٹھایا جائے گا۔ امام ابن کثیر نے زید کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ قبلہ رخ ہو کر نماز کی نیت باندھتے اور کہتے الہی والہ



ابراہیم و دینی ( دین ابراہیم و یسجد۔ یعنی میرا اللہ وہی ہے جو سیدنا ابراہیم کا اللہ ہے اور میرا دین وہی ہے جس پر ابراہیم علیہ السلام تھے۔ پھر اس کے بعد وہ سجدے میں گر جاتے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول بھی ابن کثیر نقل کرتے ہیں: یحشر ذاک امة و حدہ بینی و بین عیسیٰ ابن مریم، اسنادہ جید حسن۔ یعنی زید بن عمرو میرے اور عیسیٰ ابن مریم کے درمیان اکیلے ایک امت کی حیثیت سے اٹھائے جائیں گے۔ علامہ ابن کثیر کے بقول اس کی سند جید اور حسن ہے۔ (البداية و النہایة، ج ۱، طبع دار ابن حزم، بیروت، ص ۳۸۴)

### ائمہ سیرت کا خراج تحسین

امام ابن کثیر نے زید بن عمرو بن نفیل کے حالات اپنی کتاب میں صفحہ ۳۸۱ سے لے کر ۳۸۵ تک تفصیلاً لکھے ہیں۔ اس میں انہوں نے جناب زید کے اشعار اور طویل قصیدے بھی لکھے ہیں جن میں خالص توحید کا اثبات اور بت پرستی اور شرک کی مکمل مذمت اور نفی ہے۔ باب کا عنوان انہوں نے باندھا ہے: زید بن عمرو بن نفیل رضی اللہ عنہ۔ ابن ہشام نے زید بن عمرو بن نفیل کا تذکرہ اپنی شہرہ آفاق سیرت (القسم الاول) میں صفحہ ۲۲۲ سے لے کر ۲۳۲ تک بڑی شرح و بسط کے ساتھ کیا ہے۔ جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے کہ انہوں نے بھی ان کے بہت سے اشعار لکھے ہیں اور آخر میں ورقہ بن نوفل کی زبانی ان کے قتل پر بہت دردناک مرثیہ بھی لکھا ہے۔ زید بن عمرو کو بلا دیشام سے واپسی پر مکہ پہنچنے سے قبل بلا لخم میں ظالم ڈاکوؤں نے شہید کر دیا تھا۔

### بت شکن ابراہیم حنیف

حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام جدا انبیا ہیں۔ آپ کا مقام انبیا و رسل کے درمیان بھی بلند و بالا ہے۔ آپ نے بت پرست قوم بلکہ بت گربا پ کے گھر میں آنکھ کھولی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ اعزاز بخشا کہ آپ نے اوائل عمری ہی میں تن تنہا مٹی اور پتھر کے بتوں کو بھی توڑا اور نمود جو زندہ بت تھا اور جس کے ہاتھ میں بظاہر موت و زندگی بھی تھی اور عہدے اور منصب بھی، اس کی جھوٹی خدائی کو بھی اس کے بھرے دربار میں پاش پاش کر کے رکھ دیا۔ آگ میں ڈالے گئے مگر استقامت



میں ذرہ برابر لغزش نہ آئی۔ آپ کی اولاد میں گمراہی کے دور میں بھی ایسی شخصیات جنم لیتی رہیں جو نبی تو نہیں تھیں مگر دین ابراہیم کی سچی پیروکار اور کلمہ توحید کی علمبردار بن کر تاریخ میں زندہ جاوید ہو گئیں۔ انھی انمول ہیروں میں سے زید بن عمرو ہیں جنہوں نے مشرکین کے درمیان کھڑے ہو کر کہا تھا کہ میں اپنا چہرہ اس ذات کی طرف پھیر رہا ہوں جو زمین و آسمان کا خالق ہے۔ حضرت ابراہیم نے بھی اپنی بت پرست قوم کے درمیان کھڑے ہو کر علی الاعلان فرمایا:

### حق و باطل کی کشمکش

إِنِّي وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِي فَطَرَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ حَنِيفًا وَمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴿٦٩﴾ وَحَاجَّةً قَوْمَهُ ۗ قَالَ أَتُحَاجُّونِي فِي اللَّهِ وَقَدْ هَدَانِ ۗ وَلَا أَخَافُ مَا تُشْرِكُونَ بِهِ إِلَّا أَن يَشَاءَ رَبِّي شَيْئًا ۗ وَسِعَ رَبِّي كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ۗ أَفَلَا تَتَذَكَّرُونَ ﴿٧٠﴾ وَكَيْفَ أَخَافُ مَا أَشْرَكْتُمْ وَلَا تَخَافُونَ أَنَّكُمْ أَشْرَكْتُمْ بِاللَّهِ مَا لَمْ يُنَزَّلْ بِهِ عَلَيْكُمْ سُلْطَانًا ۗ فَأَمُّ الْفَرِيقَيْنِ أَحَقُّ بِالْإِيمَانِ ۗ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿٧١﴾ (الانعام ۶: ۷۹-۸۱)

میں نے تو یکسو ہو کر اپنا رخ اس ہستی کی طرف کر لیا ہے جس نے زمین اور آسمانوں کو پیدا کیا ہے اور میں ہرگز شرک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔ اس کی قوم اس سے جھگڑنے لگی تو اس نے قوم سے کہا: کیا تم لوگ اللہ کے معاملے میں مجھ سے جھگڑتے ہو؟ حالانکہ اس نے مجھے راہِ راست دکھادی ہے اور میں تمہارے ٹھہرائے ہوئے شریکوں سے نہیں ڈرتا، ہاں، اگر میرا رب کچھ چاہے تو وہ ضرور ہو سکتا ہے، میرے رب کا علم ہر چیز پر چھایا ہوا ہے، پھر کیا تم ہوش میں نہ آؤ گے؟ اور آخر میں تمہارے ٹھہرائے ہوئے شریکوں سے کیسے ڈروں جب کہ تم اللہ کے ساتھ ان چیزوں کو خدائی میں شریک بناتے ہوئے نہیں ڈرتے جن کے لیے اس نے تم پر کوئی سزا نازل نہیں کی ہے؟ ہم دونوں فریقوں میں سے کون زیادہ بے خوفی و اطمینان کا مستحق ہے؟ بتاؤ اگر تم کچھ علم رکھتے ہو؟



## آلِ ابراہیم کے ہیرے

آپ کی نسل میں پیدا ہونے والے وہ قیمتی ہیرے جنہوں نے اپنا دامن کفر و شرک کی آلائشوں سے مکمل طور پر محفوظ رکھا، تاریخ ہی میں نہیں جگمگا رہے بلکہ جنت میں بھی وہ فرد واحد ہونے کے باوجود پوری اُمت کا درجہ لے کر جائیں گے۔ ایسے ہی لوگوں میں آپ کی نسل شاخ اسماعیل میں سے ہمارے محبوب اور اللہ کے نبی کے دوست جناب زید بن عمرو بن نفیل بھی ہیں جن کا تذکرہ ہم نے اس باب میں کیا ہے۔ یہ تذکرہ دل کو سرور اور ایمان کو بالیدگی بخشتا ہے۔ آپ نے اپنی قوم کے درمیان کھڑے ہو کر کہا تھا: (إِنِّي وَجَّهْتُ) نیز انہوں نے یہ بھی فرمایا: الشاة خلقها الله وانزل لها من السماء وانبت لها من الارض، ثم تذبحونها على غير اسم الله، انكاراً لذلك واعظاماً له۔ ”بکری کو اللہ وحدہ نے پیدا کیا ہے اور اس کے لیے آسمان سے پانی نازل کیا اور زمین سے سبزہ اگایا۔ پھر تم اسے غیر اللہ کے نام پر ذبح کرتے ہو، اللہ کا انکار اور غیر اللہ کی تعظیم کرتے ہوئے۔“ اسی طرح وہ اپنے ہاتھ اٹھا کر فرمایا کرتے: اللهم انى أشهدك انى على دين ابراهيم۔ یعنی اے اللہ! میں تجھے گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ میں دینِ ابراہیم پر ہوں۔ (البدایة والنہایة، ج ۱، طبع دار ابن حزم، بیروت، ۳۸۳-۳۸۴)

نبی اکرم کو اللہ تعالیٰ نے دین کی تکمیل کے وقت حلال و حرام کے بارے میں جو حتمی احکام دیے ان میں بتوں پر ذبح کیے جانے والے جانوروں کے گوشت کو بھی حرام قرار دیا گیا۔ سورۃ المائدہ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالْدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيرِ وَمَا أُهْلِلَ لِغَيْرِ اللَّهِ بِهِ وَالْمُنْخَنِقَةُ  
وَالْمَوْقُوذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيحَةُ وَمَا أَكَلَ السَّبُعُ إِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ وَمَا ذُبِحَ عَلَى  
النُّصَبِ وَأَنْ تَسْتَقْسِمُوا بِالْأَزْلَامِ ۗ ذَٰلِكُمْ فِسْقٌ ۗ الْيَوْمَ يَئِسَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ  
دِينِكُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِ ۗ الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتَمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَ  
رَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا ۗ فَمَنِ اضْطُرَّ فِي مَخْصَصَةٍ غَيْرِ مُتَجَانِفٍ لِإِثْمِهِ فَإِنَّ اللَّهَ



عَفْوًا تَرَجِيْمًا (المائدہ ۵: ۳)

## حرام چیزوں کی تفصیل

تم پر حرام کیا گیا ہے مردار، خون، سور کا گوشت، وہ جانور جو خدا کے سوا کسی اور نام پر ذبح کیا گیا ہو، وہ جو گلا گھٹ کر، یا چوٹ کھا کر، یا بلندی سے گر کر، یا ٹکر کھا کر مرا ہو، یا جسے کسی درندے نے پھاڑا ہو۔ سوائے اس کے جسے تم نے زندہ پا کر ذبح کر لیا۔ اور وہ جو کسی آستانے پر ذبح کیا گیا ہو۔ نیز یہ بھی تمہارے لیے ناجائز ہے کہ پانسوں کے ذریعے سے اپنی قسمت معلوم کرو۔ یہ سب افعال فسق ہیں۔ آج کافروں کو تمہارے دین کی طرف سے پوری مایوسی ہو چکی ہے لہذا تم ان سے نہ ڈرو بلکہ مجھ سے ڈرو۔ آج میں نے تمہارے دین کو تمہارے لیے مکمل کر دیا ہے اور اپنی نعمت تم پر تمام کر دی ہے اور تمہارے لیے اسلام کو تمہارے دین کی حیثیت سے قبول کر لیا ہے (لہذا حرام و حلال کی جو قیود تم پر عائد کی گئی ہیں ان کی پابندی کرو)۔ البتہ جو شخص بھوک سے مجبور ہو کر ان میں سے کوئی چیز کھالے، بغیر اس کے گناہ کی طرف اس کا میلان ہو تو بے شک اللہ معاف کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔

دین حق کی تکمیل اور خاتم النبیین اور ان کی امت پر اپنی نعمتوں کا ذکر کرتے ہوئے اللہ نے حکم صادر فرمایا: وما ذبح علی النصب یعنی جو جانور بتوں کی نذر و نیاز کے لیے ذبح کیا گیا ہو، وہ حرام ہے۔ اللہ کے یہ عظیم مؤحد بندے زید بن عمرو اس سے قبل کہہ چکے تھے: لا آکل مما ذبح علی النصب۔ یعنی بتوں پر ذبح کیے گئے جانور کا گوشت میں بالکل نہیں کھاتا۔

## امتیا زواعزاز

بنو عدی قریش کے خاندانوں میں اس لحاظ سے ممتاز ہے کہ اس کے دو سپوت عشرہ مبشرہ میں شامل ہیں۔ حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ جناب زید بن عمرو کے فرزند ہیں اور سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ان کے بھتیجے۔ حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ کو یہ سعادت بھی حاصل ہے کہ ان کے والد



کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت کے باغات میں دیکھا۔ اسی طرح بنوزہرہ اور بنوتیم سے بھی دو دو ہیرے عشرہ مبشرہ کا حصہ ہیں۔ بنوزہرہ سے عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ اور سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ اور بنوتیم سے سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ۔ عشرہ مبشرہ میں سے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے والد ابو قحافہ کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ وہ بھی صحابہ میں شامل ہیں۔

### مظلوم بچیوں کا سرپرست

زید بن عمرو کی بے شمار خوبیوں میں سے ایک خوبی یہ بھی ہے کہ انھوں نے بہت سی بچیوں کو زندہ درگور ہونے سے بچایا ہے۔ جب انھیں معلوم ہوتا کہ کوئی باپ اپنی نوزائیدہ بچی کو مار ڈالنا چاہتا ہے تو فوراً اس کے پاس پہنچتے اور اسے کہتے: لَا تَقْتُلْهَا اَكْفِيكَ مَثْوًى نَهَا۔ یعنی اس (معصوم) بچی کو مت قتل کرو۔ میں اس کی کفالت کی ذمہ داری لیتا ہوں۔ پھر ان کی کفالت میں وہ بچیاں بڑی ہو جاتیں تو ان کے والدین سے پوچھتے، اگر تم چاہو تو اپنی بچی کو گھر لے جاؤ اور اگر نہ لے جانا چاہو تو میں حسب سابق اس کی پرورش اور کفالت کرتا رہوں گا۔ اس طرح کئی بچیوں کی جان اس مؤحد بندہ خدا نے بچائی۔ اس واقعہ کے ساتھ ابن ہشام نے مشہور شاعر فرزدق کے دادا صعصعہ بن معاویہ کے متعلق بھی لکھا ہے کہ ان کا بھی یہی معمول تھا۔ انھوں نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دور پایا اور خوش قسمتی سے داخل اسلام ہو کر صحابہؓ کی صف میں شامل ہو گئے۔ پھر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک بار پوچھا: یا رسول اللہ! کیا بچیوں کو قتل سے بچانے کے لیے اس کام میں میرے لیے اجر ہے؟ آپ نے فرمایا: کیوں نہیں، تمہارے لیے بہت بڑا اجر ہے اور اسی میں سے اللہ کا تم پر یہ احسان ہے کہ اس نے تمہیں اسلام کی دولت سے سرفراز کیا ہے۔ (سیرة ابن ہشام، القسم الاول، ص ۲۲۵)





## وحی سے قبل اشاراتِ نبوت

نورِ مجسم

ترمذی شریف میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سفر شام کا واقعہ موجود ہے کہ شام کے سفر میں بصری کے مقام پر جس درخت کے نیچے آپ بیٹھے تھے اس کی تمام شاخیں آپ کی کشش سے نیچے جھک آئی تھیں۔ (جامع الترمذی، ابواب المناقب، ج ۲، ص ۲۰۳) بحیرار اہب کا واقعہ پہلے بھی گزرا ہے، اس موقع پر اسے بالکل یقین ہو گیا کہ یہ وہی نبی ہیں جن کا انتظار کیا جا رہا ہے۔ صحیح مسلم کی ایک حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

عن جابر بن سمرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انی لآعرف حجرا بمکة کان یسلم علیّ قبل ان ابعث انی لآعرفہ الان۔ میں اس پتھر کو بہت اچھی طرح آج بھی پہچانتا ہوں جس کے پاس سے میں مکہ میں نبوت سے قبل گزرتا تھا تو وہ مجھے سلام کیا کرتا تھا۔ (صحیح مسلم، کتاب الفضائل)۔ آپ نورِ مجسم تھے، تاجِ نبوت آپ کا منتظر تھا۔ آپ کو شجر و حجر سلام کرتے تھے تو اس میں نہ کوئی اچنبھا ہے، نہ شک و شبہ!

حضرت خدیجہؓ منبج خیر

سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا اپنے اخلاق کے لحاظ سے قبل از اسلام بھی بہت عظیم و برتر تھیں۔ البتہ عربوں کے عام معاشرے اور ماحول کی وجہ سے اس وقت وہ بت پرستی کی مخالف نہیں تھیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح ہونے کے بعد زمانہ قبل نبوت ہی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت نے ان کی زندگی بدل دی تھی۔ آپ کی ترغیب پر انہوں نے بھی بتوں سے بیزاری کا



اظہار کر دیا۔ سیدہ خدیجہ منجہ خیر تھیں۔ راوی کہتے ہیں: حدثنی جبار لخدیجة بنت خویلد انه سمع النبی صلی اللہ علیہ وسلم وهو یقول لخدیجة ای خدیجة واللہ لا اعبد اللات والعزی واللہ لا اعبد ابدا قال فتقول خدیجة خل اللات خل العزی قال کانت صنمہم التی کانوا یعبدون ثم یضطجعون۔ مجھ سے خدیجہ کے ایک ہمسائے نے بیان کیا کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ آپ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے کہہ رہے تھے: اے خدیجہ بخدا میں کبھی لات وعزی کی پرستش نہیں کروں گا۔ جواب میں حضرت خدیجہ نے کہا: لات اور عزی کا نام بھی نہ لیجیے۔ (یعنی حضرت خدیجہ نے بھی بتوں سے بیزاری کا اظہار کر دیا)۔ عربوں کے ہاں یہ رواج تھا کہ سونے سے پہلے لات اور عزی کی پرستش کیا کرتے تھے۔ (مسند احمد، ج ۴، ص ۲۲۲، بحوالہ سیرت النبیؐ، از شبلی نعمانی، ج ۱، ص ۱۳۶)

### بچپن کی دوستی

نبوت سے قبل آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے احباب خاص میں سے سب سے نمایاں نام سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ہے۔ ان کا اسم گرامی عبداللہ بن عثمان تھا لیکن تاریخ میں ابوبکر کے نام سے معروف ہوئے۔ ان کے والد بھی اپنے نام سے زیادہ اپنی کنیت یعنی ابو قحافہ سے ہی مشہور تھے۔ جناب ابوبکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ڈھائی سال چھوٹے تھے۔ لڑکپن ہی سے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی دوستی تھی۔ انہوں نے کبھی زمانہ جاہلیت میں بھی شراب نہیں پی تھی اور نہ ہی بتوں کی پرستش کرتے تھے۔ ان کے علاوہ حکیم بن حزام بھی آپ کے حبیب خاص تھے۔ یہ حضرت خدیجہ کے بھتیجے تھے۔ قریش کے بڑے سرداروں میں ان کا شمار ہوتا تھا۔

### صلہ رحمی

حکیم کے والد حزام بن خویلد حضرت خدیجہ کے بھائی تھے۔ ان کی وفات اس وقت ہوئی جب ان کے بیٹے حکیم بہت ہی چھوٹی عمر کے تھے۔ جناب حکیم بن حزام کو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بڑا انس تھا، مگر اسلام قبول کرنے میں قدرے، بلکہ کافی تاخیر ہوئی۔ حاجیوں کو کھانا کھلانا



ان کی ذمہ داری تھی۔ دارالندوة کی عمارت انھی کے خاندان نے بنوائی تھی اور یہی اس کے مالک تھے۔ حالت کفر میں بھی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دوستی کا تعلق قائم تھا۔ بعثت کے بعد جتنا عرصہ اسلام سے محروم رہے اس کے دوران بھی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قدردان اور محبت تھے۔ حکیم بن حزام کی خوبیوں میں سب سے بڑی صفت یہ تھی کہ وہ صلہ رحمی کا حق ادا کرتے تھے۔ شعب ابی طالب کے ایام محصوری میں بھی ان کی خدمات کا تذکرہ تاریخ میں محفوظ ہے۔ ہجرت کے وقت جن چودہ نوجوانوں نے دارالندوہ میں کیے گئے فیصلے کے مطابق آپ کے گھر کا محاصرہ کیا، ان میں قبائلی حمیت کی وجہ سے حکیم بن حزام بھی شامل تھے، مگر وہ خوش نہیں تھے، بادل نخواستہ ہی انھیں شامل ہونا پڑا۔

### قیس بن سائب کی گواہی

بنو مخزوم میں سے ایک شخص قیس بن سائب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تجارت کے کاروبار میں شراکت دار تھے۔ بہت اچھے اخلاق و عادات کے مالک تھے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قدردان اور آپ کی مروت و محبت کی وجہ سے آپ کی طرف قلبی میلان رکھتے تھے۔ بعد میں یہ مسلمان بھی ہوئے اور صحابہ کی فہرست میں ان کا نام جگمگا رہا ہے۔ انھوں نے بہت لمبی عمر پائی۔ اُسد الغابہ کے مطابق سو سال کی عمر میں جب وہ روزہ نہ رکھ سکتے تھے تو روزے کا فدیہ ایک مسکین کو کھانا کھلانے کی بجائے اس سے کئی گنا زیادہ فقرا کو دیتے تھے۔ وہ آپ کی بعثت سے قبل کہا کرتے تھے کہ کاروبار میں جھگڑے ہو جاتے ہیں، مگر کمال ہے کہ میرے اور محمد کے درمیان کبھی ذرا برابر بھی کوئی جھگڑا نہیں ہوا۔ (سیرت النبی از شبلی نعمانی، ج ۱، ص ۱۲۰، بحوالہ الاستیعاب واصابہ، اسد الغابہ فی معرفة الصحابة، اردو ترجمہ، ج ۲، حصہ ہفتم، مکتبہ خلیل، ص ۷۲)

### نوجوان انصاری کی گواہی

حضرت سلمہ بن سلامہ رضی اللہ عنہ انصاری صحابی تھے۔ جنگ بدر میں شریک ہوئے۔ وہ بیان فرماتے ہیں کہ ہم بت پرست تھے اور ہمارے درمیان بعض یہودی احبار و علما جنت دوزخ کا



تذکرہ کرتے تھے اور اسی تناظر میں آنے والے نبی کا ذکر ہوتا تھا۔ جب ہم ان سے پوچھتے تو وہ مکہ اور یمن کی طرف اشارہ کر کے کہتے کہ وہ وہاں سے آئے گا۔ ساتھ ہی یہ دھمکی بھی دیتے کہ اس کے آنے پر ہم اس کے ساتھ مل کر تم سے قتال کریں گے۔ پھر زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے۔ وہ یہودی ہمارے درمیان تھے، مگر ان کی بدبختی کہ وہ سب کچھ جاننے اور کہنے کے باوجود ایمان سے محروم رہ گیا اور اللہ کی توفیق سے ہمیں ایمان کی دولت نصیب ہوگئی۔ ہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف پیش قدمی کرنے میں ذرا دیر نہ کی۔ (السیرة الحلبيّة، ج ۱، دارالکتب العلمیہ بیروت، ص ۲۶۶، سیرة ابن ہشام، القسم الاول، ص ۲۱۲)

### بدبخت اہل کتاب کی محرومی

اسی طرح ایک دوسرے صحابی حضرت عاصم بن عمر بن قتادہ بیان فرماتے ہیں کہ ہمارے درمیان یہودی بیٹھتے تو کہتے: ”اس نبی کی آمد کا زمانہ قریب ہے جس کے اشارات ہماری کتب میں موجود ہیں۔ ہم اس کے ساتھ مل کر اپنے دشمنوں کو یوں ملیا میٹ کریں گے جس طرح قوم عاد و ثمود کی تباہی ہوئی تھی۔“ یہ اللہ تعالیٰ کی تقسیم ہے: فلما بعث اللہ رسولہ صلی اللہ علیہ وسلم اجنباہ، حین دعانا الی اللہ تعالیٰ، و عرفنا ما کانوا یتوعدوننا بہ، فبادرناہم الیہ، فآمنا بہ، و کفروا بہ، ففینا و فیہم نزل ہؤلآء الآیات من البقرۃ۔ جب اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا اور آپ نے ہمیں اللہ کی طرف دعوت دی تو ہم نے فوراً لبیک کہا، کیونکہ ہمیں یہودیوں کے اقوال اور ان کی طرف سے دی جانے والی دھمکیاں خوب یاد تھیں۔ اسی لیے ہم ان سے پہلے اس کی جانب لپکے۔ وہ (بدقسمت) نہ صرف پیچھے رہ گئے بلکہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کیا اور آپ کے مقابلے پر ڈٹ گئے۔ پس ہمارے اور ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے سورۃ البقرۃ کی آیات نازل فرمائیں:

وَلَمَّا جَاءَهُمْ كِتَابٌ مِّنْ عِنْدِ اللَّهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ لَوْ كَانُوا مِن قَبْلُ يَسْتَفْتِحُونَ



عَلَى الَّذِينَ كَفَرُوا ۖ فَلَمَّا جَاءَهُمْ مَا عَرَفُوا كَفَرُوا بِهِ ۖ فَلَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى  
الْكَافِرِينَ ﴿۸۹﴾ (البقرة ۲: ۸۹)

اور اب جو ایک کتاب اللہ کی طرف سے ان کے پاس آئی ہے، اس کے ساتھ ان کا کیا برتاؤ ہے؟ باوجودیکہ وہ اس کتاب کی تصدیق کرتی ہے جو ان کے پاس پہلے سے موجود تھی، باوجودیکہ اس کی آمد سے پہلے وہ خود کفار کے مقابلے میں فتح و نصرت کی دعائیں مانگا کرتے تھے، مگر جب وہ چیز آگئی، جسے وہ پہچان بھی گئے تو انہوں نے ماننے سے انکار کر دیا۔ خدا کی لعنت ان منکرین پر۔ (السيرة الحلبية، ج ۱، دارالکتب العلمیہ بیروت، ص ۲۶۶، سیرة ابن ہشام، القسم الاول، ص ۲۱۱)

ایک کاہن جو مسلمان ہوا

ابن اسحاق نے عبداللہ بن کعب کی ثقاہت بیان کرنے کے بعد ان سے ایک روایت بیان کی جو انہوں نے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے غلام سے سنی تھی۔ اس کے بقول: ”ہم حضرت عمر بن خطابؓ کے ساتھ مسجد نبویؐ میں بیٹھے ہوئے تھے کہ یمن کے قبیلہ جب (مدحج کی شاخ) سے تعلق رکھنے والا ایک شخص مسجد میں داخل ہوا۔ وہ حضرت عمرؓ کے بارے میں پوچھ رہا تھا۔ جب حضرت عمرؓ کی نظر اس پر پڑی تو انہوں نے کہا: شاید اس شخص نے ابھی تک شرک نہیں چھوڑا اور لگتا ہے کہ یہ دور جاہلیت میں کاہن تھا۔ جب یہ شخص مجلس میں آیا تو اس نے السلام علیکم کہا اور بیٹھ گیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: هل اسلمت؟ قال نعم یا امیر المؤمنین۔ یعنی کیا تم نے اسلام قبول کر لیا ہے؟ اس نے جواب دیا: ہاں، اے امیر المؤمنین! پھر آپ نے پوچھا: کیا جاہلیت میں تم کاہن تھے؟ اس نے کہا: سبحان اللہ یا امیر المؤمنین! آپ نے مجھ سے ایسا سوال پوچھا ہے جو میری رائے میں آپ نے اپنی رعایا میں سے کسی سے کبھی نہیں پوچھا ہوگا۔

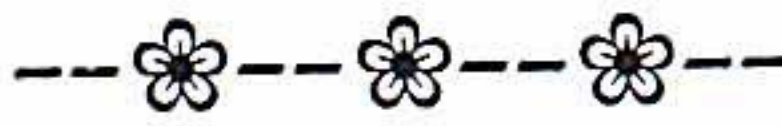
حضرت عمرؓ نے معذرت کرتے ہوئے کہا: اللہ ہم سب کی مغفرت فرمائے۔ ہم سب زمانہ جاہلیت میں بہت بری حالت میں تھے۔ بتوں کے سامنے سجدے کرتے اور اپنے ہاتھوں سے بنائی



ہوئی مورتیوں سے عقیدت کے طور پر چمٹ جاتے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں عزت عطا کی اور اپنے رسول محترم کے ذریعے ہمیں اسلام کی دولت سے نوازا۔ مہمان نے کہا: امیر المؤمنین آپ نے درست فرمایا۔ پھر کہنے لگا: آپ کی یہ بات بھی درست ہے کہ میں دور جاہلیت میں کاہن تھا۔ حضرت عمرؓ نے پوچھا کہ پھر بتاؤ تمہارے ساتھی جن نے تمہیں کیا خبریں دیں۔ اس پر اس نے جواب دیا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے کم و بیش ایک مہینہ قبل وہ میرے پاس آیا اور کہنے لگا کہ کیا تو نے دیکھا نہیں کہ تمام جن غم میں مبتلا ہو گئے ہیں۔ وہ اپنے دین سے یوں مایوس اور بیزار ہوئے ہیں کہ اب رحمت سفر باندھ کر کہیں بھاگ جانا چاہتے ہیں۔“ (سیرۃ ابن ہشام، القسم الاول، ص ۲۰۹-۲۱۰)

### حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا واقعہ

ابن ہشام نے اس موقع پر ایک اور دل چسپ واقعہ حضرت عبداللہ بن کعب ہی کی زبانی بیان کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے ایک مہینہ یا کم و بیش قبل میں نے دیکھا کہ قریش کے ایک شخص نے اپنے بت پر ایک بچھڑا ذبح کیا۔ ہم انتظار میں تھے کہ ہم سب کو گوشت مل جائے۔ اس دوران بچھڑے کے پیٹ سے (گلا کٹنے کے بعد) عجیب و غریب آوازیں آئیں جس میں میں نے دیگر الفاظ کے علاوہ یہ سنا جیسے کوئی لا الہ الا اللہ کہہ رہا ہے۔ (سیرۃ ابن ہشام، القسم الاول، ص ۲۱۰-۲۱۱)





حصہ سوم

پیامِ ربانی



## غارِ حرا اور وحی

### ریاضت اور خلوت

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل آپ کی اپنی کیفیت اور مختلف شخصیات کو ملنے والے غیبی اشارات اس بات کی غمازی کر رہے تھے کہ نبی آخر الزمان کی بعثت کا وقت آ پہنچا ہے۔ جس عظیم رسول کے تذکرے تو رات اور انجیل میں تھے، اس کے بارے میں جگہ جگہ مجالس میں بات چیت ہونے لگی تھی۔ خود آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اس عرصے میں خلوت میں بیٹھ کر اللہ رب العالمین کی عبادت اور ذکر و فکر میں مشغول ہو گئے۔ آپ نے مکہ کے قریب حرا کی پہاڑیوں میں ایک پر امن اور پرسکون مقام غارِ حرا کو اب اپنا مستقر بنا لیا۔ سیدہ خدیجہؓ آپ کے لیے کھانے پینے کی چیزیں تیار کرتیں اور آپ اپنا یہ زادِ سفر لے کر حرا میں تشریف لے جاتے۔ کئی دن راتیں وہیں قیام رہتا۔ جب خوراک ختم ہو جاتی تو آپ گھر واپس آتے، کچھ دن گھر میں قیام اور امور خانہ کے بارے میں معلومات و انتظامات کے بعد پھر اپنی منزل پر چلے جاتے۔

### جبریلؑ کی آمد اور پہلی وحی

اس عرصے میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سچے خواب اور بشارتیں ملنے لگیں۔ آخر ایک رات کو آپ نے غارِ حرا میں بیداری کی حالت میں ایک روشنی دیکھی۔ اس روشنی کے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم پہلے ہی سے منتظر تو تھے لیکن آپ اس روشنی کو دیکھ کر سوچنے لگے کہ اس میں سے کیا برآمد ہوگا؟ اچانک آپ کو آواز آئی: اِقْرَأْ یہ جبریل امین کی آواز تھی جو اللہ کا پیغام آپ تک پہنچانے کے لیے آئے تھے۔



یہ آغازِ وحی تھا جو بہت مشکل و مشقت طلب مرحلہ تھا۔ آپ نے جواب میں کہا: ما انا بقاریء۔ یعنی میں پڑھا ہوا نہیں ہوں۔ اس پر روشنی میں سے دو ہاتھ نمودار ہوئے اور حضرت جبریل نے آپ کو اپنے سینے سے لگا کر خوب بھینچا۔ پھر انہوں نے کہا پڑھو۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر وہی جواب دیا۔ دوسری اور تیسری مرتبہ بھی جبریل نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سینے سے اپنا سینہ ملا کر آپ کو زور کے ساتھ بھینچا۔ اب جو انہوں نے چھوڑا تو آپ نے ان کے ساتھ پڑھنا شروع کیا: اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ ۝ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝ اِقْرَأْ وَ رَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۝ الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۝ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ۝ (العلق ۱: ۵-۹۴)

پڑھو (اے نبی) اپنے رب کے نام کے ساتھ جس نے پیدا کیا، جسے ہوئے خون کے ایک لوتھڑے سے انسان کی تخلیق کی۔ پڑھو، اور تمہارا رب بڑا کریم ہے جس نے قلم کے ذریعے سے علم سکھایا، انسان کو وہ علم دیا جسے وہ نہ جانتا تھا۔ (بخاری، حدیث ۴۷۰، مسلم، حدیث ۲۵۲، البدایة و النہایة، ج ۱، طبع دار ابن حزم، بیروت، ص ۷۵)

### عظیم انقلاب کی بنیاد

پہلی وحی کے مبارک نزول کے وقت اس بات کا فیصلہ ہو گیا کہ اب قسمتِ نوعِ بشر بدلنے والی ہے۔ شیطان اور اس کی تمام ذریت، باطل نظریات اور جملہ طاغوتی افواج شکست و ریخت سے دو چار ہوں گی اور حق بتدریج باطل کو شکست دیتا ہوا فتحِ مبین کے مقام پر فائز ہوگا۔ اس موقع پر شیطان کے تمللانے کے واقعات بھی معروف مورخین علامہ ابن کثیر، علامہ طبری، مورخ ابن سعد اور سیرت نگار ابن ہشام نے بیان کیے ہیں۔ ہم ان واقعات کا آگے جا کر تذکرہ کریں گے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جبریل امین کی پہلی بالمشافہ ملاقات تاریخِ انسانی کا عظیم ترین موڑ ہے۔ یہ آیاتِ بینات جن کی تکمیل ۱۱۴ سورتوں اور ۶۶۶۶ آیات میں ہوئی، ان کا افتتاح اسی وحی ربانی سے ہوا۔ قرآن پاک کا نزول نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دل پر ہوا:

وَ اِنَّهُ لَتَنْزِيلُ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝ نَزَلَ بِهٖ الرُّوْحُ الْاَمِينُ ۝ عَلٰی قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنْ



الْبُنْدِ الرَّابِعِ ۱۹۷ بِلسَانِ عَرَبِيٍّ مُبِينٍ ۱۹۵ وَإِنَّهُ لَفِي زُبُرِ الْأَوَّلِينَ ۱۹۶ أَوَلَمْ يَكُنْ لَهُمْ آيَةٌ أَنْ يَعْلَمَهُ عُلَمَاءُ بَنِي إِسْرَائِيلَ ۱۹۴ (الشعر ۲۶۱: ۱۹۲-۱۹۷)۔

یہ رب العالمین کی نازل کردہ چیز ہے۔ اسے لے کر تیرے دل پر امانت دار روح اتری ہے تاکہ تو ان لوگوں میں شامل ہو جو (خدا کی طرف سے خلق خدا کو) متنبہ کرنے والے ہیں، صاف صاف عربی زبان میں۔ اور اگلے لوگوں کی کتابوں میں بھی موجود ہے۔ کیا ان (اہل مکہ) کے لیے یہ کوئی نشانی نہیں ہے کہ اسے علمائے بنی اسرائیل جانتے ہیں۔

دل کی مضبوطی بے مثال، نرمی بے نظیر

آپ اندازہ کیجیے کہ نبی مہربان صلی اللہ علیہ وسلم کا دل کتنا مضبوط اور طاقت ور تھا۔ جسم کا سب سے نازک حصہ دل ہی ہے۔ لیکن قربان جائیں اس قلب مصطفیٰ پر جس نے وہ بوجھ اٹھالیا، جس کے اٹھانے سے پہاڑ معذور تھے۔ خود قرآن گواہی دیتا ہے:

لَوْ أَنْزَلْنَا هَذَا الْقُرْآنَ عَلَى جَبَلٍ لَرَأَيْنَاهُ خَاشِعًا مُتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللَّهِ ۗ وَتِلْكَ الْأَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ ۝۲۱ (الحشر ۵۹: ۲۱) اگر ہم نے یہ قرآن کسی پہاڑ پر اتار دیا ہوتا تو تم دیکھتے کہ وہ اللہ کے خوف سے دبا جا رہا ہے اور پھٹا پڑتا ہے۔ یہ مثالیں ہم لوگوں کے سامنے اس لیے بیان کرتے ہیں کہ وہ (اپنی حالت پر) غور کریں۔

ایک جانب یہ مضبوطی اور دوسری جانب یہ نرمی کہ کسی دشمن کو بھی تکلیف میں دیکھتے تو تڑپ اٹھتے۔ چڑیا کو پریشان حال دیکھا تو قلب مصطفیٰ اتنا مضطرب ہوا کہ اس کی دادری کے لیے خیمے سے باہر نکل کر صحابہ گوبلا لیا اور جب تک اس کے بچے اس کے گھونسلے میں رکھوانہ دیے چین نہ آیا۔ ایک اونٹ کی دردناک شکایت سن کر جی بھر آیا۔ اس کے سر اور گردن پر پیار سے ہاتھ پھیرا اور پوچھا کہ یہ اونٹ کس کا ہے؟ جب ایک انصاری صحابی نے بتایا کہ وہ اونٹ کا مالک ہے تو فرمایا: اس بے زبان جانور نے مجھ سے شکایت کی ہے کہ میرا مالک مجھ سے خدمت پوری لیتا ہے اور مجھے خوراک پوری نہیں دیتا۔ کائنات میں یہ دل ایک ہی تھا اور وہ شخصیت یکتا و منفرد تھی جسے سید الاولین



والآخرین، قائد المرسلین اور خاتم النبیین بنائے جانے کا فیصلہ تخلیق کائنات سے بھی پہلے ہو چکا تھا۔

### نزول قرآن میں تدریج کی حکمت

نزول قرآن کی مدت ۲۳ سال چار مہینے اور چند ایام ہے، ۱۳ سال کی زندگی اور کم و بیش دس سال مدنی دور۔ اس عرصے میں قرآن تھوڑا تھوڑا نازل ہوتا رہا اور نزول قرآن کے ساتھ ہی اس کی کتابت، تحفیظ، تفہیم اور تعمیل و تنفیذ کا سلسلہ بھی مسلسل جاری رہا۔ کافروں نے یہ اعتراض کیا کہ اگر یہ اللہ کا کلام ہے تو ایک ہی بار کیوں نازل نہیں ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اعتراض کو بھی نقل کیا اور اس کا مسکت اور حقیقت پر مبنی جواب بھی دیا۔ ارشاد باری ہے:

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْآنُ جُمْلَةً وَّاحِدَةً كَذَلِكَ لِنُثَبِّتَ بِهِ فُؤَادَكَ وَرَتَّلْنَاهُ تَرْتِيلًا ﴿۲۲﴾ (الفرقان ۲۵: ۳۲) منکرین کہتے ہیں: ”اس شخص پر سارا قرآن ایک ہی وقت میں کیوں نہ اتار دیا گیا؟“ ہاں ایسا اس لیے کیا گیا ہے کہ اس کو اچھی طرح ہم تمہارے ذہن نشین کرتے رہیں اور (اسی غرض کے لیے) ہم نے اس کو ایک خاص ترتیب کے ساتھ الگ الگ اجزا کی شکل دی ہے۔

### خلوت سے جلوت

پہلی وحی کے نزول کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خلوت کو چھوڑ کر جلوت کا راستہ اختیار کیا۔ جس رہنمائی اور روشنی کی ضرورت تھی وہ اپنے دامن میں سمیٹی اور پھر اسے دنیا کے ہر شخص تک پہنچانے کے لیے کمر ہمت باندھ لی۔ نزول وحی کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی کیفیت اور اس پر آپ کو اچھی طرح جاننے والی شخصیات کے تاثرات و تبصرے، نیز الہامی کتابوں کا علم رکھنے والے افراد کے افکار و خیالات بہت اہمیت کے حامل ہیں۔ آپ حرا سے جب اپنے گھر کی طرف آئے تو فطری طور پر اس بوجھ کی وجہ سے آپ پر کپکپی طاری تھی۔ آنے والے مراحل کے حوالے سے تفصیلات اگلے صفحات میں ملاحظہ فرمائیے۔



بوریا ممنون خوابِ راحتش

تاجِ کسریٰ زیرِ پائے امتش

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک معمولی بوریے پر آرام کیا کرتے تھے تاہم اس زمانے کی بہت بڑی طاقت، مملکت ایران کے بادشاہوں کے قیمتی تاج ان کی امت کے پاؤں کے نیچے تھے۔

در شبتانِ حرا خلوتِ گزید

قوم و آئین و حکومتِ آفرید

آپؐ نے غارِ حرا میں راتیں گزاریں۔ تلاشِ حق کی جستجو کی، اس جستجو کے نتیجے میں (قرآن مجید کی شکل میں آپؐ نے مسلمانوں کو مرکزِ توحید پر جمع کر کے) ایک قوم بنائی، اس کا آئین وضع کیا اور ایک اسلامی مملکت کی بنیاد رکھی۔

از کلیدِ دیں درِ دنیا کشاد

ہمچو او بطنِ اُمِ گیتی نژاد

آپؐ نے دینی تعلیمات کے ذریعے دنیا کے معاملات کو سنوارا، اس طرح گویا انہوں نے دین کی چابی سے دنیا کا دروازہ کھولا۔ آپؐ کی مثل دنیا میں کوئی اور ہستی پیدا نہیں ہوئی (جس نے دین و دنیا کی ہم آہنگی کا یہ عظیم کارنامہ سرانجام دیا ہو)۔

در نگاہِ او یکے بالا و پست

با غلامِ خویش بر یکِ خواں نشست

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نزدیک چھوٹے بڑے میں کوئی تمیز نہ تھی یعنی امیرِ غریب آپؐ کے نزدیک یکساں تھے۔ (اس کا ثبوت آپؐ کی حیاتِ مبارکہ سے ملتا ہے کہ وہ ذاتِ عالی مقام (اللہ کے برگزیدہ رسولؐ ہونے کے باوجود) ایک ہی دسترخوان پر اپنے غلام کے ساتھ کھانا کھا لیتے تھے۔



دخترک را چوں نبی بے پردہ دید  
چادرِ خود پیشِ روے او کشید  
حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بہت زیادہ غیرت مند اور شرم و حیا کا مجسمہ تھے۔ آپ نے  
(ایک معرکے میں گرفتار ہو کر آنے والے) قیدیوں میں ایک بنتِ حوا کو بے پردہ دیکھا تو  
اپنی چادر اتار کر اس کے سر پر ڈال دی۔

آں کہ بر اعدا درِ رحمت کشاد  
مکہ را پیغام لاثرب داد  
آپ کی ذاتِ عالی ایک ایسی ہستی تھی جس نے دشمنوں کے لیے رحمت کے دروازے  
کھول دیے اور جب مکہ فتح ہو گیا تو آپ نے ان تمام لوگوں کو جو آپ کے خون کے  
پیاسے تھے، یہ کہہ کر معاف کر دیا: لاثرب علیکم الیوم۔ (یوسف ۲۱: ۲۹)

ماکہ از قیدِ وطن بیگانہ ایم  
چوں نگہ نورِ دو چشمیم و یکیم  
ہم مسلمان کسی خاص وطن کی حدود و قیود کے اسیر نہیں۔ ہماری مثال نگاہ کی طرح ہے کہ  
اگر چہ دیکھنے کے لیے آنکھیں دو ہیں لیکن ان کی نظر و بصارت ایک ہی ہے۔

از حجاز و چین و ایرانیم ما  
شبیم یک صبحِ خندانیم ما  
ہم مسلمان اگر چہ حجاز، چین اور ایران مختلف سرزمینوں کے رہنے والے ہیں لیکن ہماری  
حیثیت ایک مسکراتی ہوئی صبح کی شبیم کی مانند یکساں ہے۔ (علامہ اقبال، اسرارِ خودی)  
علامہ اقبال کے فارسی کلام میں جو اثر آفرینی ہے وہ اپنی مثال آپ ہے۔ بد قسمتی سے آج  
ہمارے نوجوان قارئین فارسی زبان سے بالکل نابلد ہو چکے ہیں۔ فارسی میں اسلامی ادب کا بہت  
بڑا ذخیرہ موجود ہے، مگر اس سے استفادہ اب نسلِ جدید کے لیے ناممکنات میں سے ہے۔ اسی



مشکل کے پیش نظر ہم نے ان اشعار کا ترجمہ ان کے ساتھ نقل کر دیا ہے، مگر ترجمے میں وہ چاشنی و شیرینی کہاں جو اصل کلام میں ہے۔

یوں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کے ہر لمحے پر عربی، فارسی، اردو اور دنیا کی دیگر زبانوں میں بے شمار عاشقانِ رسول نے اپنی شعر و شاعری میں عقیدت و محبت کے پھول پیش کیے ہیں، مگر ہم طوالت کے خوف سے یہاں صرف غارِ حرا کے حوالے سے مولانا ظفر علی خاں مرحوم کی ایک نعت ہدیہ قارئین کر رہے ہیں۔ اس کے دو اشعار پہلے بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بچپن کے واقعات میں آپ پڑھ چکے ہیں۔

وہ شمع اُجالا جس نے کیا چالیس برس تک غاروں میں  
اک روز چمکنے والی تھی سب دنیا کے درباروں میں  
گر ارض و سما کی محفل میں ”لولاک لما“ کا شور نہ ہو  
یہ رنگ نہ ہو گلزاروں میں یہ نور نہ ہو سیاروں میں  
جو فلسفیوں سے کھل نہ سکا، اور نکتہ وروں سے حل نہ ہوا  
وہ راز اک کملی والے نے بتلا دیا چند اشاروں میں  
بو بکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ و علیؓ ہیں کرنیں ایک ہی مشعل کی  
ہم مرتبہ ہیں یارانِ نبی کچھ فرق نہیں ان چاروں میں  
وہ جنس نہیں ایمان جسے لے آئیں دکانِ فلسفہ سے  
ڈھونڈ سے ملے گی عاقل کو یہ قرآں کے سیپاروں میں  
(ارمغانِ نعت، مرتب شفیق بریلوی، ص ۲۰۲)





## وحی ربانی کی کیفیات

نزول قرآن اور صحیح بخاری

محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں۔ آپ سید المرسلین اور محسن اعظم ہیں۔ آپ کو تاج نبوت پہنانے کے لیے جبریل غار حرا میں آئے۔ آپ پر پہلی وحی صرف پانچ چھوٹی چھوٹی آیات کی صورت میں نازل ہوئی، جو سورہ العلق کے آغاز میں ہیں۔ اس کے بعد یہ سلسلہ کچھ عرصہ توقف کے بعد مسلسل ۲۳ سال جاری رہا۔ امام بخاری نے اپنی صحیح بخاری کا آغاز حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ حدیث سے کیا ہے۔ جو آپ نے منبر پر کھڑے ہو کر سامعین کو سنائی تھی۔ انما الاعمال بالنیات..... الی ما ہاجر الیہ۔ یعنی تمام اعمال کا دار و مدار نیتوں پر ہے۔ جو آدمی جیسی نیت کرے گا ویسا ہی بدلہ پائے گا۔ جس نے اللہ اور اس کے رسول کی رضا کے لیے ان کی جانب ہجرت کی تو اللہ اور اس کے رسول کے راستے کا مہاجر شمار ہوگا اور جس نے دنیا کمانے یا کسی عورت سے شادی کرنے کے لیے اپنا وطن چھوڑا تو اس کی ہجرت اسی کام کے لیے لکھی جائے گی۔ اس باب کا آغاز انہوں نے کتاب الوحی (وحی بیان) سے کیا ہے۔ آگے کی احادیث وحی سے متعلق ہیں، مگر پہلی حدیث اس نقطہ نظر سے نیت کے موضوع پر لکھی کہ یہ کام جو انہوں نے شروع کیا اس میں ان کی نیت اللہ اور اللہ کے رسول کی رضا اور حدیث نبوی کی تدوین و حفاظت اور اشاعت تھی۔

ہر نبی کو وحی سے نوازا گیا

اللہ تعالیٰ نے امام بخاری کے اس عمل کو اتنی قبولیت بخشی کہ ان کی یہ کتاب صحاح ستہ میں



پہلے نمبر پر شمار ہوتی ہے، بلکہ اسے اصح الکتب بعد کتاب اللہ یعنی کتاب اللہ کے بعد صحیح ترین کتاب کا درجہ مل گیا۔ حدیث لکھنے سے قبل انہوں نے وحی سے متعلق آیات قرآنیہ میں سے سورۃ النساء کی آیت نمبر ۱۶۳ منتخب کر کے لکھی ہے۔ اِنَّا اَوْحَيْنَا اِلَيْكَ كَمَا اَوْحَيْنَا اِلَى نُوْحٍ وَ النَّبِيِّنَ مِنْ بَعْدِهِ۔ آیت مذکور اور اس کے بعد کی آیت کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیے:

اے نبی! ہم نے تمہاری طرف اسی طرح وحی بھیجی ہے جس طرح نوح اور اس کے بعد کے پیغمبروں کی طرف بھیجی تھی۔ ہم نے ابراہیمؑ، اسماعیلؑ، اسحاقؑ، یعقوبؑ اور اولاد یعقوبؑ، عیسیٰؑ، ایوبؑ، یونسؑ، ہارونؑ اور سلیمانؑ کی طرف وحی بھیجی۔ ہم نے داؤدؑ کو زبور دی۔ ہم نے ان رسولوں پر بھی وحی نازل کی جن کا ذکر ہم اس سے پہلے تم سے کر چکے ہیں اور ان رسولوں پر بھی جن کا ذکر تم سے نہیں کیا۔ ہم نے موسیٰؑ سے اس طرح گفتگو کی جس طرح گفتگو کی جاتی ہے۔ (النساء: ۴: ۱۶۳-۱۶۴)

### مشکل ترین وحی

اس کے بعد وحی سے متعلق حدیث نمبر ۲ سے مضمون شروع ہوتا ہے۔ اس باب میں امام بخاریؒ نے کل چھ احادیث لکھی ہیں۔ سبھی احادیث کافی طویل ہیں، مگر آخری اور چھٹی حدیث تو ہماری رائے میں صحیح بخاری کی طویل ترین حدیث ہے۔ دوسری حدیث کے مطابق امام بخاری نے ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی روایت بیان کی ہے کہ حارث بن ہشام رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک مرتبہ پوچھا: اے اللہ کے رسول آپ پر وحی کس طرح آتی ہے؟ آپ نے فرمایا: کبھی تو اس کی کیفیت یہ ہوتی ہے، جس طرح گھنٹی بج رہی ہو اور یہ وحی مجھ پر سب سے مشکل ہوتی ہے۔ جب فرشتے کا کہا ہوا پیغام ربانی مجھے یاد ہو جاتا ہے تو یہ کیفیت ختم ہو جاتی ہے۔ کبھی فرشتہ انسانی شکل میں میرے سامنے آتا ہے، مجھ سے بات کرتا ہے، میں اس کی کہی ہوئی بات کو یاد کر لیتا ہوں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ شدید سردی کے موسم میں آپ پر وحی اترتی اور پھر وحی کی تکمیل ہوتی تو میں دیکھتی کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی



پیشانی سے پسینہ پھوٹ رہا ہوتا۔

زوجہ محترمہ سے مکالمہ

تیسری حدیث میں بھی ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ وحی کا آغاز یوں ہوا کہ آپ سوتے میں اچھا خواب (الرؤیة الصالحة) دیکھتے۔ پھر جب آپ بیدار ہوتے تو صبح کی روشنی میں وہی کچھ ظاہر ہو جاتا جو آپ نے خواب میں دیکھا ہوتا۔ اس عرصے میں آپ کو جلوت کے مقابلے میں خلوت بھلی لگنے لگی۔ اسی عرصے میں آپ غار حرا میں خلوت میں بیٹھ جایا کرتے تھے۔ متعدد راتیں اور دن وہیں پر گزارتے اور اللہ کی عبادت میں مصروف رہتے۔ جب کھانے پینے کا سامان ختم ہو جاتا تو اپنے گھر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس لوٹتے۔ آگے پھر اس طویل حدیث میں اس پہلی وحی کا ذکر ہے، جس میں جبریل امین روشنی کی صورت میں آپ کے سامنے نمودار ہوئے تھے اور سورۃ العلق سے نزول قرآن کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔ جب آپ پہلی وحی وصول کرنے کے بعد واپس گھر آئے تو آپ کا نپ رہے تھے۔ آپ نے اپنی اہلیہ سے کہا: میرے اوپر کوئی کپڑا ڈال دو۔ پھر آپ نے خود کو کمر میں لپیٹ لیا۔ کچھ دیر کے بعد آپ نے پورا قصہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے سامنے پیش کر دیا۔ پھر پورا قصہ بیان کر کے فرمایا: مجھے اپنے بارے میں کچھ خوف محسوس ہو رہا ہے۔ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ فکر کی کوئی بات نہیں۔ خدا کی قسم! اللہ آپ کو کبھی رسوا نہیں کرے گا۔ آپ تو صلہ رحمی کرنے والے ہیں، ناتواں اور بے بس لوگوں کا بوجھ اٹھاتے ہیں اور جو محروم ہیں ان کو اپنی کمائی سے حصہ دیتے ہیں۔ مہمان نوازی کا اہتمام کرتے ہیں اور ہر مصیبت زدہ کی مدد کے لیے تیار رہتے ہیں۔

عالم فاضل قریشی بزرگ

صحیح بخاری کی روایت کے مطابق پھر سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے ساتھ لے کر اپنے چچا زاد بھائی ورقہ بن نوفل بن اسد بن عبد العزیٰ کے پاس گئیں۔ وہ عربوں کے درمیان ہمیشہ موحد اور حنیف کے طور پر مشہور رہے۔ عبرانی زبان جانتے تھے اور



حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دین پر ایمان رکھتے تھے۔ وہ عبرانی زبان میں لکھ بھی سکتے تھے۔ وہ بوڑھے ضعیف اور آنکھوں کی بینائی سے محروم ہو چکے تھے۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے کہا: ”اے میرے چچا زاد بھائی! ذرا اپنے بھتیجے سے اس کے ساتھ پیش آنے والا واقعہ تو سنیں۔“ جب آپ نے پوری بات سنائی تو ورقہ بن نوفل نے کہا کہ اے میرے بھتیجے! یہ تو وہ ناموس ربانی ہے جو اللہ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اتارا تھا۔ کاش! میں جوان ہوتا اور اے کاش! میری زندگی وفا کرتی کہ جب تمہاری قوم تمہیں اپنے شہر سے نکال باہر کرے گی تو میں تمہارا ساتھ دیتا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تعجب سے پوچھا کہ کیا میری قوم کے لوگ مجھ کو یہاں سے نکال دیں گے؟ ورقہ نے کہا: ہاں اللہ کے جس نبی نے بھی یہ پیغام لوگوں کے سامنے پیش کیا ہے تو لوگ اس کی جان کے دشمن ہو گئے ہیں۔ اگر میں جیتا رہا تو تمہاری مدد کروں گا۔ اس کے کچھ ہی دنوں بعد ورقہ کی وفات ہو گئی۔ اس کے بعد وحی آنے کا سلسلہ کچھ عرصے کے لیے بند ہو گیا۔

### اٹھو اور پیغام پہنچاؤ

جابر بن عبد اللہ انصاری رضی اللہ عنہ کی زبانی بیان کیا گیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک بار میں راستے میں جا رہا تھا کہ اچانک میں نے آسمان سے ایک صدا سنی۔ جب آنکھ اٹھا کر اوپر دیکھا وہی فرشتہ (جبریل) جو غار حرا میں میرے پاس آیا تھا زمین و آسمان کے درمیان ایک کرسی پر بیٹھا تھا۔ اسے دیکھ کر میرے اوپر رعب طاری ہوا اور میں واپس اپنے گھر آ گیا اور کہا کہ مجھے کپڑا اوڑھا دو۔ میں اسی کیفیت میں تھا کہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں: يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۚ قُمْ فَأَنْذِرْ ۚ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ۚ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ۚ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ ۚ وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْبِرُ ۚ وَلِرَبِّكَ فَاصْبِرْ ۚ (المدثر ۴: ۱-۷) اے اوڑھ لپیٹ کر لیٹنے والے، اٹھو اور خبردار کرو۔ اور اپنے رب کی بڑائی کا اعلان کرو۔ اور اپنے کپڑے پاک رکھو۔ اور گندگی سے دور رہو۔ اور احسان نہ کرو زیادہ حاصل کرنے کے لیے۔ اور اپنے رب کی خاطر صبر کرو۔

اس کے بعد وحی کا سلسلہ شروع ہو گیا اور وقتاً فوقتاً جبریل علیہ السلام آپ کے پاس آتے رہے۔



مکی دور میں نازل ہونے والی قرآنی آیات میں ایمان و اخلاق اور ذاتی تربیت پر زور دیا گیا ہے۔ دنیا کی زندگی کی بے ثباتی اور آخرت کی یقینی آمد نیز اللہ کے فرشتوں، انبیائے کرام، کتب مقدسہ، اور زندگی بعد الموت کی تفصیل مکی دور کے نازل شدہ حصوں میں ملتی ہیں۔ سابقہ انبیا اور ان کی قوموں کے تذکرے، ان پر نازل ہونے والے عذاب کی کیفیت اور اہل ایمان کی نجات و بقا کے تفصیلی واقعات بتکرار بیان ہوئے ہیں۔ مدنی دور میں جہاد و قتال اور قوانین کے متعلق جامع اور تفصیلی ہدایات دی گئی ہیں۔

حدیث نمبر ۴ میں امام بخاری نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے لکھا ہے کہ جب آپؐ پر وحی نازل ہوتی تو آپ کے ذہن میں خیال گزرتا کہ اس میں سے میں کوئی چیز بھول نہ جاؤں۔ آپؐ وحی کے نزول کے ساتھ ہی اپنے ہونٹوں کو ہلاتے اور الفاظ کو دہراتے۔ اس پر اللہ نے ارشاد فرمایا: لَا تَحْرِكْ بِهِ لِسَانَكَ لِتُجْعَلَ بِهِ ۖ إِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُ وَقُرْآنَهُ ۗ فَإِذَا قَرَأَهُ فَاتَّبِعْ قُرْآنَهُ ۗ ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهُ ۗ (القیامۃ ۷۵: ۱۶-۱۹) اے نبیؐ، اس وحی کو جلدی جلدی یاد کرنے کے لیے اپنی زبان کو حرکت نہ دو، اس کو یاد کر دینا اور پڑھو دینا ہمارے ذمے ہے، لہذا جب ہم اسے پڑھ رہے ہوں اس وقت اس کی قراءت کو غور سے سنتے رہو، پھر اس کا مطلب سمجھا دینا بھی ہمارے ذمے ہے۔

ان ہدایات ربانی کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اطمینان سے کلام ربانی سنتے۔ حضرت جبریل جب پوری وحی سنا چکے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بڑی آسانی سے اس کو اسی طرح پڑھ لیتے اور ساری آیات آپ کے سینے میں محفوظ ہو جاتیں۔ (صحیح بخاری، کتاب الوحی)





## دعوتِ حق کا آغاز

ورقہ بن نوفل کا قبول اسلام

غارِ حرا تیری قسمت کا کیا کہنا کہ تیری آغوش میں سراجِ منیر کا سینہ اظہر نور قرآنی سے منور ہوا۔ جبریل امین نے سورۃ العلق کی پہلی پانچ آیات کریمہ محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے قلبِ مصفیٰ پر القا کیں۔ پہلی وحی آنے کے فوراً بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دعوت کا آغاز کر دیا تھا۔ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت میں یہ بات بہت معروف ہے کہ آپ نے اپنی زوجہ مطہرہ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا سے نزولِ وحی کا تذکرہ فرمایا۔ انہوں نے آپ کی تصدیق کی۔ پھر دونوں میاں بیوی ورقہ بن نوفل کے پاس گئے تو اس بزرگ قریشی نے اپنے علم کی بنیاد پر آپ کی نبوت کا اقرار اور اعلان کیا۔ نہ صرف یہ بلکہ اس نے اس خواہش کا اظہار کیا کہ اے کاش! اللہ سے مہلت دیتا اور وہ مشکل لمحات میں اللہ کے نبی کے شانہ بشانہ راہِ حق میں قربانیاں دیتا۔ علما و محدثین اور مفسرین و مورخین نے ورقہ بن نوفل کے بارے میں اپنی اپنی آرا کا اظہار کیا ہے۔ اکثر نے اس کے قبول اسلام کی رائے ظاہر کی ہے۔ یہ درست معلوم ہوتی ہے، کیونکہ احادیث میں اس واقعے کو جس طرح بیان کیا گیا ہے اس میں ورقہ بن نوفل کے خیالات کے بعد کوئی گنجائش نہیں رہ جاتی کہ وہ قبول اسلام سے پیچھے رہ گئے ہوں۔ البتہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بہت قلیل عرصے بعد، بعض روایات کے مطابق انفرادی اور خفیہ دعوت کا کام شروع کرنے سے بھی قبل، ورقہ بن نوفل کا انتقال ہو گیا تھا، اس لیے عمومی طور پر ان کے اظہارِ اسلام یا قبول اسلام کے بارے واضح طور پر کچھ نہیں لکھا گیا۔



## نماز کا آغاز

ابن اسحاق بیان کرتے ہیں کہ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا جب آپ پر ایمان لے آئیں تو اسی وقت آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلامی طریقے کے مطابق نماز پڑھنا شروع کر دی۔ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا بھی آپ کے ساتھ نماز میں شریک ہو گئیں۔ علی بن ابی طالب جو آپ کے گھر میں پرورش پا رہے تھے، اس منظر کو دیکھ کر آپ سے پوچھنے لگے کہ آپ لوگ یہ کیا کر رہے تھے؟ ان کے جواب میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دین اللہ الذی اصطفیٰ لنفسہ، وبعث بہ رسلاً، فادعواک الی اللہ وحده لا شریک لہ، والی عبادتہ، وکفر بالللات والعزى۔ یعنی یہ اللہ کا دین ہے، جس کو اللہ نے پسند فرمایا ہے۔ اللہ نے اپنے ہر رسول کو اسی دین کے ساتھ بھیجا ہے۔ تمہیں بھی میں اللہ اور اس کی عبادت کی طرف دعوت دیتا ہوں، وہ واحد ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔ میں تمہیں لات وعزى کی پوجا کرنے کی بجائے ان کے انکار کی دعوت دیتا ہوں۔ (البداية والنهاية، ج ۱، طبع دار ابن حزم، بیروت، ص ۴۷۰-۴۷۱)

## حضرت علیؑ اور زیدؑ کا قبول اسلام

حضرت علی رضی اللہ عنہ اس وقت بالکل نوخیز لڑکے تھے۔ انہوں نے یہ بات سنی تو عرض کیا کہ میں پہلی بار یہ بات سن رہا ہوں۔ اس کے متعلق میرے لیے اپنے طور پر کوئی حتمی فیصلہ کرنا ممکن نہیں۔ میں اپنے والد ابوطالب سے اس بارے میں پوچھوں گا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں خیال گزرا کہ کہیں نو عمر علی بن ابی طالب اس راز کا لوگوں کے سامنے اظہار نہ کر دیں، جسے ابھی اللہ تعالیٰ نے ظاہر کرنے کا حکم نہیں دیا۔ اس لیے آپ نے ان سے فرمایا: اگر تم اسلام قبول نہیں کرتے تو کوئی بات نہیں لیکن ابھی اس امر کا کہیں اظہار نہ کرنا۔

اس گفتگو کے بعد ایک رات گزری تو اگلے روز حضرت علی رضی اللہ عنہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے۔ اللہ نے ان کے دل کو اسلام کے لیے کھول دیا تھا۔ انہوں نے آتے ہی کہا: کل آپ نے مجھے جو بات کہی تھی وہ پھر دہرائیے۔ آپ نے فرمایا: ہم اس بات کی گواہی



دیتے ہیں کہ اللہ وحدہ لا شریک ہے۔ ہم لات وعزلیٰ کا انکار کرتے ہیں، تمام جھوٹے خداؤں سے برأت کا اظہار کرتے ہیں۔ علی بن ابی طالب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پورے الفاظ اپنی زبان سے دہرائے اور اسلام میں داخل ہو گئے، مگر انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق اس معاملے کو خفیہ رکھا۔ انھی ایام میں آپ کے آزاد کردہ غلام اور منہ بولے بیٹے زید بن حارثہ نے بھی بغیر کسی حیل و حجت کے اسلام قبول کر لیا۔

### حضرت ابوبکرؓ آغوش اسلام میں

ابن کثیر لکھتے ہیں کہ اوپر بیان کردہ صحابہؓ یعنی علیؓ اور زیدؓ سے بھی قبل حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خود آپ کے پاس آئے اور آپ سے سوال پوچھا: اے محمد! کیا آپ اللہ کے رسول ہیں؟ آپ نے فرمایا: بلیٰ انی رسول اللہ ونبیہ، بعثنی لا بلّغ رسالتہ وادعوک الی اللہ بالحق، فواللہ انہ للحق ادعوک یا ابابکر الی اللہ وحدہ لا شریک لہ، ولا نعبد غیرہ والموالاة علی طاعته۔ یعنی ”ہاں بے شک میں اللہ کا رسول اور نبی ہوں۔ اللہ نے مجھے اپنے دین کی تبلیغ کے لیے مبعوث فرمایا ہے۔ اے ابوبکر! میں تمہیں بھی اللہ وحدہ لا شریک اور اس کی اطاعت کی طرف دعوت دیتا ہوں، وہی معبود حقیقی ہے۔ ہم اس کے سوا کسی کی عبادت نہیں کرتے اور اس کی اطاعت کو ہی باہمی دوستی کی بنیاد بناتے ہیں۔“ اس کے بعد آپ نے قرآن کی نازل شدہ آیات پڑھ کر سنائیں۔ جناب ابوبکرؓ نے بغیر کسی مزید سوچ بچار کے فوراً آپ کی تصدیق کی۔ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے اس عمل کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زندگی بھر تحسین فرماتے رہے۔ (البدایة والنہایة، ج ۱، طبع دار ابن حزم، بیروت، ص ۷۲-۷۳)

### بیت اللہ میں نماز

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم وحی آنے سے پہلے بھی صرف اللہ وحدہ کی عبادت کرتے تھے۔ وحی آنے کے بعد آپ نے باقاعدہ رکوع و سجود کے ساتھ نماز شروع کی۔ آپ عموماً گھر میں نماز پڑھتے تھے لیکن بیت اللہ میں بھی تشریف لاتے اور وہاں بھی نماز پڑھتے۔ ابن کثیر نے مورخ ابن



اسحاق کے حوالے سے ایک واقعہ لکھا ہے کہ کونے کے امرا اور تاجر میں سے ایک شخص یحییٰ بن عقیف مکہ میں آیا۔ وہ عباس بن عبدالمطلب کا دوست تھا اور انھی کے ہاں مہمان بن کر ٹھہرا تھا۔ حضرت عباسؓ اسے اپنے ساتھ لے کر بیت اللہ میں آئے تو ان کے مہمان نے دیکھا کہ ایک خوب صورت اور سرخ آنکھوں والا نوجوان بیت اللہ میں داخل ہوا اور خانہ کعبہ کی طرف منہ کر کے ایک جگہ پہ جم کر کھڑا ہو گیا۔ کچھ دیر بعد ایک نوجوز لڑکا آیا اور اس جوان کے داہنی جانب کھڑا ہو گیا۔ پھر ایک خاتون آئی اور ان دونوں کے پیچھے آ کر کھڑی ہو گئی۔ اسی دوران یحییٰ بن عقیف نے دیکھا کہ نوجوان گھٹنوں پر دونوں ہاتھ رکھ کے جھک گیا۔ وہ لڑکا اور خاتون بھی اس کے ساتھ اسی انداز میں جھک گئے۔ پھر وہ سجدے میں چلا گیا تو انھوں نے بھی اس کے ساتھ سجدہ کیا۔

کوئی تاجر کی گواہی

عباسؓ ابن عبدالمطلب کے مہمان نے ان سے کہا: یہ بہت عظیم کام ہے۔ عباسؓ نے جواب میں کہا: واقعی یہ بہت بڑا اور عظیم کام ہے۔ عباس بن عبدالمطلب نے اس گفتگو کے بعد اپنے مہمان سے پوچھا کہ کیا تم اس نوجوان کو جانتے ہو؟ اس نے کہا: نہیں۔ عباس نے اسے بتایا کہ یہ میرے مرحوم بھائی عبد اللہ بن عبدالمطلب کا بیٹا محمد بن عبد اللہ ہے۔ پھر انھوں نے کہا کہ اس لڑکے اور اس خاتون کو جانتے ہو؟ تو مہمان نے نفی میں جواب دیا۔ انھوں نے کہا: یہ لڑکا میرے دوسرے بھائی ابوطالب بن عبدالمطلب کا بیٹا علی بن ابی طالب ہے اور یہ خاتون میرے بھتیجے محمد کی بیوی خدیجہ بنت خویلد ہے۔ محمد کا دعویٰ ہے کہ پوری کائنات میں اللہ کے سوا کوئی اور الہ نہیں ہے اور اس کے سوا کسی کی عبادت نہیں کرنی چاہیے۔ یحییٰ بن عقیف نے کہا کہ یہ تو کمال کا دین ہے۔ گویا اس کا دل گواہی دے رہا تھا کہ یہ عبادت گزار، سچے اور قابل قدر لوگ ہیں۔

سابقون فی الایمان

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قبول اسلام کی اطلاع جب ان کے والد ابوطالب کو ملی تو انھوں نے پوچھا: اے علی! کیا تم مسلمان ہو گئے ہو؟ انھوں نے جواب دیا: جی ہاں، میں مسلمان ہو گیا ہوں۔



یہ سن کر انہوں نے کہا: اچھی بات ہے تم اپنے چچا زاد بھائی کے ساتھ رہو اور ان کی مدد بھی کرتے رہنا۔ ان دنوں حضرت علیؑ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں آپؐ ہی کے زیر کفالت تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی انہی دنوں مسلمان ہوئے تھے اور انہوں نے بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھنا شروع کر دی تھی۔ حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ قبول اسلام میں سبقت کے حوالے سے مردوں میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، عورتوں میں سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا، غلاموں میں جناب زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ اور بچوں میں سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے نام ہیں۔

(البدایة والنہایة، ج ۱، طبع دار ابن حزم، بیروت، ص ۷۳-۷۴)

### ابوبکرؓ داعی اسلام

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خود مسلمان ہوئے تو اپنے حلقہ احباب میں بھی خاموشی کے ساتھ دعوت کا کام شروع کر دیا۔ آپ کے احباب کا ایک بڑا وسیع حلقہ تھا۔ آپ سے چھوٹی عمر کے نوجوان قریشی آپ کے حسن خلق اور محبت کی وجہ سے آپ سے بہت مانوس تھے۔ تھوڑے ہی عرصے میں آپ کی کاوش سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پھوپھی زاد بھائی اور سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بھتیجے زبیر بن العوام بن خویلد رضی اللہ عنہ مسلمان ہو گئے۔ انہی کے ساتھ بنو امیہ میں سے عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ بھی اسلام کی آغوش میں آ گئے۔ ان کے علاوہ طلحہ بن عبید اللہ، سعد بن ابی وقاص اور عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہم کی صورت میں مکہ کا جو ہر قابل دائرہ اسلام میں داخل ہو گیا۔ ان سب نوجوانوں کے ساتھ جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ کی مسرت دیدنی تھی۔ (البدایة والنہایة، ج ۱، طبع دار ابن حزم، بیروت، ص ۷۳-۷۴، سیرة ابن ہشام، القسم الاول، ص ۲۵۰-۲۵۲)

### ننھا عمیرؓ اسلام کی گود میں

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے والدین اپنے شرک میں بڑے پکے تھے۔ ان کے والد کا نام مالک بن اہیب تھا اور کنیت ابووقاص۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے چھوٹے بھائی عمیر بن ابی



وقاص رضی اللہ عنہ نے جب دیکھا کہ ان کے بھائی کی زندگی میں تبدیلی آئی ہے تو ان سے اس بارے میں سوال کیا۔ انھوں نے والدین سے الگ لے جا کر انھیں اسلام کی دعوت دی۔ ننھا عمیر بن ابی وقاص اس وقت دس سال سے بھی کم عمر کا تھا۔ اسلام کی دعوت سن کر بہت خوش ہوا اور کہا: اے میرے برادر محترم! کیا میں بھی اس دین میں داخل ہو سکتا ہوں۔ انھوں نے فرمایا: کیوں نہیں۔ چنانچہ انھوں نے کلمہ شہادت پڑھا اور اسلام میں داخل ہو گئے۔ جب ہجرت مدینہ کا موقع آیا تو عمیر بھی اپنے بھائی کے ساتھ چھوٹی عمر میں ہی ہجرت کر کے مدینہ چلے گئے۔ ہجرت کے وقت ان کی عمر بمشکل چودہ پندرہ سال تھی۔ الاستیعاب کے مطابق جنگ بدر میں شرکت کا شوق تھا، مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا کہ تم بہت چھوٹے ہو۔ جب حضرت سعد نے ان کے جذبہ جہاد کو دیکھا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میرے بھائی کو جہاد پر جانے کی اجازت دے دیجیے۔ چنانچہ بدر کے میدان میں شریک ہوئے اور دشمن سے خوب لڑے۔ سولہ سال کی عمر میں شہادت پالی۔ انھیں قریش کے طاقت ور ترین جنگ جو عمرو بن عبدود نے شہید کیا۔ (سیرۃ ابن ہشام، القسم الاول، ص ۲۵۴)

### غیر مشروط اطاعت

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو نماز پڑھنے کا حکم دیا تو آغاز میں کافروں کی اذیت کے خوف سے مسلمان نمازیں چھپ چھپ کر پڑھتے تھے۔ پہاڑوں کی گھاٹیوں میں جا کر نماز پڑھنا بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا معمول تھا۔ ایک مرتبہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ پہاڑ کی ایک گھاٹی میں نماز پڑھ رہے تھے، کچھ مشرکین مکہ وہاں آ نکلے۔ انھوں نے مسلمانوں اور ان کے دین کو گالیاں دینا شروع کر دیں۔ اس کے علاوہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا بری طرح مذاق اڑایا۔ جب حضرت سعد رضی اللہ عنہ نماز سے فارغ ہوئے تو ان کافروں کو لاکارا۔ اس وقت ان کے ہاتھ میں مرے ہوئے اونٹ کے شانے کی ایک بڑی ہڈی تھی۔ انھوں نے جب ان کافروں پر حملہ کیا تو یہ وہاں سے کھسک گئے تاہم عبد اللہ بن نطل لعنتی کے سر پہ انھوں نے ضرب لگائی اور وہ زخمی ہو گیا،



مگر ان لوگوں کو ہمت نہیں پڑی کہ واپس پلٹ کر حضرت سعدؓ کا مقابلہ کریں۔ یہ تاریخ اسلام میں کفار کا پہلا خون تھا جو کسی مسلمان کے ہاتھ سے بہایا گیا تھا۔۔۔ جب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس واقعہ کا پتا چلا تو آپ نے حضرت سعد سے فرمایا کہ اے سعد! اللہ نے ہمیں ہاتھ روکے رکھنے کا حکم دیا ہے۔ پس آئندہ ہاتھ نہ اٹھانا۔ فاتح فارس نے اس کے بعد کی زندگی میں کبھی کسی پر ہاتھ نہ اٹھایا حالانکہ وہ ہر کافر کا مقابلہ کر سکتے تھے۔ یہ ہے مکمل اور غیر مشروط اطاعت! (البداية والنهاية، ج ۱، طبع دار ابن حزم، بیروت، ص ۴۸۳)

### قریش کے چھ اشرار

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ظالموں کے ظلم کے مقابلے پر ہمیشہ صبر کیا، مگر ان کی خباثیں حد سے بڑھ گئیں اور ایک مرتبہ عقبہ بن ابی معیط نے مرے ہوئے اونٹ کی اوجھڑی لا کر آپ کی پشت مبارک پر ڈال دی جبکہ آپ بیت اللہ میں حالت سجدہ میں تھے۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے آ کر نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی پیٹھ سے وہ اوجھڑی ہٹائی اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو گھر لے جا کر آپ کے کپڑے دھوئے۔ اس موقع پر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان ظالموں کے بارے میں اللہ سے عرض کیا: اللہم علیک بهذا الملاء من قریش۔ یعنی اے اللہ! قریش کے ان سرداروں کو اپنی گرفت میں لے لے۔ پھر آپ نے چھ اشرار [عقبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ، عمرو بن ہشام (ابو جہل)، عقبہ بن ابی معیط، ابی بن خلف اور امیہ بن خلف] کے نام لے کر بددعا کی: اللہم علیک بعقبہ بن ربیعہ، اللہم علیک بشیبہ بن ربیعہ، اللہم علیک بابی جہل بن ہشام، اللہم علیک بعقبہ بن ابی معیط، اللہم علیک بابی بن خلف، اللہم علیک بامیہ بن خلف۔ یہ سب کے سب بدر کے میدان میں تہ تیغ ہو گئے تھے۔ امام احمد نے عمرو بن میمون کے حوالے سے لکھا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ایک دن کے علاوہ اپنے ان دشمنوں کے لیے کبھی بھی بددعا نہیں کی۔ (البداية والنهاية، ج ۱، طبع دار ابن حزم، بیروت، ص ۴۸۲)



## خوددار ابن مسعود

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ قبیلہ بنو ہذیل میں سے تھے۔ مکہ میں چھوٹی عمر میں آئے۔ وہ یتیم اور غریب تھے، مگر اتنے خوددار کہ کبھی کسی کے سامنے ہاتھ نہیں پھیلاتے تھے۔ عقبہ بن ابی معیط کی بکریاں چراتے اور جو کچھ ملتا اس سے اپنا اور اپنی والدہ ام عبد بنت عبدود کے بسراوقات کا انتظام کرتے۔ ان کے قبولِ اسلام کا واقعہ مورخین نے یوں بیان کیا ہے کہ یہ مکہ کے باہر ایک وادی میں بکریاں چرایا کرتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ادھر سے گزرے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی آپ کے ساتھ تھے۔ آپ دونوں کو بھوک اور پیاس محسوس ہو رہی تھی۔ جب بکریوں کا ریوڑ دیکھا تو نوعمر چرواہے سے کہا کہ کچھ دودھ ہمیں درکار ہے، اس کی قیمت ہم ادا کریں گے۔ لڑکے نے کہا: یہ بکریاں میری نہیں، میں تو مزدوری پر کام کرتا ہوں۔ مالک کی اجازت کے بغیر آپ کو دودھ کیسے دوں؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اچھا اگر کوئی بکری ایسی ہو جو دودھ نہ دیتی ہو تو وہ ہمیں بتاؤ۔ لڑکے نے ہنستے ہوئے کہا: وہ فلاں بکری ایسی ہے جو دودھ نہیں دیتی۔ آپ نے فرمایا: کیا ہم اس کا دودھ نکال سکتے ہیں؟ لڑکے کو یہ سن کر تعجب ہوا، مگر اس نے کہا کہ اس کا دودھ نکالنا چاہتے ہیں تو نکال لیں۔

## پڑھا لکھانہ جوان

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات میں سے یہ بھی ایک معجزہ ہے۔ آپ نے بکری کے تھنوں پر اپنا دست مبارک پھیرا تو ان کے اندر دودھ اتر آیا۔ لڑکے نے یہ منظر دیکھا تو حیران رہ گیا۔ پھر بڑے شوق کے ساتھ کہا: عَلِمْنِي مِمَّا عَلَمَكَ اللَّهُ. یعنی آپ کے پاس جو علم ہے اس میں سے مجھے بھی کچھ عطا فرمائیے۔ آپ نے فرمایا: إِنَّكَ لَغُلَامٌ مُعَلَّمٌ. یعنی تم تو پہلے ہی تعلیم یافتہ نوجوان ہو۔ اسی موقع پر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت پر اسلام قبول کر لیا۔ پھر بکریوں کا یہ چرواہا بکریوں کو ان کے مالک کے پاس چھوڑ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں آ گیا۔ سبحان اللہ۔ یہی چرواہا امت مسلمہ کا بہت بڑا محسن بنا



جو صحابہ کے درمیان قرآن و سنت پر ایک سند کی حیثیت رکھتا تھا۔ انھی کے بارے میں آپ نے فرمایا کہ جو قرآن پاک کو جبریل کے لہجے میں سننا چاہے وہ عبد اللہ بن مسعود کی تلاوت سن لے۔

راہب کی گواہی

حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ آغاز اسلام میں بصری کی طرف تجارت کے لیے گئے۔ وہاں انھوں نے دیگر لوگوں کے ساتھ ایک عبادت گاہ میں قیام کیا۔ عبادت خانے کے راہب نے ان لوگوں سے پوچھا: اے اہل عرب! کیا تمہارے درمیان اہل حرم میں سے بھی کوئی شخص موجود ہے؟ تو حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے کہا: ”جی ہاں میں خود اہل حرم میں سے ہوں۔“ اس نے پوچھا: کیا تمہارے درمیان ایک شخص احمد (رضی اللہ عنہ) نے نبوت کا اعلان کر دیا ہے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام اگرچہ احمد بھی تھا، مگر آپ زیادہ معروف محمد ہی کے نام سے تھے۔ اس لیے طلحہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا: ”کون احمد؟“ راہب نے وضاحت کی کہ احمد بن عبد اللہ بن عبد المطلب۔ اس پر طلحہ سمجھ گئے کہ اس کی مراد محمد بن عبد اللہ ہیں۔ جب انھوں نے کہا کہ ہاں میں اسے جانتا ہوں تو وہ راہب بولا: ”اسی مہینے میں وہ خدا کی طرف سے مبعوث ہونے والے تھے۔ وہ خدا کے آخری نبی ہیں۔ مکہ سے وہ سرسبز و شاداب کھجوروں کی سرزمین کی طرف ہجرت کریں گے اور میں سمجھتا ہوں کہ تم ان پر ایمان لانے والے پہلے لوگوں میں شامل ہو گے۔“

روشن ہیرے

طلحہ جب واپس مکہ لوٹے تو اپنے دوست ابو بکر رضی اللہ عنہ سے ملے اور ان سے اس بات کا تذکرہ کیا۔ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ہاں محمد بن عبد اللہ نے نبوت کا اعلان کیا ہے اور میں نے ان کی رسالت کی تصدیق کی ہے۔ اس پر طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ بھی حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کلمہ شہادت پڑھ کر اسلام میں داخل ہو گئے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی دعوت و تبلیغ کا کام جاری رہا۔ اوپر بیان کردہ صحابہ کے بعد وہ عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ، ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ (جن کا پورا نام عامر بن عبد اللہ بن جراح ہے)، سعید



بن زید بن عمرو بن نفیل رضی اللہ عنہ، ابوسلمہ بن عبدالاسد رضی اللہ عنہ اور ارقم بن ابی ارقم رضی اللہ عنہ جیسے عظیم نو جوانوں کے پاس گئے۔ یہ سب ان کے معتمد ساتھی تھے۔ ان سب کو انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلان نبوت اور ان پر اپنے ایمان لانے کی خبر دی تو وہ بھی سب کے سب مسلمان ہو گئے۔ یہ مکہ کے بہت قیمتی ہیرے تھے، جو اسلام کے دامن میں آ گئے۔ ان کے کارناموں سے تاریخ اسلام میں قیامت تک روشنی پھیلتی رہے گی۔ (البدایة والنہایة، ج ۱، طبع دار ابن حزم، بیروت، ص ۷۷۴)

### جنت البقیع کا پہلا مکین

حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ جب اسلام میں داخل ہوئے تو ان کے دو بھائی قدامہ بن مظعون رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن مظعون بھی حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔ حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ مہاجرین صحابہ میں سے پہلے شخص ہیں جو مدینہ منورہ میں فوت ہوئے۔ ان کی طبعی وفات میدان بدر سے واپسی پر ہوئی۔ یہ پہلے مہاجر صحابی ہیں جنہیں جنت البقیع میں دفن کیا گیا۔ یہ صاحب ہجرتین بھی ہیں۔ حضرت عثمان بن مظعون کی ایک اور خوبی یہ ہے کہ آپ ایک بڑے خاندان میں سے ہونے کے باوجود زمانہ جاہلیت میں بھی کبھی شراب کے قریب نہیں پھٹکے تھے۔ ان کا قول ابن ہشام نے نقل کیا ہے کہ وہ کسی کی طرف سے شراب کی دعوت پر فرمایا کرتے تھے: ”لا اشرب شرابا یذهب عقلی ویضحک بی من هو ادنی منی۔ یعنی میں ایسا مشروب بالکل نہیں پیوں گا جس سے میری عقل ماؤف ہو جائے اور جو مجھ سے کم تر لوگ ہیں وہ بھی میرے اوپر ہنسنے لگیں۔“ (سیرة ابن ہشام، القسم الاول، ص ۲۵۳)





## قریبی رشتہ داروں کو دعوت

اعزہ واقربا کو دعوت

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ملا کہ وہ انفرادی دعوت کے ساتھ اپنے خاندان اور قریبی رشتہ داروں کو اللہ کے عذاب سے ڈرائیں۔ حکم ربانی ہے:

وَ أَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ ﴿۲۱۴﴾ وَ اخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿۲۱۵﴾ فَإِنْ عَصَوْكَ فَقُلْ إِنَّي بِرِيءٍ مِمَّا تَعْمَلُونَ ﴿۲۱۶﴾ وَ تَوَكَّلْ عَلَى الْعَزِيزِ الرَّحِيمِ ﴿۲۱۷﴾ الَّذِي يَرِيكَ حِينَ تَقُومُ ﴿۲۱۸﴾ وَ تَقَلِّبُكَ فِي السَّجْدِينَ ﴿۲۱۹﴾ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿۲۲۰﴾ (الشعراء: ۲۱۴-۲۲۰)

اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈراؤ، اور ایمان لانے والوں میں سے جو لوگ تمہاری پیروی اختیار کریں ان کے ساتھ تواضع سے پیش آؤ، لیکن اگر وہ تمہاری نافرمانی کریں تو ان سے کہہ دو کہ جو کچھ تم کرتے ہو اس سے میں بری الذمہ ہوں۔ اور اس زبردست اور رحیم پر توکل کرو جو تمہیں اس وقت دیکھ رہا ہوتا ہے جب تم اٹھتے ہو، اور سجدہ گزار لوگوں میں تمہاری نقل و حرکت پر نگاہ رکھتا ہے۔ وہ سب کچھ سننے اور جاننے والا ہے۔

اس حکم کے آنے کے بعد علامہ ابن کثیر کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صفا کے اوپر چڑھ کر سب قبائل کو پکارا اور انہیں اسلام کی دعوت دی۔ ہماری رائے میں صفا کا خطاب بعد میں ہوا، پہلے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے گھر پر اپنے خاندان کے لوگوں کو دعوت پر بلایا تھا۔ بہر حال تقدیم و تاخیر کی اتنی زیادہ اہمیت نہیں ہم یہاں دونوں واقعات کو ترتیب وار بیان کر رہے

ہیں۔



## رشتہ داروں کی ضیافت

قریبی رشتہ داروں کو اللہ کے عذاب سے ڈرانے کا حکم ملنے پر آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا: اے علی! ایک ضیافت کا اہتمام کرتے ہیں، جس میں ہم اپنے خاندان کو اسلام کی طرف بلائیں گے۔ ابن کثیر نے آپ کے یہ الفاظ نقل کیے ہیں: يَا عَلِيُّ! إِنَّ اللَّهَ قَدْ أَمَرَنِي أَنْ أَنْذِرَ عَشِيرَتِي الْأَقْرَبِينَ فَاصْنَعْ لَنَا يَا عَلِيُّ شَاةً عَلِيٍّ صَاعٍ مِنْ طَعَامٍ، وَاعِدْ لَنَا عُسَّ لَبَنٍ، ثُمَّ اجْمَعْ لِي بَنِي عَبْدِ الْمَطْلَبِ۔ یعنی اے علی! مجھے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ میں اپنے قریبی رشتہ داروں کو اللہ کے خوف سے ڈراؤں اور اسلام کی دعوت دوں۔ پس تم کھانے کے لیے ایک برتن میں بکری کا گوشت پکا کر لے آؤ اور دوسرے میں دودھ کا مشروب لے آؤ اور بنو عبدالمطلب کو بلاؤ اور جمع کرو۔ (البدایة والنہایة، ج ۱، طبع دار ابن حزم، بیروت، ص ۷۹، ۸۰)

## کھانے اور مشروب میں برکت

حضرت علی فرماتے ہیں کہ میں نے کھانے پینے کا اہتمام کرنے کے بعد اپنے دادا کی اولاد کو بلایا تو تقریباً چالیس یا ایک آدھ کم، زیادہ افراد جمع ہو گئے۔ ان میں خاص طور پر ابوطالب، حمزہ، عباس اور خبیث ابولہب قابل ذکر ہیں۔ میں جو کھانا لایا تھا وہ تقریباً ڈھائی تین سیر کے درمیان ہوگا۔ اسی طرح دودھ کی بھی اتنی ہی مقدار ہوگی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے برتن میں سے ایک لقمہ لے کر اپنے دانتوں سے چبایا اور پھر اسے کھانے کے اطراف میں رکھ دیا۔ میں نے جب کھانا دسترخوان پر سجا دیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: كُلُوا بِسْمِ اللَّهِ۔ یعنی اللہ کا نام لے کر تناول فرمائیے۔ میں نے دیکھا کہ تمام لوگوں نے پیٹ بھر کر کھانا کھایا۔ پھر آپ نے فرمایا: اسْقِهِمْ يَا عَلِيُّ۔ اے علی! اب مہمانوں کو مشروب پلاؤ۔ میں نے سب کو دودھ پلایا تو سبھی نے سیر ہو کر پیا۔ بخدا یہ ایک معجزہ ہی تھا کیونکہ میں نے اتنے کم طعام اور اتنے قلیل مشروب سے کبھی اتنے لوگوں کو پیٹ بھر کر کھاتے پیتے نہیں دیکھا۔

جب آپ نے ان رشتہ داروں کے سامنے اپنی دعوت پیش کرنا چاہی تو آپ کا بد بخت چچا



ابولہب آپ کی بات سننے سے پہلے ہی پکارا اٹھا۔ لوگو! اس سے بچو، اس نے تم پر جادو کیا ہے جو اتنے کم کھانے سے تم سب سیر ہو گئے ہو۔ اس نے اتنا شور مچایا کہ ساری مجلس کو خراب کر دیا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اگلے روز پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آؤ آج پھر اپنے خاندان کی دعوت کریں۔ چنانچہ آپ نے مسلسل تین اور بعض روایات کے مطابق چار دن تک یہ سلسلہ جاری رکھا، مگر ہر مرتبہ ابولہب یہ کہتا کہ اس شخص نے تم پر جادو کر دیا ہے، اس سے دور ہو جاؤ۔

### اتمامِ حجت

بالآخر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری دن اپنی دعوت ان الفاظ میں اہل مجلس کو پہنچا دی: یا بنی عبدالمطلب! انی واللہ ما اعلم شاباً من العرب جاء قومہ بافضل مما جئتکم بہ، انی قد جئتکم بامر الدنیا والآخرة۔ یعنی اے بنی عبدالمطلب! خدا کی قسم میرے علم میں عرب کا کوئی نوجوان ایسا نہیں ہے جو اپنی قوم کے پاس اس سے بہتر تحفہ اور پیغام لے کر آیا ہو جو میں لے کر آیا ہوں۔ بے شک میں تمہارے پاس دنیا و آخرت کی ہر بھلائی اور کامیابی لے کر آیا ہوں۔

ابولہب کے شور شرابے کے باوجود آپ نے اتمامِ حجت کر دیا اور پھر اپنی بات میں یہ اضافہ فرمایا: وانی قد جئتکم بخیر الدنیا والآخرة، وقد امرنی اللہ ان ادعوکم الیہ، فایکم یوازرنی علی هذا الأمر علی ان یکون اخی۔ میں تمہارے پاس دنیا و آخرت کی کامیابیاں لے کر آیا ہوں اور اللہ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تمہیں اس کی طرف دعوت دوں۔ اب بتاؤ اس کام میں کون میرا بھائی اور دست و بازو بن کر میری مدد کرے گا۔ (البداية والنهاية، ج ۱، طبع دار ابن حزم، بیروت، ص ۴۸۰)

### چچا لعین بھتیجا مکین

بڑی عمر کے لوگ یا تو ابولہب کے ساتھ مل کر آپ کا مذاق اڑا رہے تھے یا خاموش تھے۔ حضرت حمزہ نے بھی ابھی تک اسلام قبول نہ کیا تھا بلکہ انہوں نے دعوت پر زیادہ سنجیدگی سے ابھی



غور ہی نہ کیا تھا۔ وہ نہ مخالف تھے نہ حامی۔ اس نازک گھڑی میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر کہا اے اللہ کے رسول! میری عمر بہت تھوڑی ہے، میری ٹانگیں کمزور ہیں جو کانپ رہی ہیں اور میری آنکھوں میں آشوب ہے، مگر اے اللہ کے نبی! میں اعلان کرتا ہوں کہ میں آپ کا دست و بازو اور وزیر بن کر آپ کے ساتھ کھڑا رہوں گا۔ یہ سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کی کلائی اپنے دست مبارک میں پکڑ کر پیار بھرے انداز میں فرمایا: یہ میرا سچا اور کھرا بھائی ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تعریف کرتے ہوئے کہا کہ اس کی بات سنا کرو اور اس پر عمل کیا کرو۔ یہ سن کر ابولہب اور دیگر لوگوں نے تمسخر اڑاتے ہوئے جناب ابوطالب سے کہا: سنو ابوطالب! تمہیں حکم دیا جا رہا ہے کہ اپنے اس ننھے ناسمجھ بیٹے کی سمع و اطاعت میں لگ جاؤ۔ (البداية والنهاية، ج ۱، طبع دار ابن حزم، بیروت، ص ۴۸۰)

ابولہب پر اس کی خباثوں کے سبب اللہ تعالیٰ نے لعنت بھیجی اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو ان کی حق پرستی کی بدولت بہت بلند مقام عطا فرمایا۔ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو جنت کی بشارت دی اور ان کے مناقب میں ارشاد فرمایا: علی، اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہے اور اللہ اور اس کے رسول کو علی سے محبت ہے۔ (البداية والنهاية، ج ۱، طبع دار ابن حزم، بیروت، ص ۷۸۲) پھر تاریخ گواہ ہے کہ دعوتِ حق کے اس کٹھن اور مشکل کام میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس چھوٹی عمر میں کیے گئے اپنے اعلان کو سچ کر دکھایا۔ کوئی موقع ایسا نہیں آیا جب جان کی بازی لگانا پڑی تو وہ ذرہ برابر بھی ہچکچائے ہوں۔ جہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا پسینہ گرا، وہاں شیر خدا نے اپنا خون گرایا۔ رضی اللہ عنہ و کریم اللہ وجہہ۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابتدائی دور میں اپنے خاندان کے لوگوں سے پوچھا کہ اگر میں راہِ حق میں اپنی جان قربان کر دوں اور میرے ذمے کسی کا کوئی قرض ہو تو کون ادا کرے گا اور میرے اہل و عیال کی سرپرستی کون کرے گا؟ اس پر آپ کے رشتہ داروں میں سے کسی نے بھی جواب نہ دیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے اللہ کے رسول! میں اس کی ذمہ داری لیتا ہوں۔ یہ



حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اسلام اور پیغمبر اسلام سے بے پناہ محبت و عقیدت کا ثبوت ہے حالانکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اپنے قول کے مطابق وہ بہت کم عمر تھے اور ان کے پاس کوئی دولت اور سرمایہ نہیں تھا۔ فی الحقیقت اسلام ہی ان کا سرمایہ تھا اور ایمان ان کی دولت اور اس سے بڑے سرمائے اور دولت کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ ایک موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ارشاد فرمایا:

عن حبشی بن جنادہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی منی وانا من علی ولا یودی عنی الا انا و علی۔ حضرت حبشی بن جنادہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: علی میرا ہے اور میں علی کا ہوں اور اپنی طرف سے میں خود ادائیگی کروں گا یا علی کرے گا۔ (ترمذی، کتاب المناقب، ابن ماجہ، افتتاح الکتاب، فضل علی بن ابی طالب، مسند احمد)

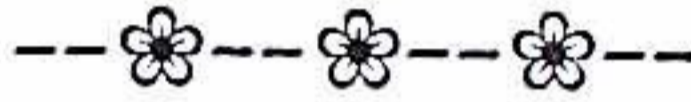
### وعظ و نصیحت اور تربیت

قریبی رشتہ داروں کو اللہ کے عذاب سے ڈرانے کے لیے اپنے گھر پر دعوت کا اہتمام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی نبوت کے بالکل ابتدائی دور میں کیا تھا۔ لیکن اس آیت کو جب بھی آپ پڑھتے تو آپ پر عجیب کیفیت طاری ہو جاتی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر اپنے خاندان کے لوگوں کے سامنے خطاب فرمایا: یا فاطمة بنت محمد، یا صفیة بنت عبدالمطلب، یا عباس بن عبدالمطلب یا بنی عبدالمطلب لا املک من اللہ شیئا سلونی من مالی ماشئتم۔ (مسلم)۔ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام بنی عبدالمطلب کو عمومی طور پر اور اپنے تین قریب ترین رشتہ داروں بیٹی فاطمہ، پھوپھی صفیہ، چچا عباس کے نام لے کر خصوصی طور پر فرمایا کہ قیامت کے دن میں کسی معاملے پر قادر نہیں ہوں گا (یعنی تمہارے اعمال تمہارے کام آئیں گے)۔ رہا دنیا کا مال و دولت تو میرے پاس جو کچھ بھی ہے تم مانگو گے تو میں تمہیں دوں گا۔ (البداية والنهاية، ج ۱، طبع دار ابن

حزم، بیروت، ص ۷۹)



یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری دور کا خطاب ہے جبکہ آپ کے چچا حمزہ رضی اللہ عنہ شہید ہو چکے تھے اور آپ کی تینوں صاحب زادیاں حضرت زینب بنت محمد، حضرت رقیہ بنت محمد اور حضرت ام کلثوم بنت محمد رضی اللہ عنہن وفات پا چکی تھیں۔ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری سالوں کی بات ہے۔ اس مثال نبویؐ میں ہمارے لیے بڑا درس ہے کہ اپنے اعزہ و اقربا کو دوزخ کی آگ سے بچانے کے لیے بھرپور کوشش اور تذکیہ و تربیت زندگی بھر جاری رکھنی چاہیے۔ ساتھ ہی اس سے یہ سبق بھی ملتا ہے کہ اعزہ و اقربا میں جو امداد کا مستحق ہو، استطاعت بھر اس کے ساتھ دل کھول کر مالی تعاون کرنا چاہیے۔





## دعوتِ حق کا ابتدائی دور

### دارِ ارقم میں اجتماع

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے والوں کی تعداد بہت آہستہ آہستہ بڑھ رہی تھی۔ تھوڑے ہی سہی، مگر جو لوگ ابتدا میں اسلام کے دامن میں آ رہے تھے ان میں سے ہر ایک انتہائی قیمتی ہیرا تھا۔ کچھ عرصے تک آپ کے صحابہ کی تعداد تیس، چالیس کے درمیان پہنچ گئی۔ اسی دور کی بات ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے والے ان نفوسِ قدسیہ نے ایک اجتماع کیا۔ غالباً یہ حضرت ارقم بن ابی ارقم کا گھر تھا، جہاں یہ مبارک اکٹھے ہوئے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جوشِ ایمان کے تحت کہا کہ یا رسول اللہ! اب ہمیں کھل کر اسلام کی دعوت دینی چاہیے۔ آپ نے فرمایا: یا ابا بکر انا قلیل یعنی اے ابو بکر! ہم تعداد میں ابھی بہت تھوڑے ہیں۔ اس لیے حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ فی الحال ہم خاموشی سے اپنی دعوت لوگوں تک پہنچاتے رہیں۔ لیکن حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ بار بار اس بات پر اصرار کرتے رہے تا آنکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ چلو ٹھیک ہے، آپ لوگ بیت اللہ میں جا کر نماز ادا کیا کریں، لیکن سب ایک جگہ نہیں، بلکہ مختلف مقامات پر۔ چنانچہ مسلمان دس دس کا سرہ (خاندان) بنا کر حرم کی طرف نکلے اور اپنی اپنی ٹولیوں میں مسجد کے مختلف کونوں میں بیٹھ گئے۔

### حرم میں پہلا دعوتی خطاب

ایک موقع پر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر ایک تقریر فرمائی۔ اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان کے قریب ہی تشریف فرما تھے۔ حرم شریف میں دعوتِ اسلام کے



حوالے سے یہ پہلا خطاب تھا۔ اس کی پاداش میں کفار آپؐ پر ٹوٹ پڑے۔ سب مسلمانوں کو زد و کوب کیا، لیکن ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو خصوصی طور پر نشانہ انتقام بنایا۔ عتبہ بن ربیعہ اس حملے میں سب سے پیش پیش تھا۔ مسلمانوں کو ہاتھ روکے رکھنے کا حکم تھا ورنہ اس روز سرزمین حرم خون میں نہا جاتی۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے قبیلہ بنو تمیم کے لوگوں نے سنا تو وہ دوڑ کر آئے۔ یہ لوگ مسلمان نہیں تھے اور یوں بھی یہ قبیلہ چھوٹے قبائل میں شمار ہوتا تھا۔ اس کے باوجود انہوں نے اپنی خاندانی عصبيت کی بنیاد پر کفار کے مقابلے پر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی حمایت کی۔ طاقت ور قریشی سرداروں نے بنو تمیم کے ان لوگوں کو بھی مارا پیٹا۔ تاہم وہ ان کا مقابلہ کرتے ہوئے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو چادر میں لپیٹ کر ان کے گھر لے گئے۔ شہر میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ خبر پھیل گئی کہ ان کو کفار نے قتل کر دیا ہے۔ بنو تمیم کے لوگ بیت اللہ میں آئے اور انہوں نے کہا: واللہ لَإِنَّ مَاتَ أَبُو بَكْرٍ لَنَقْتُلَنَّ عَتَبَةَ بْنَ رَبِيعَةَ۔ یعنی خدا کی قسم! اگر ابو بکر ان زخموں سے فوت ہو گیا تو ہم عتبہ بن ربیعہ کو قتل کیے بغیر نہیں رہیں گے۔ شام کو بنو تمیم کے لوگ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے گھر پہنچے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی ان کی خبر گیری کے لیے جا رہے تھے۔

### شمع رسالت کا پروانہ

بنو تمیم کے لوگوں نے دیکھا کہ ابو بکر اگرچہ بے ہوش ہیں، مگر ان کی سانس چل رہی ہے۔ انہوں نے اپنے لعاب اور منہ میں آنے والے پانی سے ان کے زخموں کو تر کرنا شروع کیا۔ غالباً عربوں کے ہاں لعاب دہن کو اینٹی سپٹک (Anti Septic) اور اینٹی بائیوٹک (Anti Biotic) سمجھا جاتا تھا۔ کچھ دیر کے بعد حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے آہستہ آہستہ آنکھیں کھولیں پھر آپؐ کے ہونٹ ہلے اور سب سے پہلے آپ کے منہ سے یہ الفاظ نکلے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خیریت سے ہیں؟ اہل خانہ اور بنو تمیم کے دیگر لوگوں نے کہا کہ تمہیں اپنی فکر نہیں تم محمد بن عبد اللہ کے بارے میں فکر مند ہو۔ آپ کے اصرار پر لوگوں نے بتایا کہ رسول اللہ خیریت سے ہیں۔ حضرت



ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ان کی والدہ نے تھوڑا تھوڑا کر کے کچھ کھلانا چاہا تو انھوں نے کھانے سے انکار کر دیا۔ انھوں نے اپنی والدہ سے عرض کیا: امی جان! آپ ام جمیل بنت خطاب کے پاس چلی جائیں اور ان سے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حال معلوم کریں۔ وہ ام جمیل کے پاس گئیں تو وہ کہنے لگیں: میں نہ تمہارے بیٹے کو جانتی ہوں نہ محمد بن عبد اللہ کو۔ ویسے میں تمہارے احترام میں تمہارے بیٹے کی عیادت کے لیے تمہارے ساتھ چلتی ہوں۔

### خدمتِ اقدس میں حاضری

جب ام جمیل حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچی تو ان کی حالت کے باوجود ان کی اپنے حبیب کے بارے میں فکر مندی کو دیکھ کر بہت متاثر ہوئی اور وعدہ کیا کہ وہ جا کر رسول اللہ کی خیریت کسی سے دریافت کریں گی اور آپ کو اطلاع دے دیں گی۔ چنانچہ انھوں نے آ کر بتایا کہ محمد بن عبد اللہ بالکل خیریت سے ہیں اور دارِ ارقم میں مقیم ہیں۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اصرار کیا کہ انھیں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے جایا جائے۔ اس زخمی حالت میں ان کے اصرار پر آپ کی والدہ اور ام جمیل انھیں اپنے ساتھ لے کر دارِ ارقم پہنچیں۔ اس دوران ام جمیل کے دل میں بھی اسلام کی محبت پیدا ہو گئی اور اس نے کہا: وَاللّٰهِ اِنَّ قَوْمًا نَالُوا هَذَا مِنْكَ لَا اَهْلُ فِسْقٍ وَكُفْرٍ وَاِنِیْ لَا رَجُوْا اَنْ یَّنْتَقِمَ اللّٰهُ لَکَ مِنْہُمْ۔ یعنی جن بدکار لوگوں نے آپ کو بلا وجہ زخمی کیا، وہ اہل فسق و کفر ہیں مجھے یقین ہے کہ اللہ ان سے آپ کا انتقام ضرور لے گا۔

(البداية والنهاية، ج ۱، طبع دار ابن حزم، بیروت، ص ۷۴)

### مقدس بوسے

جب یہ دونوں خواتین دارِ ارقم میں پہنچیں تو سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بخیریت دیکھ کر اطمینان کا اظہار کیا۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو دیکھا تو اٹھ کر کھڑے ہو گئے اور آپ کو سینے سے لگایا۔ پھر آپ کا ماتھا چوما اور آپ کی آنکھوں



سے بے ساختہ آنسو نکلنے لگے۔ اس منظر کو دیکھ کر تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر شدید رقت طاری ہو گئی اور سب رونے لگے اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں اور چہرے کو چومنے لگے۔ یہ مقدس بوسے دنیا و مافیہا سے کہیں زیادہ قیمتی تھے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یا رسول! مجھے اس بات کا بڑا افسوس ہے کہ کفار میرے سامنے آپ کو برا بھلا کہتے رہے۔ آپ نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو تسلی دی کہ اللہ تعالیٰ اپنے دین کے لیے راستے کھولے گا۔

### نیک نہاد منبع خیر

حسن اتفاق ہے کہ سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس خاتون کی کوکھ سے جنم لیا جن کا نام اور لقب دونوں پاکیزہ تھے۔ نام برہ تھا یعنی نیک، نیک نہاد، نیکی پسند اور عرف ام الخیر تھا یعنی سرچشمہ نیکی و خیر۔ اس موقع پر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! یہ میری والدہ، برہ ہیں (وہ ام الخیر کے نام سے معروف تھیں)۔ آپ انھیں اسلام کی طرف دعوت دیجیے اور اللہ سے دعا بھی کیجیے کہ آپ کی دعا سے اللہ انھیں دوزخ کی آگ سے نجات عطا فرمادے۔ فَدَعَا لَهَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَدَعَاَهَا إِلَى اللَّهِ فَاسْلَمَتْ۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ام ابی بکر کے حق میں اللہ سے دعا کی، پھر انھیں دین حق کی طرف دعوت دی تو انھوں نے اسلام قبول کر لیا۔ (البدایة والنہایة، ج ۱، طبع دار ابن حزم، بیروت، ص ۷۴)۔

### قسم کا پاس اور گھر واپسی

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی والدہ کا قبول اسلام حضرت ابو بکر کے لیے تو باعث مسرت و اطمینان تھا ہی خود نبی مہربان صلی اللہ علیہ وسلم ان کے قبول اسلام سے بہت زیادہ خوش ہوئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ نے ان کے حق میں دعائے خیر کی۔ اس کے بعد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنی والدہ اور ام جمیل بنت خطاب کے ساتھ واپس اپنے گھر آ گئے اور اس اطمینان کے بعد کہ آپ بخیریت ہیں، کچھ کھایا پیا۔ اس سے قبل جب انھیں کھانے کے لیے کوئی چیز



پیش کی جاتی تو وہ کہتے: فَإِنَّ وَاللَّهِ عَلَيَّ أَنْ لَأَأَذُوقَ طَعَامًا وَلَا أَشْرَبُ شَرَابًا حَتَّىٰ أَرَىٰ رَسُولَ اللَّهِ. یعنی خدا کی قسم! میں اس وقت تک نہ کوئی چیز کھاؤں گا، نہ کچھ پیوں گا جب تک آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ نہ لوں۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کے بعد ہی انہوں نے کھانے پینے کی کسی چیز کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ اس واقعہ کے بعد آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم تقریباً ایک ماہ تک اپنے انتالیس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ دارِ ارقم میں مقیم رہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اسلام کی قوت کے لیے ایسے اسباب فراہم کیے کہ دشمنان اسلام پر ہیبت طاری ہوگئی۔

(البدایة والنهاية، ج ۱، طبع دار ابن حزم، بیروت، ص ۷۴۷)





## کوہِ صفا پر دعوتِ حق

جیسا کہ ہم گزشتہ صفحات میں لکھ چکے ہیں، صفا کا خطاب اس وقت ہوا جب آپؐ پر سورہ الحجرت کی آیات نازل ہوئی ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

ہانکے پکارے دعوت پہنچا دو

فَوَرَّابِكَ لَنَسْأَلَنَّهُمْ أَجْبَعِينَ ۙ ﴿۹۷﴾ عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۹۸﴾ فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَأَعْرِضْ  
عَنِ الْمُشْرِكِينَ ﴿۹۹﴾ إِنَّا كَفَيْنَاكَ الْمُسْتَهْزِئِينَ ﴿۱۰۰﴾ الَّذِينَ يَجْعَلُونَ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا  
آخَرَ فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ ﴿۱۰۱﴾ وَلَقَدْ نَعْلَمُ أَنَّكَ يَضِيقُ صَدْرُكَ بِمَا يَقُولُونَ ﴿۱۰۲﴾ فَسَبِّحْ  
بِحَمْدِ رَبِّكَ وَكُن مِّنَ السَّجِدِينَ ﴿۱۰۳﴾ (الحجر ۱۵: ۹۲-۹۸)

قسم ہے تیرے رب کی! ہم ضرور ان سب سے پوچھیں گے کہ تم کیا کرتے رہے ہو۔ پس  
اے نبی! جس چیز کا تمہیں حکم دیا جا رہا ہے اسے ہانکے پکارے کہہ دو اور شرک کرنے  
والوں کی ذرا پروا نہ کرو۔ تمہاری طرف سے ہم ان مذاق اڑانے والوں کی خبر لینے کے  
لیے کافی ہیں جو اللہ کے ساتھ کسی اور کو بھی خدا قرار دیتے ہیں۔ عن قریب انھیں (اپنے  
کرتوتوں کے انجام کا) پتا چل جائے گا۔ ہمیں معلوم ہے کہ جو باتیں یہ لوگ تم پر بناتے  
ہیں ان سے تمہارے دل کو سخت کوفت ہوتی ہے۔ (اس کا علاج یہ ہے کہ) اپنے رب کی  
حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کرو اور اس کی جناب میں سجدہ بجالاؤ۔

یا صبا حاہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے اس حکم پر کوہِ صفا کی طرف آئے اور اس کے اوپر چڑھ کر



بلند آواز سے پکارا: یا صباحا۔ عربوں کے ہاں یہ معروف طریقہ تھا کہ جب کسی اہم خبر سے لوگوں کو مطلع کرنا ہوتا یا کسی خطرے کی اطلاع دینی ہوتی تو یہ لفظ بولتے۔ بلند آواز سے یا صباحا کہنے کے بعد آپ نے پکارا۔ اے بنی عبدالمطلب، اے بنی فہر، اے بنی لوی! (یہ تین نام جو آپ نے لیے تو گویا اپنے دادا سے آپ شروع ہوئے اور پھر اوپر کی پشت میں اپنے جد امجد فہر کا نام لیا اور پھر اس سے بھی اوپر لوی کا نام پکارا۔ گویا تمام قریش کے قبائل اس پکار کے مخاطب تھے۔) چنانچہ آپ کی پکار سن کر سب لوگ جمع ہو گئے۔ آپ صفا کے اوپر کھڑے تھے، سب لوگ صفا کے نیچے گوش بر آواز تھے۔

### داعی اور دعوت

اس موقع پر آپ نے دعوت پیش کرنے سے پہلے خود اپنے آپ کو مجمع عام کے سامنے پیش کیا۔ گویا داعی کی ذات اور کردار، دعوت کی زندہ مثال ہونی چاہیے۔ آپ نے فرمایا: میں نے تمہارے درمیان زندگی کا ایک حصہ گزارا ہے، کیا تم نے مجھے سچا پایا ہے یا جھوٹا؟ سب پکارا ٹھے ہم نے آپ کو سچا اور امانت دار پایا ہے۔ پھر آپ نے فرمایا: اگر میں تمہیں یہ کہوں کہ پہاڑ کی پرلی جانب ایک بہت بڑا لشکر ہے جو تم پر حملہ آور ہونا چاہتا ہے تو کیا تم میری تصدیق کرو گے؟ سب نے کہا: اگرچہ ہمیں ایسا کوئی لشکر نظر نہ بھی آئے لیکن آپ کہیں تو ہم تصدیق کریں گے کیونکہ آپ کبھی جھوٹ نہیں بولتے۔ اس پر آپ نے فرمایا: فانی نذیر لکم بین یدی عذاب شدید۔ یعنی میں ایک بڑے عذاب سے ڈرانے کے لیے تمہاری طرف بھیجا گیا ہوں کہ تم اس سے بچ جاؤ۔ اس موقع پر بھی ابولہب لعین نے بڑے شدید رد عمل اور غصے کا اظہار کرتے ہوئے کہا: تبًا لک سائر الیوم اما دعوتنا الا لہذا؟ یعنی دن بھر تمہارے اوپر بربادی چھائی رہے۔ اس (فضول کام) کے لیے تم نے ہمیں یہاں جمع کیا تھا۔ (البداية والنهاية، ج ۱، طبع دار ابن حزم،

بیروت، ص ۷۹، طبقات ابن سعد، ج ۱، ص ۱۹۹-۲۰۰)



## دشمن کا جواب خود خدا کی زبانی

اس کے جواب میں خُلقِ عظیم کے مالک اور بہت حوصلے والے رسولِ خدا نے کوئی جواب دینا بھی مناسب نہ سمجھا، مگر کائنات کے خالق اور مالک، اللہ تبارک و تعالیٰ نے ابولہب کا نام لے کر اس پر لعنت کی۔ آپ کے بڑے بڑے مخالفین اس دور میں موجود تھے۔ ان میں سے کئی ایک کا نام لیے بغیر اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ان کی مذمت کی ہے۔ مفسرین نے ان تمام مقامات پر اپنی تفاسیر میں جو حاشیے لکھے ہیں ان میں آپ کے ان مخصوص دشمنوں کے ناموں کا تذکرہ کیا ہے۔ واحد شخص جس کا نام لے کر قرآن میں اس کی تباہی و بربادی اور اس کے لعنتی و جہنمی ہونے کا تذکرہ آیا ہے وہ یہی بد بخت ہے۔ ویسے ولید بن مغیرہ، عمرو بن ہشام (ابو جہل)، نضر بن حارث، عاص بن وائل اور بعض دیگر کفار پر بھی لعنت بھیجی گئی ہے، مگر قرآن کے الفاظ میں ان کا نام مذکور نہیں ہے۔ اس دشمن اسلام کے بارے میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

تَبَّتْ يَدَا أَبِي لَهَبٍ وَتَبَّ ۗ مَا أَغْنَىٰ عَنْهُ مَالُهُ وَمَا كَسَبَ ۗ سَيَصْلَىٰ نَارًا  
ذَاتَ لَهَبٍ ۗ وَامْرَأَتُهُ ۗ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ ۗ فِي جِيدِهَا حَبْلٌ مِّن مَّسَدٍ ۝

(الہب ۱:۱-۵)

ٹوٹ گئے ابولہب کے ہاتھ اور نامراد ہو گیا وہ۔ اس کا مال اور جو کچھ اس نے کمایا وہ اس کے کسی کام نہ آیا۔ ضرور وہ شعلہ زن آگ میں ڈالا جائے گا اور (اس کے ساتھ) اس کی جوڑو بھی، لگائی بھائی کرنے والی، اس کی گردن میں مونجھ کی رسی ہوگی۔

## بدترین دشمنان کا تذکرہ

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت میں مکہ کے سبھی کفار سرگرم تھے۔ تاہم کچھ لوگوں کو آپ سے بہت زیادہ عناد تھا۔ مورخین نے ان کے نام بھی لکھے ہیں۔ یہ لوگ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے حسد بھی کرتے تھے، آپ کے خلاف پراپیگنڈا بھی کرتے اور من گھڑت الزامات بھی لگاتے تھے اور آپ کو جسمانی اذیت پہنچانے سے بھی دریغ نہیں کرتے تھے۔ بدترین دشمنوں کے جو نام



بیان ہوئے ہیں، ان میں سب سے زیادہ شدید دشمن اکیس افراد تھے:

- |                                   |                           |
|-----------------------------------|---------------------------|
| ۱۔ ابو جہل، عمرو بن ہشام          | ۲۔ ابولہب بن عبدالمطلب    |
| ۳۔ الاسود بن عبد یغوث             | ۴۔ الحارث بن قیس بن عدی   |
| ۵۔ الولید بن المغیرہ              | ۶۔ ابوسفیان صحز بن حرب    |
| ۷۔ امیہ بن خلف                    | ۸۔ ابی بن خلف             |
| ۹۔ ابو قیس بن الفا کہ ابن المغیرہ | ۱۰۔ العاص بن وائل         |
| ۱۱۔ النضر بن الحارث               | ۱۲۔ منبہ بن الحجاج        |
| ۱۳۔ زہیر بن ابی امیہ              | ۱۴۔ السائب بن صفی بن عابد |
| ۱۵۔ الاسود بن عبد الاسد           | ۱۶۔ العاص بن سعید بن عاص  |
| ۱۷۔ عقبہ بن ابی معیط              | ۱۸۔ العاص بن ہاشم         |
| ۱۹۔ ابن الاصدی الہذلی             | ۲۰۔ الحکم بن ابی العاص    |
| ۲۱۔ عدی بن الحمراء                |                           |

### ولید بن مغیرہ

ان میں سے سب سے زیادہ دشمنی ابو جہل، ابولہب اور عقبہ بن ابی معیط کی طرف سے رونما ہوتی تھی، جبکہ عقبہ، شیبہ اور ابوسفیان بھی دشمن تو تھے، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دیگر قریشی سرداروں کی طرح بدگوئی اور گستاخی نہیں کرتے تھے۔ علامہ ابن کثیر کے مطابق ولید بن مغیرہ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور آپ نے اس کے سامنے قرآن کی کچھ آیات بھی تلاوت کیں۔ وہ ان آیات سے متاثر ہوا۔ جب ابو جہل کو اپنے چچا کے بارے میں یہ احساس ہوا کہ وہ اسلام کی طرف مائل ہو رہا ہے تو اس کے پاس گیا اور اس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ایک لمبی گفتگو کی۔ ولید کی کئی کیفیتیں تاریخ میں بیان ہوئی ہیں۔ اس نے



ابو جہل کے ملامت پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں اپنی رائے تبدیل کر لی۔ وہ بڑا مال دار انسان تھا اور مال خرچ بھی کرتا تھا۔ جب اس کی رائے میں تبدیلی آئی تو اللہ تبارک و تعالیٰ نے اسی زمانے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی کہ آپ کسی کی کوئی فکر نہ کریں اپنا کام دلجمعی سے جاری رکھیں۔ ارشاد باری ہے:

### مال و اولاد کا فتنہ

ذُرِّيِّ وَمَنْ خَلَقْتُ وَجِيْدًا ۝۱۱ وَجَعَلْتُ لَهُ مَالًا مَّمْدُوْدًا ۝۱۲ وَبَنِيْنَ شُهُوْدًا ۝۱۳ وَمَهْدَتْ  
لَهُ تَهِيْدًا ۝۱۴ ثُمَّ يَطْمَعُ اَنْ اَزِيْدَ ۝۱۵ كَلَّا ۝۱۶ اِنَّهٗ كَانَ لِاٰتِيْنَا عَنِيْدًا ۝۱۷ سَاُرْهِقُهٗ  
صَعُوْدًا ۝۱۸ اِنَّهٗ فَكَرَ وَ قَدَّرَ ۝۱۹ فَ قُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ ۝۲۰ ثُمَّ قُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ ۝۲۱ ثُمَّ  
نَظَرَ ۝۲۲ ثُمَّ عَبَسَ وَبَسَرَ ۝۲۳ ثُمَّ اَدْبَرَ وَاسْتَكْبَرَ ۝۲۴ فَقَالَ اِنْ هٰذَا اِلَّا سِحْرٌ يُؤْتٰرُ ۝۲۵ اِنْ  
هٰذَا اِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ ۝۲۶ سَاُصْلِيْهِ سَقَرَ ۝۲۷ وَمَا اَدْرٰكُ مَا سَقَرُ ۝۲۸ لَا تُبْقِيْ وَلَا  
تَذَرُ ۝۲۹ لَوْ اَنَّ لِلْبَشْرِ ۝۳۰ عَلَيْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ ۝۳۱ (المدرثر ۷۴: ۱۱-۳۰)

چھوڑ دو مجھے اور اس شخص کو جسے میں نے پیدا کیا، بہت سا مال اس کو دیا، اس کے ساتھ حاضر رہنے والے بیٹے دیے، اور اس کے لیے ریاست (سرداری) کی راہ، ہمواری، پھر وہ طمع رکھتا ہے کہ میں اسے اور زیادہ دوں۔ ہرگز نہیں، وہ ہماری آیات سے عناد رکھتا ہے۔ میں تو اسے عن قریب ایک کٹھن چڑھائی چڑھواؤں گا۔ اس نے سوچا اور کچھ بات بنانے کی کوشش کی۔ ہاں، خدا کی مار اس پر، کیسی بات بنانے کی کوشش کی۔ پھر (لوگوں کی طرف) دیکھا۔ پھر پیشانی سکیڑی اور منہ بنایا، پھر پلٹا اور تکبر میں پڑ گیا۔ آخر کار بولا کہ یہ کچھ نہیں ہے مگر جادو جو پہلے سے چلا آ رہا ہے، یہ تو ایک انسانی کلام ہے۔ عن قریب میں اسے دوزخ میں جھونک دوں گا۔ اور تم کیا جانو کہ کیا ہے دوزخ؟ نہ باقی رکھے نہ چھوڑے۔ کھال جھلس دینے والی۔ انیس کارکن اس پر مقرر ہیں۔ (البداية والنهاية،

ج ۱، طبع دار ابن حزم، بیروت، ص ۴۹۲-۴۹۳)



## خبیث ہمسائے سوہانِ روح

جن اکیس کفار کے نام اوپر مذکور ہیں ان میں سے صرف دو افراد کو اسلام قبول کرنے کی سعادت ملی اور یہ ہیں ابوسفیان بن حرب اور الحکم بن ابوالعاص۔ یہ خوش نصیب صحابہ کی پاکیزہ صف میں شامل ہو گئے اور ان کے سارے سابقہ گناہ دُھل گئے۔ ان افراد میں سے دو آپ کے دائیں اور بائیں جانب رہنے والے پڑوسی تھے اور وہ آپ کے ساتھ بدترین سلوک روارکھتے تھے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی ایک روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کنت بین شرّ جارین، بین ابی لہب و عقبہ بن ابی معیط۔ یعنی میرے دو بدترین ہمسائے جن کے درمیان میرا گھر تھا، ابولہب اور عقبہ بن ابی معیط تھے۔ پھر آپ نے فرمایا: یہ اتنے خبیث تھے کہ پاخانہ اور غلاظت اور دیگر ناپاک چیزیں لا کر میرے دروازے کے سامنے پھینک دیتے تھے۔ پھر میں انھیں وہاں سے ہٹاتا اور کہتا: یا بنی عبدمناف ایّ جوار ہذا۔ اے بنی عبدمناف! یہ کیساق ہمسائیگی ہے؟ (طبقات ابن سعد، ج ۱، ص ۲۰۰-۲۰۱)

## واعیانِ دعوتِ حق

سورۃ الحجر اور سورۃ الشعراء کے ان احکام کے نزول کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خفیہ اور ظاہری دونوں طریقوں سے دعوت پہنچانے لگے۔ آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے اکثر صحابہ خاموشی سے اپنے جاننے والوں کے درمیان دعوتِ حق کا کام کر رہے تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور پیش تر صحابہ کا طریقہ دعوتِ خفیہ تھا۔ اسی طرح سعید بن زید رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ بھی بڑی محنت کر رہے تھے، مگر خاموشی کے ساتھ۔ البتہ تین صحابہ عمر بن خطاب، حمزہ بن عبدالمطلب اور ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہم خفیہ دعوت بھی پہنچاتے تھے اور موقع محل کے مطابق اس کا علانیہ اظہار بھی کرتے تھے۔ ان پر ہاتھ اٹھانے کی کسی مائی کے لعل میں ہمت نہ تھی۔ (طبقات ابن سعد، ج ۱، ص ۲۰۰)





## بد بخت جوڑا

بیٹیوں کا دکھ

ابولہب کا تذکرہ پچھلے باب میں بھی ہوا ہے۔ یہ شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اتنی دشمنی کا مظاہرہ کرتا تھا کہ باقی سب اس کے مقابلے میں ہیچ تھے۔ یہی نہیں اس کی بیوی بھی اپنی بد بختی اور شقاوت میں تمام حدیں پھلانگ جاتی تھی۔ آغاز نبوت سے قبل نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دو بیٹیاں سیدہ رقیہ زینبہ اور سیدہ ام کلثوم زینبہ ابولہب کے دو بیٹوں عتبہ اور عتیبہ سے منسوب تھیں۔ بعض روایات کے مطابق نکاح بھی ہو چکے تھے، مگر خستہ نہیں ہوئی تھی۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت کا اعلان کیا تو ابولہب اور اس کا پورا گھرانہ آپ کا بدترین دشمن بن گیا۔ ابولہب نے اپنے دونوں بیٹوں کو حکم دیا کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹیوں کو طلاق دے دیں۔ انہوں نے نہ صرف طلاق دی بلکہ عتیبہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے شدید گستاخی بھی کی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی بیٹیوں کی وجہ سے اس موقع پر شدید صدمہ پہنچایا گیا۔ ہر بیٹی کے والدین اس دکھ کا بخوبی احساس کر سکتے ہیں، مگر رسول رحمت صلی اللہ علیہ وسلم صبر کا بحر بیکراں تھے۔ یہ واقعہ تفاسیر، تاریخ اور احادیث میں تفصیلاً مذکور ہے۔ (تفہیم القرآن، جلد ۶، تفسیر سورہ اللہب، ص ۵۲۲)

حَمَالَةَ الْحَطَبِ

ابولہب اور اس کی بیوی باؤ لے کتے کی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے لگے رہتے تھے۔ سورہ لہب میں دونوں میاں بیوی کی تباہی و بربادی کا اللہ تعالیٰ نے خود فیصلہ فرمایا ہے۔ ان پر قیامت کے دن تک لعنت بھیجی جاتی رہے گی۔ اس واقعہ کی تفصیلات تو بہت ہیں، مگر ہم مختصر طور پر



چند باتیں یہاں پر نذرِ قارئین کرنا چاہتے ہیں۔ حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر سورۃ اللہب نازل ہوئی تو ابو لہب کی بیوی امّ جمیل بن حرب بہت سیخ پا ہوئی۔ وہ غصے کی حالت میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاش میں نکلی۔ اس کے ہاتھ میں پتھر تھا اور وہ گاتی آرہی تھی:

مُذَمَّمًا      أَبِينَا

وَ دِينَهُ      قَلِينَا

وَ أَمْرَهُ      عَصِينَا

نقل کفر کفر نباشد۔ وہ کم بخت اللہ کے نبی کی ہجو میں کہہ رہی تھی۔ ”جس شخص کی مذمت کی جاتی ہے (نعوذ باللہ) ہم نے اس کا انکار کر دیا ہے، ہم اس کے دین کو نفرت اور حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں اور ہم اس کے حکم کو ٹھکراتے ہیں۔“

آنکھیں اندھی ہو گئیں

حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم بیت اللہ میں تشریف فرما تھے اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی آپ کے پاس بیٹھے تھے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اس دشمن خدا کو آتے ہوئے دیکھا تو کہا: ”یا رسول اللہ! یہ بد بخت آرہی ہے اور مجھے ڈر ہے کہ آپ پر ہاتھ اٹھائے گی اور گستاخی کرے گی۔“ آپ نے فرمایا: ”فکر نہ کرو وہ مجھے نہیں دیکھ سکے گی“ اور آپ نے قرآن مجید کی تلاوت شروع کر دی۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن عظیم میں ارشاد فرمایا ہے: ”اے نبی! جب آپ قرآن مجید کی تلاوت میں مشغول ہوتے ہیں تو ہم آپ کے درمیان اور منکرینِ آخرت کے درمیان واضح پردہ حائل کر دیتے ہیں۔“ [بنی اسرائیل ۷۵: ۱۷]

امّ جمیل بڑھتی ہوئی آئی اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے پوچھا: ”ابو بکر! تمہارا ساتھی کہاں ہے؟ اس نے میری ہجو کہی ہے۔“ ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے برجستہ جواب دیا: ”اس بیت اللہ کے مالک کی قسم! میرے ساتھی نے تیری ہجو بالکل نہیں کہی۔“ یہ سن کر وہ پلٹی۔ حضور صلی اللہ علیہ



وسلم تو اسے دکھائی ہی نہ دیے اور وہ یہ کہتی ہوئی گھر لوٹی: ”قریش اچھی طرح جانتے ہیں کہ میں ان کے سردار کی بیٹی ہوں۔“ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس میں کوئی غلط بیانی نہیں کی کیونکہ اس کی جو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کی، بلکہ رب کعبہ نے خود کی ہے۔

### گستاخی رسول ناقابل معافی جرم

ابولہب کے بیٹے عتیبہ نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جو گستاخی کی اس کا تذکرہ بھی سیرت کی کتابوں میں تفصیلاً آیا ہے۔ ابن عساکر نے محمد بن اسحاق کے حوالے سے ابولہب کے بیٹے عتیبہ کے حالات میں ایک واقعہ لکھا ہے۔ اس کے راویوں میں عثمان بن عروہ بن زبیر ہیں۔ انھوں نے یہ واقعہ اپنے والد عروہ سے سنا اور انھوں نے ہبار بن اسود سے سنا۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ ابولہب اور اس کا بیٹا تجارت کے لیے ملک شام کی جانب روانہ ہوئے۔ میں نے بھی ان کے ساتھ رخت سفر باندھا۔ سفر پر روانگی سے قبل عتیبہ نے کہا: ”بخدا میں محمد کے پاس جاؤں گا اور اس کے رب کے بارے میں اس کے عقائد کی وجہ سے اسے ضرور اذیت پہنچا کر رہوں گا۔“ اس کے بعد وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچا اور کہنے لگا: ”اے محمد! میں اس کا انکار کرتا ہوں جس کے بارے میں تم کہتے ہو: ثُمَّ دَنَا فَتَدَلَّى ﴿۱﴾ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنَى ﴿۲﴾ [النجم ۵۳: ۸، ۹]۔ وہ قریب آیا اور اوپر معلق ہو گیا یہاں تک کہ دو کمانوں کے برابر یا اس سے کچھ کم فاصلہ رہ گیا۔“

اس بد بخت نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ درشت کلامی اور گستاخی کے علاوہ ایک اور بہت بڑا جرم کیا کہ چہرہ انور کی طرف تھوکا، مگر وہ ناپاک تھوک وجہ اطہر پہ گرنے کی بجائے دور جاگرا۔ اس کی گستاخی پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا مانگی: ”اللَّهُمَّ سَلِّطْ عَلَيْهِ كَلْبًا مِّنْ كِلَابِكَ“ یعنی اے اللہ! اس پر اپنے کتوں میں سے کسی کتے کو مسلط کر دے۔

### شیروں کا گڑھ

عتیبہ اپنے خیال میں بڑا کارنامہ سرانجام دے کر اپنے باپ کے پاس آ گیا۔ ابولہب نے پوچھا: ”پیارے بیٹے! تو نے اسے کیا کہا؟“ اس نے بتایا کہ میں نے یہ اور یہ کہا۔ اس نے پوچھا:



”اس پر محمد نے کیا کہا؟“ عتیبہ نے بتایا کہ اس نے یہ بددعا دی ہے (جس کا اوپر ذکر ہو چکا ہے)۔ یہ سنتے ہی ابولہب کے چہرے کا رنگ اڑ گیا اور اس نے کہا: ”اے بیٹے! خدا کی قسم، اس کی بددعا سے میں تمہیں محفوظ نہیں سمجھتا۔“ ہبار مزید بیان کرتے ہیں کہ ہم سفر شام کے لیے روانہ ہوئے اور ابراہ کے مقام پر ہم نے قیام کیا۔ وہاں ایک گرجا گھر تھا، اسی میں ہم اترے۔ گرجا گھر کے پادری نے ہم سے کہا: ”عرب بھائیو! تم یہاں کیسے آنازل ہوئے ہو، یہ تو بڑی خطرناک جگہ ہے، یہاں شیر یوں گھومتے پھرتے ہیں جیسے عام علاقوں میں بکریاں!“

### گستاخ کا انجام

یہ سن کر ابولہب کے اوسان خطا ہو گئے اور اس نے ہم سے کہا: ”تم جانتے ہو کہ میں بوڑھا آدمی ہوں۔ میرے مقام و مرتبے سے بھی تم واقف ہو اور میرے تم پر جو حقوق ہیں ان سے بھی بے خبر نہیں ہو۔ اس شخص (محمد رسول اللہ ﷺ) نے میرے بیٹے کو بددعا دی ہے، جس سے میں سخت فکر مند ہوں۔ پس تم سارا سامان اس گرجا گھر کے صحن میں جمع کر دو اور اس کے اوپر میرے بیٹے کا بستر لگا دو۔ پھر اس سامان کے ارد گرد تم سب سو جاؤ۔“ ہبار کہتے ہیں کہ ہم نے ایسا ہی کیا۔ رات جب سو گئے تو جنگل سے شیر آیا۔ ہم سب کے چہروں کو اس نے سونگھا مگر کسی کو کچھ نہ کہا۔ پھر سامان کے بلند ڈھیر پر چڑھ گیا، عتیبہ کے چہرے کو سونگھا اور اسے چیر پھاڑ دیا، پھر اس کا سر کھول دیا۔ ابولہب کا برا حال تھا اور وہ کہے جا رہا تھا: ”میں جانتا تھا میرا بیٹا محمد کی بددعا سے کبھی نہیں بچ سکے گا۔“ جنگل کا شیر خالق ارض و سما کے حکم کا پابند تھا، اس نے اپنا کام کر دکھایا اور خالق کے باغی کچھ نہ کر سکے۔

### بد کرداروں کا انجام

عتیبہ، ابولہب اور اس کی بیوی تینوں کا بہت برا انجام ہوا۔ ابولہب چیچک کی بیماری میں مبتلا ہوا اور گل سڑ کر مر گیا۔ اس کی لاش تین دن تک پڑی رہی کوئی اس کے قریب نہ پھٹکتا تھا۔ لوگوں کو ڈر تھا کہ جو قریب جائے گا اسے چھوت کی وہی بیماری لگ جائے گی جس سے وہ مرا ہے۔ جب بدبو



پھیل گئی تو لوگوں نے اس کے اہل و عیال کو عار دلانی۔ اس پر انہوں نے ان طعنوں سے تنگ آ کر کچھ حبشیوں کو اجرت دے کر اس کی لاش اٹھوائی جنہوں نے اسے لمبی لکڑیوں پر رکھ کر ایک گڑھے میں پھینکا اور اوپر سے دور کھڑے ہو کر یوں پتھر پھینکے جیسے اسے رجم کیا جا رہا ہو۔ اس کی بیوی جو ام جمیل کے نام سے معروف تھی ابوسفیان کی بہن تھی۔ اس کا نام اروی بنت حرب تھا۔ وہ بھی ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مری اور اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: اس کی گردن میں مونجھ کی رسی ڈال کر اسے جہنم میں پھینکا گیا ہے۔ وہ اپنے قیمتی ہار پر فخر کیا کرتی تھی اور ڈینگلیں مارتی تھی کہ میں یہ قیمتی ہار بیچ کر محمد کی مخالفت میں لگا دوں گی۔ اللہ تعالیٰ نے اسی گردن میں وہ طوق ڈالا جس سے شیطان بھی پناہ مانگتا ہوگا۔

رحمت کا گہوارہ

اسلام کا دامن کتنا وسیع ہے اور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے حوصلے کتنے بلند ہیں کہ آپ کے بدترین دشمن بھی جب سچی توبہ کر کے آپ کے پاس آئے تو آپ نے کسی کو عار نہیں دلانی، بلکہ ان کے قبول اسلام پر آپ خوشی سے سرشار ہو گئے۔ بدترین دشمنوں کی اولاد آپ کے پاس آئی تو آپ نے انہیں دھتکارنے کی بجائے سینے سے لگایا۔ ابولہب کے بیٹے عتبہ نے حالت کفر میں اپنے باپ کے زیر اثر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی کو طلاق دے دی تھی، تاہم اس کی کوئی گستاخی تاریخ میں مذکور نہیں جس طرح اس کے بد بخت بھائی کی ہرزہ سرائی اوپر منقول ہے۔ لیکن فتح مکہ کے موقع پر آپ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے اور اس کے بھائی معتب کو لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ان دونوں نے قبول اسلام کی خواہش ظاہر کی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بہت خوش ہوئے اور اپنے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو بھی مبارک باد پیش کی جنہوں نے اپنے بھتیجوں کو کفر کی ضلالت سے نکال کر اسلام کی روشنی میں لاکھڑا کیا۔

مرحبایا اختی!

واضح رہے کہ ابولہب کی بیٹی درہ بنت ابی لہب فتح مکہ سے بھی پہلے ہجرت کر کے مکہ سے



مدینہ پہنچیں اور اسلام لائیں۔ آپ نے ان کی بہت تعظیم و توقیر کی اور انھیں اپنے گھر میں مہمان بھی رکھا۔ یہ ابولہب کی بیٹی تھی، مگر آپ فرما رہے تھے، میری بہن آئی ہیں۔ میری بہن کو خوش آمدید مرحبا! کفر و اسلام کی کشمکش میں یہ واقعات بڑے ایمان افروز ہیں اور اہل ایمان کے لیے ان میں بہترین دروس ہیں۔ کیا شان ہے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی! جس دشمن نے آپ کی بیٹیوں کو دکھ پہنچا کر آپ کو بھی اذیت سے دوچار کیا، اس کی بیٹی کا یہ اکرام و احترام، یہ استقبال و تعظیم! سبحان اللہ!!

ان واقعات کی تفصیلات ہم نے مندرجہ ذیل ماخذ سے بالاختصار جمع کی ہیں: تفسیر ابن کثیر، جلد ہفتم، دارالاندلس، ص ۴۰۰-۴۰۱، -البداية والنهاية، ج ششم، مکتبہ المعارف، ص ۲۷۱، المعجزات المحمدیہ، از ولید الاعظمی، اردو ترجمہ: معجزات سرور عالم، ص ۳۱-۳۲ اور ۳۸-۳۹، الجامع لاحکام القرآن للقرطبی، الجزء العشر ون، طبع دارالکتب العربی، قاہرہ، ص ۲۳۴-۲۳۶، تفہیم القرآن، ج ۶، تفسیر سورۃ اللہب، سیرۃ ابن ہشام، القسم الاول، ص ۳۵۵-۳۵۶۔





## ابن ام مکتوم کا قبولِ اسلام

خدیحہ الکبریٰ کے ماموں زاد

حضرت عبداللہ ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ ابتدائی اہل ایمان میں سے ہیں۔ ان کا اصلی نام عمرو بن قیس بن زائدہ تھا۔ یہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے ماموں زاد تھے۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی والدہ فاطمہ بنت زائدہ، ام مکتوم کے والد قیس بن زائدہ کی حقیقی بہن تھیں۔ یہ پیدائشی نابینا تھے۔ مکتوم کا معنی نابینا ہے یعنی وہ شخص جس کی آنکھوں سے ہر چیز پوشیدہ ہو۔ نابینا ہونے کے باوجود انتہائی ذہین اور بلند حوصلہ نوجوان تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وجہ سے ان کی رشتہ داری بھی بنتی ہے۔ ان کو قبولِ اسلام کے بعد اس بات کا بے انتہا شوق تھا کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں بیٹھا کریں، آپ سے قرآن سن کر اسے یاد کر لیا کریں اور آپ کے اقوال و احادیث کو بھی ذہن میں بٹھالیا کریں۔ ان کو کفار کی طرف سے اذیتیں پہنچانے کا کوئی واقعہ تاریخ میں منقول نہیں ہے۔ البتہ کفار ان کو ایک بے حیثیت اور بے ضرر انسان سمجھتے تھے۔ (سیرۃ ابن ہشام، القسم الاول، ص ۳۶۳)

نابینا صحابی کی شان

اسلام کے ابتدائی زمانے میں جبکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ابھی کفار نے قطع تعلقی نہیں کی تھی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قریش کے سرداروں سے نشست کیا کرتے تھے اور انھیں اسلام کی طرف راغب کرنے کی کوشش جاری رہتی تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تمنا تھی کہ بااثر لوگ اسلام کی طرف آئیں تاکہ اسلام کی قوت کا باعث بنیں۔ ایک مرتبہ آنحضرت صلی



اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں قریش کی چند اہم شخصیات بیٹھی تھیں اور آپ ان سے تبادلہ خیالات کر رہے تھے۔ اتنے میں حضرت عبداللہ ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ اپنے معمول کے مطابق آپ کے پاس حاضر ہوئے اور آتے ہی آپ سے سوال کیا کہ یا رسول اللہ! مجھے تعلیم دیجیے۔ اس واقعہ کی طرف قرآن پاک کی سورہ عبس میں اشارہ کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے اس بندے کو اعزاز بخشا کہ ان کے حق میں آیات نازل کیں۔ درج ذیل آیات میں اس واقعہ کی طرف اشارہ فرمایا ہے:

عَبَسَ وَ تَوَلَّى ۙ اَنْ جَاءَهُ الْاَعْيٰى ۙ وَ مَا يُدْرِيكَ لَعَلَّهٗ يَرٰكِي ۙ اَوْ يَدَّ كُرًا  
فَتَنفَعَهُ الذِّكْرٰى ۙ اَمَّا مَنْ اسْتَعْنٰى ۙ فَاَنْتَ لَهٗ تَصَدِّى ۙ وَ مَا عَلَيْكَ اَلَا  
يُرٰكِي ۙ وَ اَمَّا مَنْ جَاءَكَ يَسْعٰى ۙ وَ هُوَ يَخْشٰى ۙ فَاَنْتَ عَنْهُ تَلَهٰى ۙ كَلَّا اِنَّهَا  
تَذٰكِرَةٌ ۙ فَمَنْ شَاءَ ذَكَّرْهُ ۙ (عبس ۱: ۸۰-۱۲)

وہ ترش رو ہوا اور بے رُخی برتی، اس بات پر کہ وہ اندھا اس کے پاس آ گیا۔ تمہیں کیا خبر، شاید وہ سدھر جائے یا نصیحت پر دھیان دے اور نصیحت کرنا اس کے لیے نافع ہو؟ جو شخص بے پردائی برتا ہے اس کی طرف تو تم توجہ کرتے ہو، حالانکہ اگر وہ نہ سدھرے تو تم پر اس کی کیا ذمہ داری ہے؟ اور جو خود تمہارے پاس دوڑا آتا ہے اور (اللہ سے) ڈر رہا ہوتا ہے، اس سے تم بے رُخی برتتے ہو۔ ہرگز نہیں یہ تو ایک نصیحت ہے، جس کا جی چاہے اسے قبول کر لے۔

مفتی محمد شفیع کا حاشیہ

تمام مفسرین نے ان آیات کی تفسیر میں حضرت عبداللہ ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کا پورا واقعہ بیان کیا ہے۔ مولانا مفتی محمد شفیع صاحب معارف القرآن میں تحریر فرماتے ہیں:

شان نزول میں جو واقعہ حضرت عبداللہ ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ نابینا صحابی کا نقل کیا گیا ہے، اس میں بغوی نے یہ مزید روایت کیا ہے کہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کو نابینا ہونے کے سبب یہ تو معلوم نہیں ہو سکا کہ آپ کسی دوسرے سے گفتگو میں مشغول ہیں، مجلس میں داخل ہو کر آنحضرت صلی اللہ علیہ



وسلم کو آواز دینی شروع کی اور بار بار آواز دی۔ (مظہری) اور ابن کثیر کی ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک آیت قرآن پڑھوانے کا سوال کیا اور اس سوال کے فوری جواب دینے پر اصرار کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت مکہ کے کفار سرداروں کو دین کی تبلیغ کرنے اور سمجھانے میں مصروف تھے۔ یہ سردار تھے، عتبہ بن ربیعہ، ابو جہل ابن ہشام اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباسؓ جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس موقع پر عبد اللہ ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کا اس طرح خطاب کرنا اور ایک آیت کے الفاظ درست کرنے کے معمولی سوال پر فوری جواب کے لیے اصرار کرنا ناگوار ہوا، جس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ عبد اللہ ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ بچے مسلمان اور ہر وقت کے حاضر باش تھے۔ دوسرے اوقات میں بھی سوال کر سکتے تھے۔ ان کے جواب کے موخر کرنے میں کسی دینی نقصان کا خطرہ نہ تھا۔ بخلاف روسائے قریش کے کہ یہ لوگ نہ ہر وقت آپ کی خدمت میں آتے ہیں اور نہ ہر وقت ان کو اللہ کا کلمہ پہنچایا جاسکتا ہے۔ اس وقت یہ لوگ آپ کی بات سن رہے تھے، جس سے ان کے ایمان لانے کی توقع کی جاسکتی تھی اور ان کی بات کاٹ دی جاتی تو ایمان ہی سے ان کی محرومی ظاہر تھی۔ ان مجموعہ حالات کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ سے رخ پھیر کر اپنی ناگواری کا اظہار فرمایا اور جو گفتگو تبلیغ حق کی روسائے قریش کے ساتھ جاری تھی اس کو جاری رکھا۔ اس پر مجلس سے فارغ ہونے کے وقت سورہ عبس کی یہ آیات مذکورہ نازل ہوئیں، جس میں آپ کے طرز عمل کو ناپسندیدہ قرار دے کر آپ کو ہدایت کی گئی۔

موہوم اور یقینی کا فرق

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ طرز عمل اپنے اجتہاد پر مبنی تھا کہ جو مسلمان آدابِ مجلس کے خلاف طرز گفتگو اختیار کرے اس کو کچھ تنبیہ کی جائے تاکہ آئندہ وہ آدابِ مجلس کی رعایت کرے، اس کے لیے آپ نے حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ سے رخ پھیر لیا اور دوسری بات یہ تھی کہ بظاہر حال کفر و شرک سب سے بڑے گناہ ہیں ان کے ازالے کی فکر مقدم ہونا چاہیے، بمقابلہ دین کے فروغی



احکام کی تعلیم کے جو عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ چاہتے تھے، مگر حق تعالیٰ جل شانہ نے آپ کے اس اجتہاد کو درست قرار نہیں دیا اور اس پر متنبہ فرمایا کہ یہاں قابل غور یہ بات تھی کہ ایک شخص جو آپ سے دینی تعلیم کا طالب ہو کر سوال کر رہا ہے اس کے جواب کا فائدہ تو یقینی ہے اور جو آپ کا مخالف ہے، آپ کی بات سننا بھی پسند نہیں کرتا اس سے گفتگو کا فائدہ موہوم ہے۔ موہوم کو یقینی پر ترجیح نہ ہونا چاہیے اور عبداللہ ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ سے جو آداب مجلس کے خلاف بات سرزد ہوئی ان کا عذر قرآن نے لفظ اَعْمٰی کہہ کر بتلا دیا کہ وہ نابینا تھے۔ اس لیے اس کو نہ دیکھ سکتے تھے کہ آپ اس وقت کس شغل میں ہیں، کن لوگوں سے گفتگو چل رہی ہے، اس لیے وہ معذور تھے، مستحق اعراض نہیں تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ کسی معذور آدمی سے بے خبری میں کوئی بات آداب مجلس کے خلاف ہو جائے تو وہ قابل عتاب نہیں ہوتا۔

### تکریم رسول

عَبَسَ وَ تَوَلَّى، عَبَسَ کے معنی ترش روئی اختیار کرنا یعنی چہرہ سے اظہار ناگواری کرنا اور تَوَلَّى کے معنی رخ پھیر لینے کے ہیں۔ اس جگہ موقع اس کا تھا کہ یہ الفاظ آپ کو بصیغہ خطاب کہے جاتے کہ آپ نے ایسا کیا۔ لیکن قرآن کریم نے صیغہ خطاب کے بجائے صیغہ غائب اختیار کیا جس میں عتاب کی حالت میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اکرام ملحوظ رکھا گیا اور صیغہ غائب اختیار کر کے یہ ایہام کیا کہ جیسے یہ کام کسی اور نے کیا ہو۔ اشارہ اس طرف ہے کہ یہ کام آپ کے شایان شان نہیں، اور دوسرے جملے میں خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عذر کی طرف اشارہ فرمادیا: وَمَا يَذْرَؤُكَ (یعنی آپ کو کیا خبر) اس میں بتلا دیا کہ اعراض کی وجہ یہ پیش آئی کہ آپ کا دھیان اس طرف نہیں گیا کہ یہ صحابی جو کچھ دریافت کر رہے ہیں اس کا اثر یقینی ہے اور غیروں سے گفتگو کا اثر موہوم۔ اس دوسرے جملے میں صیغہ غائب چھوڑ کر صیغہ خطاب کا اختیار فرمانے میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکریم اور دل جوئی ہے کہ اگر بالکل خطاب کا صیغہ استعمال نہ ہوتا تو یہ شبہ ہو سکتا تھا کہ اس طرز عمل کی ناپسندیدگی ترکِ خطاب کا سبب بن گئی جو آنحضرت صلی اللہ



علیہ وسلم کے لیے ایک ناقابل برداشت رنج و الم ہوتا۔ اس لیے جس طرح پہلے جملہ میں خطاب کے بجائے غائب کا صیغہ استعمال کرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکریم ہے اسی طرح دوسرے جملے میں خطاب کرنا بھی آپ کی تکریم اور دل جوئی ہے۔

لَعَلَّهُ يَزِيكِي۔ اَوْ يَدَّ كَسْرٌ فَتَنْفَعَهُ الذِّكْرُ مِي ط یعنی آپ کو کیا معلوم کہ یہ صحابی جو بات دریافت کر رہے تھے اس کا فائدہ متیقن تھا کہ آپ ان کو تعلیم دیتے تو یہ اس کے ذریعے اپنے نفس کا تزکیہ کر لیتے اور کمال حاصل کر لیتے اور یہ بھی نہ ہوتا تو کم از کم اس ذکر اللہ سے وہ ابتدائی نفع اٹھاتے کہ اس سے ان کے دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت اور خوف کی ترقی ہو جاتی۔ لفظ ذِکْرُ مِي کے معنی کثرت ذکر کے ہیں۔ (کذا فی الصحاح)

### ابرار و اتقیا

یہاں قرآن کریم نے دو جملے اختیار فرمائے یَزِيكِي اور يَدَّ كَسْرٌ، پہلے کے معنی پاک صاف ہو جانے کے ہیں اور دوسرے کے معنی نصیحت حاصل کرنے اور ذکر سے متاثر ہونے کے ہیں۔ پہلا مقام ابرار و اتقیا کا ہے، جو اپنے نفس کو ظاہری اور باطنی ہر قسم کی گندگیوں سے پاک صاف کر لیں اور دوسرا مقام طریق دین پر چلنے کے ابتدائی حال کا ہے کہ مبتدی کو اللہ کی یاد دلائی جاتی ہے، جس سے اللہ تعالیٰ کی عظمت و خوف اس کے دل میں مستحضر ہو جاتا ہے۔ مطلب یہ کہ ان کو تعلیم دینا نفع سے کسی حال خالی نہیں تھا۔ خواہ نفع کامل ہو جاتا کہ تزکیہ نفس مکمل حاصل کر لیتے یا ابتدائی نفع حاصل ہوتا کہ اللہ کی یاد اور عظمت و خوف ان کے دل میں بڑھ جاتا اور دونوں جملے بحرف تردید یعنی اُو کے ساتھ استعمال کیے گئے کہ ان دونوں میں سے کوئی ایک حال ضرور حاصل ہوتا اس میں اصطلاحی مانعہ الخلو ہے یعنی احتمال یہ بھی ہے کہ دونوں نفع جمع ہو جائیں کہ ابتدا تذکر ہو اور اس کے بعد تزکیہ، مانعہ الجمع نہیں کہ دونوں جمع نہ ہو سکیں۔ (مظہری)

تبلیغ و تعلیم کے لیے ایک اہم اصول قرآنی: اس موقع پر یہ تو ظاہر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے دو کام بیک وقت آگئے، ایک مسلمان کو تعلیم اور اس کی تعظیم اور دل جوئی،



دوسرے غیر مسلموں کی ہدایت کے لیے ان کی طرف توجہ۔ قرآن کریم کے اس ارشاد نے یہ واضح کر دیا کہ پہلا کام دوسرے کام پر مقدم ہے۔ دوسرے کام کی وجہ سے پہلے کام میں تاخیر کرنا یا کوئی خلل ڈالنا درست نہیں، اس سے معلوم ہوا کہ مسلمانوں کی تعلیم اور ان کی اصلاح کی فکر غیر مسلموں کو اسلام میں داخل کرنے کی فکر سے اہم اور مقدم ہے۔

اس میں ان علما کے لیے ایک اہم ہدایت ہے جو غیر مسلموں کے شبہات کے ازالے اور ان کو اسلام سے مانوس کرنے کی خاطر بعض ایسے کام کر بیٹھتے ہیں جن سے عام مسلمانوں کے دلوں میں شکوک شبہات یا شکایات پیدا ہو جاتی ہیں۔ ان کو اس قرآنی ہدایت کے مطابق مسلمانوں کی حفاظت اور اصلاح حال کو مقدم رکھنا چاہیے، اکبر مرحوم نے خوب فرمایا:

بے وفا سمجھیں تمہیں اہل حرم اس سے بچو  
دیر والے کج ادا کہہ دیں یہ بدنامی بھلی۔

بعد کی آیتوں میں قرآن کریم نے اسی بات کو پوری وضاحت سے بیان فرمایا ہے کہ اَمَّا  
مَنْ اسْتَعْنَىٰ ۗ فَانْتَ لَهُ تَصَدَّىٰ ۗ یعنی جو شخص آپ سے اور آپ کے دین سے استغنا اور بے  
رنخی برت رہا ہے آپ اس کے تو درپے ہیں کہ کسی طرح یہ مسلمان ہو جائے حالانکہ یہ آپ کے  
ذمے نہیں، اور اگر وہ مسلمان نہ ہو تو آپ پر کوئی الزام نہیں، اور جو شخص دوڑتا ہوا طلب علم دین کے  
لیے آیا اور وہ خدا تعالیٰ سے ڈرنے والا بھی ہے آپ اس کی طرف توجہ نہیں دیتے۔ اس میں واضح  
طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ہدایت دی گئی کہ مسلمانوں کو تعلیم اور اصلاح و تربیت کر کے  
ان کو پکا مسلمان اور قوی مومن بنانا یہ غیر مسلموں کو اسلام میں داخل کرنے کی فکر سے زیادہ اہم اور  
مقدم ہے اس کی فکر زیادہ چاہیے۔ واللہ اعلم۔ (معارف القرآن، از مفتی محمد شفیع، مطبوعہ ۱۹۸۳ء،

ص ۶۷۲-۶۷۵)

سید مودودیؒ کا حاشیہ

سورہ عبس کی تفسیر لکھتے ہوئے گزشتہ صدی کے ایک دوسرے عظیم مفسر قرآن مولانا



سید ابوالاعلیٰ مودودی نے تفہیم القرآن میں ان آیات کی شان نزول اور پس منظر کا تذکرہ یوں کیا ہے:

ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں مکہ معظمہ کے چند بڑے سردار بیٹھے ہوئے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کو اسلام قبول کرنے پر آمادہ کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ اتنے میں ابن ام مکتوم نامی ایک نابینا [صحابی] حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہوں نے آپ سے اسلام کے متعلق کچھ پوچھنا چاہا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی یہ مداخلت ناگوار ہوئی اور آپ نے ان سے بے رخی برتی۔ اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ سورۃ نازل ہوئی۔ اس تاریخی واقعہ سے اس سورہ کا زمانہ نزول باسانی متعین کیا جاسکتا ہے۔

اولاً: یہ بات ثابت ہے کہ حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ بالکل ابتدائی دور کے اسلام لانے والوں میں سے ہیں۔ حافظ ابن حجر اور حافظ ابن کثیر تصریح کرتے ہیں کہ اَسْلَمَ بِمَكَّةَ قَدِيمًا اور هُوَ مِمَّنْ اَسْلَمَ قَدِيمًا۔ یعنی یہ ان لوگوں میں سے تھے جو مکہ معظمہ میں بہت پہلے اسلام لائے تھے۔

ثانیاً: حدیث کی جن روایات میں یہ واقعہ بیان کیا گیا ہے ان میں سے بعض سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت وہ اسلام لائے تھے اور بعض سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسلام کی طرف مائل ہو چکے تھے اور تلاشِ حق میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ انہوں نے آ کر عرض کیا تھا:

یا رسول اللہ، ارشدنی، یا رسول اللہ! مجھے سیدھا راستہ بتائیے۔ (ترمذی، حاکم، ابن حبان، ابن جریر، ابویعلیٰ) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ وہ آ کر قرآن کی ایک آیت کا مطلب پوچھنے لگے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: یا رسول اللہ! علمنی مما علمک اللہ۔ یا رسول اللہ! مجھے وہ علم سکھائیے جو اللہ نے آپ کو سکھایا ہے۔ (ابن جریر، ابن ابی حاتم)۔ ان بیانات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ



حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا کا رسول اور قرآن کو خدا کی کتاب تسلیم کر چکے تھے۔ دوسری طرف ابن زید آیت ۳ کے الفاظ لَعَلَّہُ یَزِکَّیٰ کا مطلب لَعَلَّہُ یُسَلِّم۔ شاید کہ وہ اسلام قبول کر لے، بیان کرتے ہیں۔ (ابن جریر)۔ اللہ تعالیٰ کا اپنا یہ ارشاد بھی ہے کہ تمہیں کیا خبر شاید وہ سُدھر جائے یا نصیحت پر دھیان دے اور نصیحت کرنا اس کے لیے نافع ہو؟ اور یہ کہ جو خود تمہارے پاس دوڑ کر آتا ہے اور وہ ڈر رہا ہوتا ہے، اس سے تم بے رخی برتنے ہو۔ اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ اس وقت ان کے اندر طلبِ حق کا گہرا جذبہ پیدا ہو چکا تھا، وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو ہدایت کا منبع سمجھ کر آپ کی خدمت میں اس لیے حاضر ہوئے تھے کہ ان کی یہ طلب یہیں سے پوری ہوگی، اور یہ بات ان کی حالت سے ظاہر ہو رہی تھی کہ انہیں ہدایت دی جائے تو وہ اس سے مستفید ہوں گے۔

ثالثاً: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں جو لوگ اس وقت بیٹھے تھے، مختلف روایات میں ان کے ناموں کی صراحت کی گئی ہے۔ اس فہرست سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ اس زمانے میں پیش آیا تھا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ان لوگوں کا میل جول ابھی باقی تھا اور کش مکش اتنی نہ بڑھی تھی کہ آپ کے ہاں ان کی آمد و رفت اور آپ کے ساتھ ان کی ملاقاتوں کا سلسلہ بند ہو گیا ہو۔ یہ سب امور اس پر دلالت کرتے ہیں کہ یہ سورۃ بہت ابتدائی زمانے کی نازل شدہ سورتوں میں سے ہے۔

بظاہر کلام کے آغاز کا انداز بیان دیکھ کر آدمی یہ محسوس کرتا ہے کہ نابینا سے بے رخی برتنے اور بڑے بڑے سرداروں کی طرف توجہ کرنے کی بنا پر اس سورۃ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر عتاب فرمایا گیا ہے۔ لیکن پوری سورۃ پر مجموعی حیثیت سے غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ دراصل عتاب کفار قریش کے ان سرداروں پر کیا گیا ہے جو اپنے تکبر اور ہٹ دھرمی اور صداقت سے بے نیازی کی بنا پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تبلیغِ حق کو حقارت کے ساتھ رد کر رہے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تبلیغ کا صحیح طریقہ بتانے کے ساتھ ساتھ اس طریقے کی غلطی سمجھائی گئی ہے جو اپنی



رسالت کے کام کی ابتدا میں آپ اختیار فرما رہے تھے۔ آپ کا ایک نابینا سے بے رخی برتنا اور سردارانِ قریش کی طرف توجہ کرنا کچھ اس بنا پر نہ تھا کہ آپ بڑے لوگوں کو معزز اور ایک بے چارے نابینا کو حقیر سمجھتے تھے، اور معاذ اللہ یہ کوئی کج خلقی آپ کے اندر پائی جاتی تھی جس پر اللہ تعالیٰ نے گرفت فرمائی۔ بلکہ معاملے کی اصل نوعیت یہ ہے کہ ایک داعی جب اپنی دعوت کا آغاز کرنے لگتا ہے تو فطری طور پر اس کا رُحمان اس طرف ہوتا ہے کہ قوم کے بااثر لوگ اس کی دعوت قبول کر لیں تاکہ کام آسان ہو جائے، ورنہ عام بے اثر، معذور یا کمزور لوگوں میں دعوت پھیل بھی جائے تو اس سے کوئی بڑا فرق نہیں پڑ سکتا۔ قریب قریب یہی طرز عمل ابتدا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اختیار فرمایا تھا جس کا محرک سراسر اخلاص اور دعوتِ حق کو فروغ دینے کا جذبہ تھا نہ کہ بڑے لوگوں کی تعظیم اور چھوٹے لوگوں کی تحقیر کا تخیل۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ کو سمجھایا کہ اسلامی دعوت کا صحیح طریقہ یہ نہیں ہے، بلکہ اس دعوت کے نقطہ نظر سے ہر وہ انسان اہمیت رکھتا ہے جو طالبِ حق ہو، چاہے وہ کیسا ہی کمزور، بے اثر، یا معذور ہو، اور ہر وہ شخص غیر اہم ہے جو حق سے بے نیازی برتے، خواہ وہ معاشرے میں کتنا ہی بڑا مقام رکھتا ہو۔ اس لیے آپ اسلام کی تعلیمات تو ہانکے پکارے سب کو سنائیں، مگر آپ کی توجہ کے اصل مستحق وہ لوگ ہیں جن میں قبولِ حق کی آمادگی پائی جاتی ہو، اور آپ کی بلند پایہ دعوت کے مقام سے یہ بات فروتر ہے کہ آپ اسے ان مغرور لوگوں کے آگے پیش کریں جو اپنی بڑائی کے گھمنڈ میں یہ سمجھتے ہوں کہ ان کو آپ کی نہیں بلکہ آپ کو ان کی ضرورت ہے۔ (تفہیم القرآن، ج ۶، دیباچہ سورہ عبس، ص ۲۵۰-۲۵۲)

### اللہ کی کتابِ حق

دونوں عظیم مفسرین حضرت مولانا مفتی محمد شفیع اور سید مودودی نے اس موضوع پر نہایت پُر مغز تحریریں لکھی ہیں۔ ان کے اندر دونوں بزرگوں نے پورا پس منظر بھی بیان کیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اسلام کو تقویت پہنچانے کی کاوشوں کا بھی احاطہ کیا ہے۔ بعض مستشرقین اور نام نہاد سکالرز وقتاً فوقتاً فتنے اٹھاتے رہتے ہیں۔ وہ قرآن مجید کے خالص کلام ربانی ہونے پر ذہنوں کو



الجھاؤ میں ڈالنے کی شرانگیز کوششوں کی جسارت بھی کرتے ہیں۔ یہ آیات اور ان کے علاوہ قرآن پاک کے بہت سے دیگر مقامات پر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ رب العالمین نے جن امور پر متوجہ کیا ہے وہ اس بات کی بھی علامت ہیں کہ اللہ خود اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تربیت و تزکیہ کے مرحلوں سے گزارتا تھا۔ آپ کا معلم اور مربی خود خالق کائنات ہے۔ قرآن مجید کا منزل من اللہ ہونا، اس کے معجز نما کلام و مضامین کے علاوہ بالخصوص اس موضوع پر نازل ہونے والی آیات کی روشنی میں بالکل واضح ہے۔ اللہ رب العالمین نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی بات پر قرآن پاک میں متوجہ کرتے ہیں تو ساتھ آپ سے اپنی محبت و اپنائیت اور رسول برحق ہونے کی عظمت کو بھی واضح کر دیتے ہیں۔

اللہ کی نظر میں بڑا کون؟

جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ سردارانِ قریش کی ذہنیت اور سوچ کیا تھی، وہ قرآن وحدیث میں کئی مقامات پر بیان کی گئی ہے۔ وہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کئی مرتبہ پیش کش کرتے تھے کہ آپ اپنی مجلس سے کم تر اور حقیر لوگوں کو نکال دیں تو ہم آپ کے ساتھ بیٹھنے کے لیے تیار ہیں۔ یہ کفار اپنے تئیں بڑا سمجھتے تھے اور اہل ایمان، بلال، صہیب، عمار، خباب اور دیگر بلند پایہ صحابہ کو کم تر جانتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انھی مواقع پر قرآن مجید میں یہ آیات نازل فرمائیں:

وَلَا تَطْرُدِ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ بِالْغَدَاوَةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيدُونَ وَجْهَهُ ۗ مَا عَلَيْكَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِنْ شَيْءٍ وَمَا مِنْ حِسَابِكَ عَلَيْهِمْ مِنْ شَيْءٍ فَتَطْرُدَهُمْ فَتَكُونَ مِنَ الظَّالِمِينَ ﴿۵۲﴾ (الانعام: ۵۲)

اور جو لوگ اپنے رب کو رات دن پکارتے رہتے ہیں اور اس کی خوش نودی کی طلب میں لگے ہوئے ہیں (اے نبی!) انھیں اپنے سے دور نہ پھینکو۔ ان کے حساب میں سے کسی چیز کا بار تم پر نہیں۔ اس پر بھی اگر تم انھیں دور پھینکو گے تو ظالموں میں شمار ہو گے۔



## رضائے الہی کے طلب گار

سورۃ النعام کی طرح سورۃ الکہف میں بھی اللہ تعالیٰ نے ان کفار کو بتایا ہے کہ خالق کائنات کی نظروں میں انھی کا مقام ہے جو صبح و شام اسے پکارتے ہیں اور اس کے علاوہ کسی کے سامنے سر جھکانا گوارا نہیں کرتے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيدُونَ وَجْهَهُ وَلَا تَعْدُ عَيْنُكَ عَنْهُمْ تُرِيدُ زِينَةَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَلَا تُطِعْ مَنْ أَغْفَلْنَا قَلْبَهُ عَن ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوَاهُ وَكَانَ أَمْرًا فُرُطًا (الکہف: ۱۸: ۲۸)

اور (اے نبی!) اپنے دل کو ان لوگوں کی معیت پر مطمئن کرو جو اپنے رب کی رضا کے طلب گار بن کر صبح و شام اسے پکارتے ہیں، اور ان سے ہرگز نگاہ نہ پھیرو۔ کیا تم دنیا کی زینت پسند کرتے ہو؟ کسی ایسے شخص کی اطاعت نہ کرو، جس کے دل کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا ہے اور جس نے اپنی خواہش نفس کی پیروی اختیار کر لی ہے اور جس کا طریق کار افراط و تفریط پر مبنی ہے۔

## ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کا مقام عالی

رہا یہ سوال کہ حضرت عبداللہ ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کوئی گرے پڑے آدمی تھے تو یہ انتہائی بے وزن تخیل ہے۔ ان کا پیدائشی نابینا ہونا ایک معذوری ضرور ہے، مگر ان کا خاندانی مقام و مرتبہ کسی وضاحت کا محتاج نہیں۔ اسلام میں سابقون صحابہ میں ان کا نام ہے۔ ان کا خاندان قریش کے معزز گھرانوں میں سے تھا۔ انھوں نے مدینہ کی طرف ہجرت کی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کے ساتھ وہ بھی تعلیم و تدریس قرآن کا فرض ادا کرتے تھے۔ نابینا ہونے کے باوجود انتہائی بلند ہمت اور پر عزم انسان تھے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ میں جہاد پر جانا چاہتا ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ تم مدینہ ہی میں رہو۔ انھوں نے کہا: میں اللہ کی رضا چاہتا ہوں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس موقع پر سورۃ النساء کی یہ آیات نازل فرمائیں:



لَا يَسْتَوِي الْقَعْدُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ غَيْرُ أُولِي الضَّرَبِ وَالْمُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ  
اللَّهِ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ ۖ فَضَّلَ اللَّهُ الْمُجَاهِدِينَ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ عَلَى  
الْقَعْدِينَ دَرَجَةً ۗ وَكُلًّا وَعَدَ اللَّهُ الْحُسْنَى ۗ وَفَضَّلَ اللَّهُ الْمُجَاهِدِينَ عَلَى  
الْقَعْدِينَ أَجْرًا عَظِيمًا ﴿٩٥﴾ دَرَجَاتٍ مِّنْهُ وَمَغْفِرَةً وَرَحْمَةً ۗ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا  
رَّحِيمًا ﴿٩٦﴾ (النساء: ۴: ۹۵-۹۶)

مسلمانوں میں سے وہ لوگ جو کسی معذوری کے بغیر گھر بیٹھے رہتے ہیں اور وہ جو اللہ کی راہ  
میں جان و مال سے جہاد کرتے ہیں، دونوں کی حیثیت یکساں نہیں ہے۔ اللہ نے بیٹھنے  
والوں کی بہ نسبت جان و مال سے جہاد کرنے والوں کا درجہ بڑا رکھا ہے۔ اگرچہ ہر ایک  
کے لیے اللہ نے بھلائی ہی کا وعدہ فرمایا ہے، مگر اس کے ہاں مجاہدوں کی خدمات کا  
معاوضہ بیٹھنے والوں سے بہت زیادہ ہے، ان کے لیے اللہ کی طرف سے بڑے درجے  
ہیں اور مغفرت اور رحمت ہے، اور اللہ بڑا معاف کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔

### معلم اور موزن

جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں قتال و جہاد کے معرکوں میں شامل ہونے والے  
مجاہدین کے درجات عالیہ اور فضائل بیان کیے ہیں وہیں سب مخلص اہل ایمان کے لیے بھلائی ہی  
کا وعدہ فرمایا ہے۔ ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ، تو ان لوگوں میں سے ہیں جو معذور تھے، وہ بلا عذر گھر بیٹھنے  
والوں میں سے تو نہیں ہیں۔ حضرت عبداللہ ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ، کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کم  
وبیش تیرہ مرتبہ مدینہ منورہ میں اپنا قائم مقام مقرر فرمایا۔ یہ وہ مواقع تھے جب آنحضور صلی اللہ علیہ  
وسلم کسی غزوے میں تشریف لے گئے۔ (اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ، اردو ترجمہ، ج ۲،  
حصہ ہفتم، مکتبہ خلیل، ص ۶۶۴-۶۶۵)۔

حضرت عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے ساتھ موزن کی  
ذمہ داری بھی ادا کرتے تھے۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ تہجد کی نماز سے قبل اذان پڑھا کرتے تھے، جبکہ



عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ تہجد کا وقت ختم ہونے پر اذان پڑھتے تھے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ (رمضان المبارک میں) جب بلالؓ کی اذان سنو تو سحری کھا لیا کرو۔ جب ابن ام مکتومؓ کی اذان سنو تو کھانا پینا بند کر دیا کرو۔ (بحوالہ تفسیر ابن کثیر، ج ۷، سورہ عبس، مطبوعہ دارالاندلس، ص ۲۱۳۔ بروایت عبداللہ بن عمرؓ)

### نابینا صحابی میدانِ قتال میں

حضرت عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ زندگی کے آخری دنوں میں عملاً قتال و جہاد میں بھی شریک ہوئے اور اپنی دیرینہ خواہش پوری کر لی۔ مورخین کے مطابق حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت ۱۴ھ میں ایران کے مقابلے پر قادیسیہ کی جنگ میں حضرت عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ بھی شہید ہوئے۔ سالار لشکر حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے آپ نے مطالبہ کیا کہ مجھے اس سخت جنگ میں جھنڈا دے دیجیے۔ اس وقت انھوں نے زرہ پہن رکھی تھی اور انھوں نے فرمایا کہ میں ہرگز پیچھے نہیں ہٹوں گا، ویسے بھی مجھے حملہ آور نظر نہیں آ رہے ہوں گے کہ میں آگے پیچھے ہوں۔ چنانچہ انھوں نے جھنڈا لیا اور اپنی جگہ پر ڈٹ گئے۔ اس معرکہ میں وہ شہید ہوئے۔ سیکڑوں دیگر صحابہ بھی ان کے ساتھ شہید ہوئے۔ شہادت کے بعد دیکھا گیا کہ انھوں نے جھنڈا نہایت ہی مضبوطی کے ساتھ پکڑ رکھا تھا۔ تیسرے دن مسلمان فوج نے شاندار فتح پائی اور اسی روز حضرت عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کی شہادت بھی ہوئی۔ (اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ، اردو ترجمہ، ج ۲، حصہ ہفتم، مکتبہ خلیل، ص ۶۶۴-۶۶۵)۔





## مظلومین مکہ اور ابو بکرؓ کی تجارت

ابو بکرؓ کی عظمت کو سلام

سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کے کمالات و فضائل اس قدر زیادہ ہیں کہ خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی فرمایا: میں نے ہر شخص کے احسان کا بدلہ دنیا میں اتار دیا ہے، سوائے ابو بکرؓ کے، اس کے احسانات اتنے زیادہ ہیں کہ اس کا بدلہ اللہ تعالیٰ ہی دے گا۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ مال دار تاجر تھے۔ اپنے اخلاق و کردار کے حوالے سے اتنے پاکیزہ کہ دور جاہلیت میں بھی ان کے اجلے دامن پہ کوئی ذرا سادہ بے نظر نہیں آتا۔ نہ کبھی شراب پی، نہ کبھی فحش کاموں میں حصہ لیا۔ البتہ آبائی مذہب کے مطابق کلمہ توحید سننے سے پہلے تک اسی مذہب پر تھے۔ جو نبی کلمہ حق سن کر وہ حلقہ بگوش اسلام ہوئے تو ”تجارت مع اللہ“ میں سرگرم ہو گئے۔ اس تجارت میں کسی خسارے کا کبھی کوئی خطرہ نہیں ہو سکتا۔ اس تجارت میں سراپا نفع ہی نفع ہے۔ ابو بکر رضی اللہ عنہ کو اللہ نے مال دیا تھا تو اس کے ساتھ بہت بڑا دل بھی دیا تھا۔ انھوں نے اپنا مال خرچ کر کے مکہ کے مستضعفین کو ظالموں کے چنگل سے آزاد کروایا۔ ہر بندہ مومن سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی عظمت کو سلام کرتا ہے اور کیوں نہ ہو آپؐ کے مناقب ختمی مرتبت نے یوں بیان فرمائے کہ ان کا ثانی صحابہ کی جماعت میں کوئی نہ تھا۔

بلالؓ کی عزیمت اور حریت

حضرت بلال رضی اللہ عنہ حبشی غلام تھے۔ ان کا آقا اسلام کا بدترین دشمن امیہ بن خلف تھا۔ جب حضرت بلال رضی اللہ عنہ اسلام میں داخل ہوئے تو انھیں بے پناہ اذیتیں پہنچائی گئیں۔ انھیں پاؤں میں



رستا باندھ کر سنگلاخ وادیوں میں گھیٹا جاتا تھا۔ چلچلاتی دھوپ میں گرم پتھروں پر لٹا کر ان کے اوپر بھاری سلیں رکھ دی جاتی تھیں۔ ان کا آقا انھیں کہتا: لا تزال ہکذا حتی تموت او تکفر بمحمد، تعبد اللات والعزی، فيقول، وهو في ذالك البلاء، احد احد۔ یعنی تو اسی کیفیت میں موت سے ہم کنار ہو جائے گا۔ جان بچانا چاہو تو محمدؐ کا انکار کرو اور لات و عزی کی عبادت کرو۔ اس شدید ابتلائی کیفیت میں بھی حضرت بلال رضی اللہ عنہ مسلسل بلند آواز سے احد احد پکارتے رہتے۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی کاوش سے مسلمان ہوئے تھے۔ ایک دن وہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزرے اور امیہ بن خلف سے کہا: الا تتقى الله في هذا المسكين؟ حتی متی؟ یعنی کیا تو اس مسکین کو ایذا میں پہنچانے سے اللہ کا خوف نہیں کھاتا؟ کہاں تک اس کو ایذا پہنچاؤ گے؟ جواب میں امیہ بن خلف نے جل بھن کر کہا: تو ہی ہے جس نے اس کو بگاڑا ہے۔ اب تو اس کو بچانا چاہتا ہے؟ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا: ہاں میں اس کو بچانا چاہتا ہوں۔ میرے پاس اس سے زیادہ طاقت و ر ایک حبشی غلام ہے جو تیرے دین پر بھی ہے۔ میں تمہیں وہ دے دیتا ہوں، اس کے بدلے میں تم مجھے بلال دے دو۔ چنانچہ طے ہو گیا اور اس طرح حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو آزادی ملی۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے انھیں غلام کی بجائے اپنا بھائی بنا لیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بلال رضی اللہ عنہ کے ساتھ اپنی محبت و عقیدت کا اظہار کرنے کے لیے فرمایا کرتے تھے: بلال سیدنا و اعقہ سیدنا۔ یعنی بلال ہمارا آقا ہے اور اسے ہمارے آقا (ابوبکرؓ) نے غلامی سے آزاد کرایا تھا۔

### غلاموں اور کنیزوں کا سرپرست

اس سے قبل حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ چھ غلام اور کنیزیں رہا کر چکے تھے۔ ان میں سے حضرت عامر بن فہیرہ، ام عبیس، زنیہ سہمی کو سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ نے خرید کر آزاد کیا، حضرت نہدیہ اور ان کی بیٹی کو بھی بنو عبدالدار کی ایک خاتون سے آپؓ نے خرید لیا۔ اس خاتون نے اتنی زیادہ قیمت



مانگی کہ اس کے خیال میں ابو بکر رضی اللہ عنہ ادا نہیں کر سکے گا۔ لیکن حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اس کی منہ مانگی قیمت ادا کر دی اور پھر ان دونوں صحابیات سے فرمایا: انتما حرتان یعنی تم دونوں (ماں بیٹی) آزاد ہو۔ اسی طرح قبول اسلام سے پہلے عمر بن خطابؓ کی ایک کنیز تھی جو مسلمان ہو گئی۔ عمر اسے بے پناہ ایذائیں پہنچاتے۔ پھر کہتے: میں ذرا سانس لے لوں اور دوبارہ تمہاری پٹائی کروں گا۔ یہ وہ دور تھا جب عمر اسلام سے نابلد بلکہ اسلام کے بدترین دشمن تھے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس کنیز کو بھی خرید کر آزاد کر دیا۔ اللہ کے بے نوا بندوں کی یہ سرپرستی اخلاق صدیقی کا تابناک پہلو ہے۔

### آیاتِ ربانی میں تحسین و رضا

ان بے بس کنیزوں اور مجبور غلاموں کو آزاد کرانے پر سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنا سرمایہ خرچ کر رہے تھے۔ ان کے والد ابو قحافہ جو ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے، انہیں اس بات کا بڑا ملال تھا کہ ان کا بیٹا دولت ضائع کر رہا ہے۔ انہوں نے کہا: اے ابو بکر! تجھے اگر غلام خریدنے ہی ہیں تو طاقت ورنو جوان خرید جو تیرے اور تیری قوم کے کام آئیں اور تمہاری قوت کا باعث بنیں۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا: يَا أَبَتِ إِنَّمَا أَرِيدُ مَا أَرِيدُ، لِلَّهِ عَزَّ وَجَلَّ۔ یعنی اے میرے والد محترم! میں جو کچھ چاہتا ہوں، اسی کے لیے کوشاں ہوں اور میری چاہت اللہ رب العزت (کی رضا) کے علاوہ کچھ نہیں۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی شان ہی میں اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک کی سورۃ اللیل میں ارشاد فرمایا:

فَأَمَّا مَنْ أَعْطَى وَاتَّقَى ۖ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنَى ۖ فَسَنِيسِرُكَ لِلْعِيسَى ۖ وَأَمَّا مَنْ  
بَخِلَ وَاسْتَغْنَى ۖ وَكَذَّبَ بِالْحُسْنَى ۖ فَسَنِيسِرُكَ لِلْعِيسَى ۖ وَمَا يُغْنِي عَنْهُ مَالُهُ  
إِذَا تَرَدَّى ۖ إِنَّ عَلَيْنَا لَلْهُدَى ۖ وَإِنَّ لَنَا لَلْآخِرَةَ وَالْأُولَىٰ ۖ فَأَنْذَرْتُكُمْ  
نَارًا تَلَظَّى ۖ لَا يَصْلَاهَا إِلَّا الْأَشْقَى ۖ الَّذِي كَذَّبَ وَتَوَلَّىٰ ۖ وَسَيُجَنَّبُهَا  
الْأَتْقَى ۖ الَّذِي يُؤْتِي مَالَهُ يَتَزَكَّىٰ ۖ وَمَا لِأَحَدٍ عِنْدَهُ مِنْ نِعْمَةٍ تُجْزَىٰ إِلَّا



ابْتِغَاءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْاَعْلٰی ۝ وَ لَسَوْفَ يَرْضٰی ۝ (اللیل ۹۲: ۵-۲۱)۔

جس نے (راہِ خدا میں) مال دیا اور (خدا کی نافرمانی سے) پرہیز کیا اور بھلائی کو سچ مانا، اس کو ہم آسان راستے کے لیے سہولتیں دیں گے۔ اور جس نے بخل کیا اور (اپنے خدا سے) بے نیازی برتی اور بھلائی کو جھٹلایا، اس کو ہم سخت راستے پر ڈال دیں گے۔ اور اس کا مال آخر اس کے کس کام آئے گا جب کہ وہ ہلاک ہو جائے گا۔ بے شک راستہ بتانا ہمارے ذمہ ہے اور درحقیقت آخرت اور دنیا، دونوں کے ہم ہی مالک ہیں۔ پس میں نے تم کو خبردار کر دیا ہے بھڑکتی ہوئی آگ سے۔ اس میں نہیں جھلسے گا، مگر وہ انتہائی بد بخت جس نے جھٹلایا اور منہ پھیرا۔ اور اس سے دور رکھا جائے گا وہ نہایت پرہیزگار جو پاکیزہ ہونے کی خاطر اپنا مال دیتا ہے۔ اس پر کسی کا کوئی احسان نہیں ہے جس کا بدلہ اسے دینا ہو۔ وہ تو صرف اپنے رب برتر کی رضا جوئی کے لیے یہ کام کرتا ہے اور ضرور وہ (اس سے) خوش ہوگا۔

دہکتے انگارے اور ایمان کی حرارت

حضرت حباب بن ارت رضی اللہ عنہ جو بنو زہرہ کے حلیف تھے اور جن کا تعلق قبیلہ بنو تمیم سے تھا، بھی سابقون الاولون میں سے ہیں۔ ان کو ویرجاہلیت میں ایک غارت گری کے دوران غلام بنا لیا گیا تو بنو خزاعہ کی ایک خاتون ام انمار بنت سباع نے انھیں مکہ کے بازار میں خرید لیا۔ ان کے اخلاق و کردار کو دیکھ کر اس خاتون نے اس نوجوان کو آزاد کر دیا۔ اس خزاعی خاتون کی وجہ سے کئی لوگ حضرت حباب رضی اللہ عنہ کو خزاعی بھی کہتے ہیں۔ انھوں نے آزادی ملنے کے بعد قریش کے قبیلے بنو زہرہ کے ساتھ دوستی کا حلف باندھ لیا۔ یہ تلواریں اور دیگر اسلحہ بنانے کے ماہر تھے۔ ان کی کنیت ابو یحییٰ اور ابو عبد اللہ بیان کی گئی ہے۔ انھیں قبول اسلام کے بعد بہت شدید اذیتیں پہنچائی گئیں۔ انھیں دہکتے انگاروں پر لٹا دیا جاتا تھا، جس سے ان کا جسم جل گیا اور اس پر مستقل نشان پڑ گئے



تھے۔ یہ اپنے دین پر ایسے ثابت قدم تھے کہ کفار کے مظالم اس ثابت قدمی کے سامنے مات کھا گئے۔ (اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ، اردو ترجمہ، ج ۱، حصہ ہفتم، مکتبہ خلیل، ص ۶۱۹-۶۲۲، الاصابۃ فی تمیز الصحابۃ، لابن حجر العسقلانی، ج ۲، مطبوعہ دار صادر بیروت، ص ۴۱۶)

### جنتی خاندان آل یاسرؓ

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ بھی ان نوجوانوں میں شامل ہیں جو ابتدا میں مسلمان ہوئے۔ ان کے گھرانے کو یہ شرف حاصل ہے کہ پورے مکہ میں صرف یہی گھر تھا جو مکمل طور پر اسلام میں داخل ہو گیا۔ اس گھر میں ایک بھی کافر و مشرک نہیں تھا۔ حضرت عمار رضی اللہ عنہ کے والد یاسر رضی اللہ عنہ اور ان کی والدہ سمیہؓ کے علاوہ ان کے بھائی حویرث بن یاسر اور عبود بن یاسر بن جن کا نام عبد اللہ بھی بیان ہوا ہے، سبھی مسلمان تھے۔ بنو مخزوم ان کو بڑی ایذائیں پہنچاتے تھے۔ بعض روایات کے مطابق یہ لوگ مکہ میں باہر سے آ کر آباد ہوئے تھے اور بنو مخزوم کے حلیف تھے۔ حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں بیان کیا جاتا ہے کہ وہ ابو جہل کے چچا ابو حذیفہ مہشم بن مغیرہ کی کنیز تھیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پورے خاندان کو اذیتیں برداشت کرتے دیکھتے تو فرماتے: اصبروا یا آل یاسر فان موعدکم الجنة۔ یعنی اے آل یاسر صبر کرو بلاشبہ جنت تمہارا ٹھکانہ ہے۔ (المعجم الکبیر للطبرانی، مسند النساء، باب السعین (سمیۃ، ۲۴/۳۰۳)

### تاریخ اسلام کی پہلی شہادت

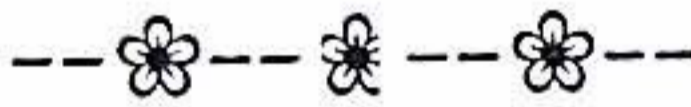
ایک مرتبہ حضرت یاسر رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: یا رسول اللہ! لقد بلغ منا العذاب کلّ مَبْلَغٍ۔ یعنی اے اللہ کے رسول! ہم پر آخری حد تک عذاب توڑا جا رہا ہے۔ آپ نے فرمایا: اے ابوالیقظان! صبر سے کام لو۔ پھر آپ نے ان کے حق میں دعا کی: اللّٰهُمَّ لَا تُعَذِّبْ أَحَدًا مِنْ أَهْلِ عَمَّارٍ بِالنَّارِ۔ یعنی اے اللہ! عمار کے گھروالوں میں سے کسی کو بھی آگ کا عذاب نہ دینا۔ حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی والدہ حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا کو ابو جہل نے نیزہ مار کر



شہید کر دیا تھا۔ یہ تاریخ اسلام کی پہلی شہادت ہے۔ سیدہ سمیہ رضی اللہ عنہا کے آخری الفاظ تھے: فُزْتُ  
وَرَبِّ الْكَعْبَةِ۔ یعنی رب کعبہ کی قسم میں کامیاب ہو گئی ہوں۔ (سیرۃ ابن ہشام، القسم الاول،  
ص ۳۱۹-۳۲۰)

### حاکم ایلہ کا فرزند

حضرت صہیب بن سنان رومی رضی اللہ عنہ کے والد ایلہ کے حاکم تھے۔ انھیں ایک حملے اور غارت  
گری کے دوران رومیوں نے چھوٹی عمر میں گرفتار کر لیا۔ پھر کوئی شخص ان کو لے کر مکہ آیا اور انھیں  
فروخت کر دیا۔ چونکہ فروخت کرنے والا رومی تھا اس لیے حضرت صہیب رضی اللہ عنہ کے نام کے ساتھ  
بھی صہیب رومی مشہور ہو گیا۔ انھیں عبداللہ بن جدعان نے خریدا۔ ان کو دیگر صحابہ کی طرح بڑی  
اذیتیں پہنچائی گئیں۔ انھوں نے بھی جس صبر و استقامت کا مظاہرہ کیا اس کی آنحضرت صلی اللہ علیہ  
وسلم نے بہت تحسین فرمائی۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ صہیب کو کبھی کسی سودے میں گھانا نہیں ہوگا۔  
ہجرت کے سفر پر نکلے تو قریش نے ساری پونجی چھین لی، مگر عاشق صادق نے مال کی ذرا پروا نہ کی  
اور مدینہ کے راستے پر ثابت قدمی سے چلتا رہا اور منزل سے ہم کنار ہو گیا۔ نہ پڑمردگی نہ  
افسوس! (سیرۃ ابن ہشام، القسم الاول، ص ۲۶۱)





## قریش کی مخالفت اور اسلام کی پیش قدمی

نایاب ہیرے آغوش اسلام میں

مکہ میں ضعف کے قبول اسلام کے ساتھ بڑے خاندانوں کے چشم و چراغ بھی اسلام میں داخل ہو رہے تھے۔ ان میں مصعب بن عمیرؓ جو بنو عبدالدار میں سے تھے، سخت آزمائشوں سے گزرے۔ قبل از اسلام ان کی زندگی شہزادوں کی سی تھی۔ اسلام کی پاداش میں جب گھر سے نکالے گئے تو جوتے اور کپڑے بھی اتروا لیے گئے۔ اسی حالت میں دارِ ارقم میں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم اپنے جانثار کو اس حالت میں دیکھ کر بے ساختہ رونے لگے۔ پھر آپؐ نے صحابہؓ سے پوچھا: کیا تمہیں معلوم ہے کہ دنیا کے مال و دولت اور عیش و عشرت کے ساتھ مصعب نے کیا کیا؟ صحابہ نے عرض کیا: اللہ ورسولہ اعلم۔ آپ نے فرمایا: اس نے دنیا اور اس کی دل فریبیوں کو اللہ اور اس کے رسولؐ کی محبت پر قربان کر دیا ہے۔ مصعب ابن عمیر رضی اللہ عنہ نے پہلے حبشہ کی طرف ہجرت کی۔ پھر وہاں سے واپس آئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے بطور معلم و مبلغ اور مدرس قرآن مدینہ تشریف لے گئے۔

مورخ ابن ہشام کے الفاظ میں: بعث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مصعب بن عمیر مع اهل يثرب وأمره ان يُقرئهم القرآن ويُعلّمهم الإسلام ويفقههم في الدين فكان يُسمّى المقرئ بالمدينة۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو اہل یثرب کے ساتھ بطور معلم بھیجا۔ آپ نے انہیں حکم دیا کہ وہ انصار کو قرآن پڑھائیں، اسلام کی تعلیم سے روشناس کرائیں اور ان کے اندر دین کی مکمل سمجھ پیدا کریں۔ مدینہ میں انہیں استاد القرآن کہا جاتا تھا۔ مدینہ منورہ کو اس سرزمین پر پہلی اسلامی ریاست ہونے کی



سعادت حاصل ہوئی۔ یہ ریاست فوج یا اسلحے سے فتح نہیں کی گئی تھی، بلکہ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کی دعوت نے اسے فتح کیا۔ (سیرۃ ابن ہشام، القسم الاول، ص ۳۲۲ تا ۳۲۵، ۳۶۵ اور ۴۳۴)

### شان سکندری سے شان قلندری تک

قبول اسلام کے بعد جب گھر والوں نے انھیں گھر سے نکال دیا تو انھوں نے اپنی سابقہ شان و شوکت کو ٹھکرا دیا اور اسلام کی خاطر ہر مشکل جھیلنے کے لیے تیار ہو گئے۔ کھر درے کبل میں لپٹے ہوئے ننگے پاؤں وہ دار ارقم میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے۔ مکہ والوں نے ان کی شان سکندری بھی دیکھی تھی، اب شان قلندری میں دیکھا تو دنیا دار پکارا ٹھے کہ اس نوجوان کا دماغ خراب ہو گیا ہے۔ لیکن اہل ایمان اور اہل آسمان جانتے تھے کہ یہ شان پہلی شان و شوکت کے مقابلے میں کہیں عظیم تر ہے۔ ان سب مشکلات کے باوجود وہ اپنے اسلام پر بہت مضبوطی سے ثابت قدم رہے۔ نئی زندگی کی مشکلات جھیلنے کے بعد ہجرت کی اور پھر عسرت ہی کے دور میں غزوہ احد میں یہ فرشتہ صفت بندۂ خدا شہادت کی خلعت پہن کر عازم جنت ہو گیا۔ رضی اللہ عنہ۔ (تفصیل کے لیے دیکھیے ہماری کتاب: روشنی کے مینار، حضرت مصعب بن عمیر)

### آلِ حِجْش

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تین پھوپھی زاد بھائی عبداللہ بن حِجْش رضی اللہ عنہ، ابواحمد عبدالبن حِجْش رضی اللہ عنہ اور عبید اللہ بن حِجْش جو آپ کی پھوپھی امیمہ بنت عبدالمطلب کے بیٹے تھے اور بنو عبد شمس کے ساتھ ان کا دوستی کا معاہدہ تھا، بھی ابتدائی مسلمانوں میں شامل ہیں۔ ان تینوں بھائیوں نے حبشہ کی طرف ہجرت کی۔ حضرت زینب بنت حِجْش رضی اللہ عنہا ان کی بہن تھیں، جن کی شادی پہلے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ سے ہوئی۔ پھر جب نباہ نہ ہو سکا اور دونوں کے درمیان طلاق واقع ہو گئی تو اللہ نے اپنے حکم سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے کر دیا اور انھیں ام المومنین کا شرف حاصل ہو گیا۔ (سورۃ الاحزاب کی آیت نمبر ۳۷ تا ۴۰ میں



تفصیل دیکھی جاسکتی ہے)۔

ہماری ماں ام حبیبہؓ

ابوسفیان کی بیٹی رملہ بنت ابی سفیان (ام حبیبہ رضی اللہ عنہا) عبید اللہ بن جحش کے نکاح میں تھیں۔ وہ اولین اہل ایمان میں سے ہیں۔ وہ بھی اپنے خاوند کے ساتھ اپنا گھر بار چھوڑ کر حبشہ کی جانب ہجرت کر گئی تھیں۔ عبید اللہ بن جحش بد قسمتی سے حبشہ جا کر نصرانی ہو گیا اور اسی حالت میں مر گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرو بن امیہ ضمیری رضی اللہ عنہ کو حبشہ بھیجا اور نجاشی بادشاہ سے جو اس وقت مسلمان ہو چکا تھا، کہا کہ وہ خالد بن سعید بن عاص رضی اللہ عنہ (جو ام حبیبہؓ کے قریبی عزیز تھے) سے بات کر کے ام حبیبہؓ کو آپ کا پیغام برائے نکاح پہنچائیں۔ چنانچہ نجاشی بادشاہ نے بات کی تو حضرت ام حبیبہؓ نے رضامندی ظاہر کی۔ پھر بادشاہ نے آپ کی طرف سے چار سو دینار (سونے کا سکہ جسے اشرفی کہا جاتا ہے) حق مہر اپنی جیب سے ادا کیا اور بہت سے زیورات بھی حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کو پہنائے۔ اس غریب الدیاری میں خاوند کے مرتد ہو جانے کا غم یوں اللہ تعالیٰ نے ختم کر دیا۔ حبیبہ رضی اللہ عنہا عبید اللہ بن جحش سے حضرت رملہ رضی اللہ عنہا کی بیٹی تھیں۔ وہ بھی صحابیہ ہیں۔ ام المؤمنین ام حبیبہ رضی اللہ عنہا جب مدینہ پہنچیں تو خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا استقبال کیا۔ (سیرۃ ابن ہشام، القسم الاول، ص ۳۲۴)

قائد المہاجرین جعفر طیارؓ

حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا زاد بھائی تھے۔ آپ بھی ابتدائی مسلمانوں میں شامل ہیں۔ چونکہ آپ کے والد ابوطالب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سرپرست اور اسلام کے بارے میں نرم گوشہ رکھتے تھے، اس لیے حضرت جعفر کو اپنے گھر میں کوئی مشکل پیش نہیں آئی، تاہم مکہ کی عمومی فضا جس میں خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی دشمنوں نے ہاتھ اٹھانا شروع کر دیا تھا، ان کے لیے مشکلات کا باعث بن گئی۔ انھیں دھمکیاں ملتی تھیں، مگر وہ ان کی کوئی پروا نہیں کرتے تھے۔ ان کی بہادری اور دانش مندی ضرب المثل ہے۔ حبشہ میں اہل



ایمان کی قیادت اور بادشاہ کے دربار میں اسلام کی نمائندگی ان کا عظیم کارنامہ ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے حضرت جعفر رضی اللہ عنہ دس سال بڑے تھے۔ (اتفاق کی بات یہ ہے کہ یہ چار بھائی تھے اور چاروں میں سے ہر ایک کے درمیان دس دس سال کا فرق ہے۔ عقیل حضرت جعفر رضی اللہ عنہ سے دس سال بڑے تھے اور طالب حضرت عقیل رضی اللہ عنہ سے دس سال بڑے تھے۔) قبول اسلام کے وقت حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی عمر ۲۰، ۲۱ سال تھی۔ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے شکل و صورت اور اخلاق و عادات میں بہت زیادہ مشابہت رکھتے تھے۔ ”وَكَانَ اشْبَهَ النَّاسِ خُلُقًا وَخُلُقًا بِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ ہجرت حبشہ میں یہی مہاجرین حبشہ کے قائد تھے۔ بہادر اور دانا جعفر واقعی ہر قسم کی قائدانہ صلاحیتوں سے مالا مال تھے۔

حبشہ سے واپسی پر جنگ موتہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ کمانڈر مقرر کیا۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد وہ جنگ موتہ میں اسلامی فوجوں کی کمان کرتے ہوئے بہادری سے لڑے اور شہید ہو گئے۔ شہادت سے قبل دشمنوں نے ان کے دونوں بازو کاٹ دیے تھے، مگر انہوں نے جھنڈا گرنے نہیں دیا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی شہادت کی خبر جبریل کے ذریعے سنی اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جعفر رضی اللہ عنہ کو کٹے ہوئے بازوؤں کے بدلے دو پر عطا فرمادے ہیں اور وہ جنت میں پرواز کرتے ہیں۔ شہادت کے بعد ہی ان کو جعفر طیار کا خطاب ملا تھا۔

عتبہ، ولید اور ابو جہل کے گھروں میں اسلام

عتبہ بن ربیعہ جو قبیلہ بنو عبد شمس کا اہم فرد اور قریش کے بڑے سرداروں میں سے تھا، اسلام کا بڑا دشمن تھا۔ اس کا بیٹا ابو حذیفہ بن عتبہ بھی سابقون الاولون میں سے ہے۔ ابو حذیفہ کے ایمان لانے کے بعد خاندان نے اس کا بائیکاٹ کر دیا، مگر انہوں نے اس کی کوئی پروا نہیں کی۔ بنو مخزوم کے سپوت الولید بن الولید بن المغیرہ (حضرت خالد بن ولید کے بھائی، دونوں باپ بیٹے کا ایک ہی نام تاریخ میں مذکور ہے)، سلمہ بن ہشام (ابو جہل کے بھائی) اور عیاش بن ابی ربیعہ (ابو جہل



کے ماں جائے بھائی) جب مسلمان ہوئے تو ان کے سرداران قبیلہ نے انھیں اذیتیں پہنچانا شروع کیں۔ جب ان پر ظلم ڈھایا گیا تو انھوں نے آپس میں ایکا کر کے کہا کہ ہم قتل بھی ہو جائیں تو اپنا دین نہیں چھوڑیں گے۔ اس پر ہشام بن مغیرہ نے کہا کہ ان میں سے کسی کو قتل نہ کرنا ورنہ میں اس کے قتل کا بدلہ لیے بغیر نہ رہوں گا۔ یعنی جان سے نہ مارنا، ویسے ان کو تنگ کرتے رہو اور اذیتیں پہنچاتے رہو۔ یہ لوگ بھی اذیتیں برداشت کرتے رہے اور حبشہ کی طرف ہجرت بھی کی، مگر اسلام چھوڑنے کی ہر ترغیب کو ٹھکرا دیا اور ہر ترہیب کے جواب میں ڈٹ کر کہا کہ ہمیں اللہ کے سوا کسی کا خوف نہیں ہے۔ جو چاہو کر لو، ہم مسلمان ہیں اور آخری دم تک مسلمان ہی رہیں گے۔ (سیرۃ ابن ہشام، القسم الاول، ص ۳۲۰-۳۲۱)

### بے مثال جوڑا

حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہ جن کا نام عبداللہ بن عبدالاسد تھا، بنو مخزوم میں سے تھے۔ وہ جب اسلام میں داخل ہوئے تو ان کی اہلیہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا جن کا نام ہند بنت ابی امیہ بن مغیرہ تھا بھی داخل اسلام ہو گئیں۔ یہ بھی بنو مخزوم میں سے تھیں۔ سابقوں الاولون ہونے کا شرف دونوں میاں بیوی کو حاصل ہے۔ اس کے علاوہ دونوں حبشہ کی طرف اور پھر مدینہ منورہ کی جانب ہجرت کرنے والوں میں بھی شامل ہیں۔ یہ تاریخ اسلام کا ایک عظیم اور بے مثال جوڑا ہے جن کے واقعات پڑھ کر ایمان میں تازگی اور ایقان میں اضافہ ہوتا ہے۔ حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہ اور ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے بیٹے سلمہ بن عبداللہ کی وجہ سے میاں بیوی ابو سلمہ اور ام سلمہ کے نام سے معروف ہیں۔ حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہ بدر کے میدان میں زخمی ہوئے تھے۔ ان کا زخم مندمل ہو گیا، لیکن ایک سال بعد پھر اس زخم میں پیپ پڑ گئی۔ اسی کی وجہ سے ۳ھ میں ان کی شہادت ہو گئی۔ ان کی شہادت کے بعد ام سلمہ رضی اللہ عنہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آئیں اور ان کو بھی ام المومنین ہونے کا اعزاز حاصل ہوا۔

عظیم فرزند اسلام ارقم!

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ہی کی کاوشوں سے حضرت ارقم رضی اللہ عنہ مسلمان ہوئے تھے۔



حضرت ارقم رضی اللہ عنہ کے والد اسد کی کنیت ابو الارقم تھی۔ اس وجہ سے وہ ارقم بن ابی الارقم کے نام سے معروف ہیں۔ یہ ابو جہل کے قبیلے بنو مخزوم میں سے تھے اور ان کا گھر مکہ کے بہت بڑے گھروں میں سے ایک تھا۔ اسی گھر کو یہ شرف حاصل ہوا کہ یہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسلام کے ابتدائی دور میں کافروں کی دست برد سے اپنے آپ اور اپنے صحابہ کو بچا کر تعلیم و تربیت کا کام کرتے رہے۔ دار ارقم کو تاریخ میں لازوال شہرت ملی ہے۔ اسی گھر میں عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ آ کر مسلمان ہوئے تھے۔ اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حبشہ کی طرف ہجرت کر جانے والے صحابہ کو چھوڑ کر انتالیس مرد اہل ایمان موجود تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان میں چالیسویں نمبر پر شمار ہوتے ہیں۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ ان سے تین روز قبل مشرف بہ اسلام ہوئے تھے۔ حضرت ارقم رضی اللہ عنہ، ابن ہشام کے مطابق صحابہ کی صف میں دسویں نمبر پر ہیں۔ اولین ہجرت کرنے والوں میں بھی شامل ہیں۔ ان کا ایک دوسرا اعزاز یہ ہے کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حلف الفضول میں بھی شریک تھے۔ حضرت ارقم رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ ان کی بڑی پکی دوستی تھی۔ یہ اتفاق دیکھیے کہ جس روز حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی اسی روز ان کی بھی وفات ہوئی۔ اے ارقم، اے عظیم فرزند اسلام! تجھے کن الفاظ میں خراج تحسین پیش کریں۔ تو نے عظمتوں کی ہر چوٹی سر کی۔ رضی اللہ عنک ورضیت عنہ۔ (سیرۃ ابن ہشام، القسم الاول، ص ۲۵۲-۲۵۳)

دیگر سابقوں الاولوں میں سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ بھی شامل ہیں۔ ان کو ان کے خاندان کے بڑے سرداران شدید اذائیں پہنچاتے تھے۔ وہ ہر قسم کے ابتلا کے باوجود ایک لمحے کے لیے بھی اپنے ایمان میں متزلزل نہ ہوئے۔ ان کے علاوہ حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ، زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ، سعید بن زید رضی اللہ عنہ، طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ، سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ، عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ، عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کے اسمائے گرامی شامل ہیں۔

خوش بخت بناتِ اسلام

مرد صحابہ کے علاوہ جو خواتین سابقوں الاولوں میں شامل ہیں ان میں سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے



بعد اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا، ام سلمہ ہند بنت ابی امیہ بن مغیرہ رضی اللہ عنہا، فاطمہ بنت خطاب رضی اللہ عنہا، سمیہ بنت خباب رضی اللہ عنہا، لیلیٰ بنت ابی حاتمہ رضی اللہ عنہا، ام حبیبہ بنت ابی سفیان رضی اللہ عنہا، عائشہ بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا، ام عیسٰی رضی اللہ عنہا، زینرہ، نہدیہ اور ان کی بیٹی کے نام تاریخ میں مذکور ہیں۔ قبول اسلام کے وقت حضرت عائشہ اور بنت نہدیہ کی عمر تو چند سال سے زیادہ نہیں تھی۔ یہی خوش نصیب روحیں سابقون الاولون ہیں، یہی بہار کے پہلے پھول ہیں، رضی اللہ عنہم ورضو عنہ۔





## ابو جہل کی جہالت اور آنحضورؐ کی عظمت

کفار اور نماز

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کی طرف سے وحی آنے کے بعد کافی عرصے تک کھلے عام دعوت کا کام نہیں کیا۔ اللہ کی ہدایات کے مطابق آپؐ نے یہ حکمت اختیار کی۔ اس عرصے میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے گھر میں اور بیت اللہ شریف میں اسلامی طریقے کے مطابق نمازیں پڑھنا شروع کر دی تھیں۔ آپؐ نماز میں قیام اور رکوع و سجود کرتے تھے جبکہ کفار کے نزدیک نماز کے اندر ان میں سے کوئی چیز نہیں تھی۔ ان کی نماز تو سیٹیاں بجانا اور تالیاں پیٹنا تھا۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِنْدَ الْبَيْتِ إِلَّا مُكَاءٌ وَتَصْدِيَةٌ ۖ فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ** (الانفال ۸: ۳۵) بیت اللہ کے پاس ان لوگوں کی نماز کیا ہوتی ہے؟ بس سیٹیاں بجاتے اور تالیاں پیٹتے ہیں۔ پس اب لو، اس عذاب کا مزہ چکھو اپنے اس انکارِ حق کی پاداش میں جو تم کرتے رہے ہو۔

رکوع اور سجود، حکم ربانی

سیدنا ابراہیم علیہ السلام اور اسماعیل علیہ السلام جنہوں نے اللہ کے گھر کی تعمیر کی تھی، وہ بھی اس گھر کی تعمیر کے دوران اللہ کے سامنے جو نمازیں پڑھتے تھے ان میں رکوع اور سجود سب کچھ موجود تھا۔ ہر نبی کو رکوع اور سجود کا حکم دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام سے فرمایا: **وَإِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَأَمْنًا ۚ وَاتَّخِذُوا مِن مَّقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّٰی ۖ وَعَهْدَنَا إِلَىٰ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ أَنَّ طَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّائِفِينَ وَالْعَاكِفِينَ وَالرُّكَّعِ**



السُّجُودِ ﴿۱۲۵﴾ (البقرة ۲: ۱۲۵) اور یہ کہ ہم نے اس گھر (کعبے) کو لوگوں کے لیے مرکز اور امن کی جگہ قرار دیا تھا اور لوگوں کو حکم دیا تھا کہ ابراہیمؑ جہاں عبادت کے لیے کھڑا ہوتا ہے اس مقام کو مستقل جائے نماز بنا لو، اور ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ کو تاکید کی تھی کہ میرے اس گھر کو طواف اور اعتکاف اور رکوع اور سجدہ کرنے والوں کے لیے پاک رکھو۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دور تک تمام انبیائے کرام کی نمازوں میں رکوع و سجود تھے۔ حضرت مریم کو اللہ نے حکم دیا: لِيَرْيَمَ اقْنُتِي لِرَبِّكِ وَاسْجُدِي وَارْكَعِي مَعَ الرَّاكِعِينَ ﴿۳۱﴾ (آل عمران ۳: ۴۳) اے مریم! اپنے رب کی تابع فرمان بن کر رہ، اس کے آگے سر بسجود ہو، اور جو بندے اس کے حضور جھکنے والے ہیں ان کے ساتھ تو بھی جھک جا۔

### ابو جہل کی گستاخانہ جسارت

عام قریش نے تو اسلامی طریقے کے مطابق آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز پڑھتے دیکھا مگر زیادہ توجہ نہیں کی۔ البتہ ابو جہل کی رگِ جاہلیت پھڑک اٹھی۔ اس نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سجدے کی حالت میں دیکھا تو لوگوں سے کہا: کیا محمدؐ زمین پر اپنا منہ ٹکاتا ہے؟ لوگوں نے کہا: ہاں۔ اس پر اس نے لات و عزیٰ کی قسم کھا کر کہا: اگر میں نے اس کو اس طرح عبادت کرتے دیکھا تو اس کی گردن پر پاؤں رکھ دوں گا اور اس کا چہرہ زمین پر رگڑ دوں گا۔ ابو جہل کو اپنی قوت پر بڑا گھمنڈ تھا اور وہ سمجھتا تھا کہ وادیِ مکہ میں وہ جو چاہے کر سکتا ہے، کوئی اس کے راستے میں رکاوٹ نہیں بن سکتا۔ وقت کے فراغ نے ہردور میں ایسا ہی رویہ اختیار کیا ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ ان متکبرین کو ڈھیل تو دیتا ہے، مگر جب اس کی پکڑ آتی ہے تو ان کی ساری اکڑفوں کا فور ہو جاتی ہے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ میں ہردور کے اہل حق کے لیے ہر قسم کے حالات میں رہنمائی موجود ہے۔

اللہ کے فرشتے

ایک دن آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ رہے تھے کہ ابو جہل نے دیکھ لیا۔ وہ اپنے اسی



برے ارادے کے ساتھ اپنی مجلس سے اٹھا اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بڑھا۔ ابھی وہ کچھ فاصلے ہی پر تھا کہ یکا یک لوگوں نے اسے پیچھے ہٹتے ہوئے دیکھا۔ وہ اپنے چہرے کی حفاظت کے لیے اپنے ہاتھوں سے حرکتیں کرنے لگا۔ جب اس سے پوچھا گیا کہ تجھے یہ کیا ہو گیا تھا۔ اس نے کہا: میرے اور محمدؐ کے درمیان آگ کی ایک خندق حائل ہو گئی تھی اور کوئی ایسی خوف ناک چیز نمودار ہوئی جس کے بہت تیز، چمک دار پر تھے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تو اپنی نماز میں محو تھے۔ بعد میں آپؐ نے فرمایا: اگر وہ میرے قریب پھٹتا تو اللہ کے فرشتے اس کے چیتھڑے اڑا دیتے۔ یہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کا خلاصہ ہے جو مسند احمد، صحیح مسلم، سنن نسائی اور دیگر محدثین نے نقل کی ہے۔ اللہ کے لشکر تو ہر وقت زمین و آسمان کے ہر چہرے پر اس کے احکام کی بجا آوری کے لیے مستعد اور کمر بستہ رہتے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی بیان کردہ ایک روایت کا خلاصہ یہ ہے کہ ابو جہل نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دھمکی دی کہ میں نے اگر تمہیں بیت اللہ میں اس طرح نماز پڑھتے دیکھ لیا تو تیری گردن پر پاؤں رکھ کر رگڑ دوں گا۔ آپؐ نے فرمایا: اگر اس دشمن خدا نے یہ حرکت کی تو اللہ کے فرشتے سب کی آنکھوں کے سامنے اسے آپکڑیں گے۔ (بحوالہ: بخاری، ترمذی، نسائی)۔

### جھوٹی پیشانی والا

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ہی کی ایک اور روایت ہے جس میں وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مقام ابراہیم پر نماز پڑھ رہے تھے۔ ابو جہل ادھر آ نکلا اور اس نے کہا: اے محمدؐ! کیا میں نے تم کو اس کام سے منع نہیں کیا تھا؟ پھر اس نے دھمکیاں دینا شروع کیں۔ اس کے جواب میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی بڑے سخت لہجے میں اسے جھڑکا۔ (اس پر ایسا رعب طاری ہوا کہ) وہ اور تو کچھ نہ کر سکا، البتہ یہ دھمکی دی: محمدؐ! تم کس بل بوتے پر مجھے ڈراتے ہو؟ خدا کی قسم! اس وادی میں میرے حمایتی سب سے زیادہ ہیں۔ سورہ العلق کی آخری آیات اسی مضمون



کو بیان کرتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

أَرَأَيْتَ الَّذِي يَنْهَىٰ ﴿٩﴾ عَبْدًا إِذَا صَلَّىٰ ﴿١٠﴾ أَرَأَيْتَ إِنْ كَانَ عَلَى الْهُدَىٰ ﴿١١﴾ أَوْ أَمَرَ  
بِالتَّقْوَىٰ ﴿١٢﴾ أَرَأَيْتَ إِنْ كَذَّبَ وَتَوَلَّىٰ ﴿١٣﴾ أَلَمْ يَعْلَم بِأَنَّ اللَّهَ يَرَىٰ ﴿١٤﴾ كَلَّا لَئِنْ لَمْ  
يَنْتَهُ لَنَنْسِفَنَّ بِالْأَنفِيسِ ﴿١٥﴾ نَاصِيَةً ﴿١٦﴾ كَاذِبَةٍ خَاطِئَةٍ ﴿١٧﴾ فَلْيَدْعُ نَادِيَهُ ﴿١٨﴾ سَنَدْعُ  
الزَّبَانِيَةَ ﴿١٩﴾ (العلق ۹: ۱۸-۱۹) تم نے دیکھا اس شخص کو جو ایک بندے کو منع کرتا ہے جبکہ  
وہ نماز پڑھتا ہو؟ تمہارا کیا خیال ہے اگر (وہ بندہ) راہِ راست پر ہو یا پرہیزگاری کی تلقین  
کرتا ہو؟ تمہارا کیا خیال ہے اگر (یہ منع کرنے والا شخص حق کو) جھٹلاتا اور منہ موڑتا ہو؟ کیا  
وہ نہیں جانتا کہ اللہ دیکھ رہا ہے؟ ہرگز نہیں اگر وہ باز نہ آیا تو ہم اس کی پیشانی کے بال پکڑ  
کر کھینچیں گے، اس پیشانی کو جو جھوٹی اور سخت خطا کا رہے۔ وہ بلا لے اپنے حامیوں کی  
ٹولی کو، ہم بھی عذاب کے فرشتوں کو بلا لیں گے۔

(البداية والنهاية، ج ۱، طبع دار ابن حزم، بیروت، ص ۴۸۲)

مفسرین کے یادگار کارنامے

تفسیر ابن کثیر میں علامہ حافظ ابن کثیر نے ان آیات کی تشریح میں ابو جہل کا پورا واقعہ نقل کیا  
ہے۔ صحیح بخاری میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی زبانی یہ واقعہ  
روایت کیا گیا ہے۔ اسی طرح سید مودودی نے بھی سورۃ العلق کے شان نزول میں اس پورے  
واقعہ کا جامع خلاصہ پیش کیا ہے۔ مفتی محمد شفیع نے بھی اس تاریخی واقعہ کی تمام تفصیل نہایت خوب  
صورت انداز میں سورۃ العلق کی تفسیر میں قلمبند کی ہیں۔ شائقین کے لیے ان تمام تفاسیر میں  
بہت قیمتی، علمی ہیرے جمع کر دیے گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ تمام مفسرین و محدثین کو ان عظیم الشان کاموں  
پر بہترین اجر عطا فرمائے۔ (تفسیر ابن کثیر، المجلد السابع، دارالاندلس، بیروت،  
ص ۳۲۹-۳۲۷، تفہیم القرآن، جلد ششم، دیباچہ سورۃ العلق، ص ۳۹۴-۳۹۵، معارف  
القرآن، جلد ہشتم، تفسیر سورۃ العلق، ص ۷۸۸-۷۸۹)



## اراشی اور ابو جہل

اسی طرح آغاز اسلام کے زمانے میں ایک اور بڑا عجیب واقعہ پیش آیا۔ اراش کے علاقے سے ایک تاجر مکہ آیا، وہ اپنا اونٹ بیچنا چاہتا تھا۔ اس نے ابو جہل کے ساتھ اپنے اونٹ کا سودا کیا۔ قیمت طے ہوگئی، ابو جہل نے اونٹ لے لیا، مگر جب اجنبی آدمی نے قیمت کا مطالبہ کیا تو اس نے انکار کر دیا اور اسے جھڑکیاں دیں۔ وہ بیچارہ پریشان ہو گیا کہ اب کیا کرے۔ آخر بیت اللہ میں گیا اور قریش کی مجلس میں جا کر اس نے کہا: یا معشر قریش! من رجل یُعَدِّیْنی علی ابی الحکم بن ہشام؟ فانی غریب وابن سبیل وقد غلبنی علی حقی۔ اے سردارانِ قریش! آپ میں سے کون ابو الحکم بن ہشام سے میرا حق دلوائے گا؟ میں اجنبی اور مسافر ہوں اور اس نے (مجھ پر رعب جما کر) میرا حق چھین لیا ہے۔ اہل مجلس کو شرارت سوجھی، انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اشارہ کر کے کہا: وہ شخص جو حرم کے ایک کونے میں بیٹھا ہوا ہے اس کے پاس چلے جاؤ اور اپنی مشکل بیان کرو، وہی تمہارا حق دلوا سکتا ہے۔ (البدایة والنہایة، ج ۱، طبع دار ابن حزم، بیروت، ص ۴۸۳)

میں ہوں محمد!

اجنبی مسافران کی بات سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف آیا اور اپنی مشکل بیان کی۔ اس دوران اہل مجلس نے ایک شخص کی ذمہ داری لگائی کہ وہ جا کر دیکھے کہ ابو جہل کے ہاتھوں محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر کیا گزرتی ہے؟ یہ اجنبی مسافر جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور اپنی مشکل بیان کی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بلا جھجک اس کے ساتھ ابو جہل کے گھر کی طرف چل پڑے۔ اب اہل مجلس منتظر تھے کہ اب دیکھیں کیا بنتا ہے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اراشی کی بات سنی، پھر اس کو ساتھ لیے ہوئے ابو جہل کے دروازے پر پہنچے اور دستک دی۔ اس نے کہا کون؟ آپ نے فرمایا: میں ہوں محمد، ذرا باہر نکلیے۔ وہ اپنے گھر سے باہر نکلا اور دروازہ کھولا تو اس کا چہرہ یوں فق ہو گیا گویا اس میں خون کا ایک قطرہ بھی نہیں۔ اس کا رنگ اڑا ہوا تھا۔ آپ نے فرمایا: اعطِ هذا الرجل حقه۔ یعنی اس شخص کا حق اسے ادا کر دو۔ یہ سن کر ابو جہل گھر کے اندر گیا



اور اونٹ کی طے شدہ قیمت پوری کی پوری لا کر اراشی کے حوالے کر دی۔ تھوڑی دیر کے بعد منجر مجلس میں پہنچا تو لوگوں نے اس سے پوچھا: بتاؤ بھئی کیسا رہا؟ تو اس نے کہا: عجباً من العجب۔ خدا کی قسم! آپ کو کیا بتاؤں ایسی عجیب صورت حال میں نے دیکھی کہ بیان کرنا مشکل ہے۔ محمدؐ نے ابوالحکم سے کہا کہ اس شخص کا حق ادا کر دو تو اس نے بلاچوں چرا اس کا حق ادا کر دیا۔ اسی دوران وہ اراشی بھی مجلس میں آ پہنچا اور اس نے لوگوں کو بھی دعائیں دیں اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کہا: جزاہ اللہ خیراً۔ اللہ سے جزائے خیر دے کہ اس نے میرا حق دلوادیا۔

بز دل کہیں کا!

کچھ دیر کے بعد ابو جہل جب مجلس میں آیا تو لوگوں نے کہا: تمہارا بیڑا غرق ہو یہ تمہیں کیا ہو گیا کہ ہم نے تو تمہیں اتنا بز دل کبھی نہیں پایا تھا، جتنا تم نے اپنے آپ کو آج ظاہر کیا۔ اس نے کہا: تمہارا ستیاناس ہو۔ خدا کی قسم! جوں ہی اس نے میرے دروازے پر دستک دی اور میں نے اس کی آواز سنی تو میرے اوپر عجیب رعب طاری ہو گیا۔ جب میں اس کے سامنے آیا تو میں نے دیکھا کہ اس کے سر کے اوپر فضا میں ایک سانڈھ اونٹ معلق ہے۔ میں نے آج تک اتنی خوفناک چیز نہیں دیکھی۔ اس کی کوہان، اس کے جبرے اور اس کے دانت اتنے خوفناک تھے کہ بخدا مجھے یوں محسوس ہوا کہ وہ مجھے چبا ڈالے گا۔ (البدایۃ والنہایۃ، ج ۱، طبع دار ابن حزم، بیروت، ص ۴۸۳)

معجزات اور ابتلا

یہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات میں سے وہ معجزے ہیں جو حدیث کی کتابوں میں منقول ہیں۔ اب آپ دیکھیے کہ جب اللہ تعالیٰ نے چاہا تو اپنے نبی کی حفاظت ملائکہ کے ذریعے سے یوں فرمائی کہ دشمن بری طرح سے پسپا ہو گیا۔ لیکن اس کا رنبوت کی ادائیگی میں وہ منزلیں بھی آئیں جب اللہ کے نبی کو سخت ترین آزمائش و ابتلا میں سے گزرنا پڑا۔ طائف کا بازار ہو، یا شعب ابی طالب، احد کا میدان ہو یا حنین کا معرکہ، ہر مقام پر اللہ کے نبی ناقابل بیان مشکلات سے دوچار ہوئے۔ یہاں بھی اللہ چاہتا تو ان مشکلات کو ٹال دیتا، مگر اللہ کے نبی کو قیامت کے دن تک لوگوں کے لیے اسوۂ حسنہ کے طور پر رہنمائی کرنا تھی۔ اس لیے اللہ نے اپنے نبی کو ایسی کٹھن



گھاٹیوں سے گزارا کہ ان کی اتباع کرنے والے یہ نہ کہیں کہ آپؐ پر تو کبھی کوئی آزمائش آئی ہی نہ تھی، ہم آزمائشوں کا مقابلہ کیسے کریں؟

### استقامت اور سکینت

انبیائے کرام کو معجزات عطا کیے جاتے تھے۔ سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے آخری نبی ہیں، آپؐ کے بعد نبوت بھی ختم اور معجزات بھی، البتہ کرامات کا سلسلہ جاری ہے۔ اہل حق پر ہر دور میں آزمائشیں آتی رہیں۔ آج کا دور بالخصوص امت مسلمہ کے بعض حصوں پر بہت بھاری ہے۔ مصر و شام، بنگلہ دیش، کشمیر، غزہ و فلسطین، میانمار (برما) ہر جگہ کلمہ گو اور اسلامی تحریکوں کے قائدین و کارکنان ظلم کی چکی میں پس رہے ہیں۔ ان حالات میں جو لوگ ثابت قدم ہیں وہ اس سکینت کی وجہ سے ہیں جو اللہ کی طرف سے اپنے بندوں پر نازل کی جاتی ہے۔ اس کا تذکرہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں واضح الفاظ میں یوں فرمایا:

إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلَائِكَةُ أَلَّا تَخَافُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَبْشِرُوا بِالْجَنَّةِ الَّتِي كُنتُمْ تُوعَدُونَ ﴿۳۰﴾ نَحْنُ أَوْلِيُّكُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ ۗ وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَشْتَهَىٰ أَنفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَدْعُونَ ﴿۳۱﴾ نَزَّلَا مِنْ غَفُورٍ رَحِيمٍ ﴿۳۲﴾ (تم السجدة ۳۱: ۳۰-۳۲)

جن لوگوں نے کہا: اللہ ہمارا رب ہے اور پھر وہ اس پر ثابت قدم رہے، یقیناً ان پر فرشتے نازل ہوتے ہیں اور ان سے کہتے ہیں کہ نہ ڈرو، نہ غم کرو اور خوش ہو جاؤ اس جنت کی بشارت سے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے۔ ہم اس دنیا کی زندگی میں بھی تمہارے ساتھی ہیں اور آخرت میں بھی۔ وہاں جو کچھ تم چاہو گے تمہیں ملے گا اور ہر چیز جس کی تم تمنا کرو گے وہ تمہاری ہوگی، یہ ہے سامانِ ضیافت اس ہستی کی طرف سے جو غفور اور رحیم ہے۔





## عتبہ بن ربیعہ کی آنحضرتؐ سے ملاقات

### کفار کی پریشانی

جب مکہ میں کفر اور اسلام کے درمیان کش مکش زوروں پر پہنچی تو قریش نے محسوس کیا کہ ان کے تمام مظالم کے باوجود خود ان کے اپنے گھروں سے، ان کے بچے اور بچیاں اسلام کی طرف کھنچے چلے جا رہے ہیں۔ جہاں اہل ایمان مظالم کی وجہ سے تنگی میں تھے، وہیں اسلام کی پیش قدمی کے نتیجے میں اہل کفر کی صفوں میں بھی شدید بے چینی اور اضطراب تھا۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اور پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قبول اسلام تو کفار پر بجلی بن کر گرا۔ ان حالات میں کفار کی مجلس میں ایک دن گفتگو ہو رہی تھی۔ تمام سردار دارالندوہ میں بیٹھے ہوئے تھے جبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسجد حرام کے ایک جانب اکیلے تشریف فرما تھے۔ اچانک عتبہ بن ربیعہ کو ایک خیال سوچھا۔ اس نے کہا:

یا معشر قریش! لا اقوم الی محمد فاکلمہ..... اے سرداران قریش! کیا یہ مناسب نہیں کہ میں محمدؐ کے پاس جاؤں اور اس سے بات چیت کروں، تاکہ اسے اس کام سے روکا جائے جس کا بیڑا اس نے اٹھا رکھا ہے؟ انھوں نے کہا: بلیٰ یا ابا الولید، قم الیہ فاکلمہ۔ ہاں اے ابوالولید! اچھی بات ہے جاؤ اور اس سے بات کر کے افہام و تفہیم کا کوئی راستہ نکالو۔

### سودے بازی؟

عتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور آپؐ کے پاس بیٹھ کر کہا اے میرے بھتیجے! تو جانتا ہے کہ پوری قوم کے درمیان تیری بڑی عزت تھی اور تو نسب کے لحاظ سے بھی بہت اعلیٰ مقام پر ہے۔ اب تو اپنی قوم کے پاس ایک ایسی سخت بات لے کر آیا ہے جس کے نتیجے میں تو نے ان



کے اندر تفرقہ ڈال دیا ہے۔ تو اپنی قوم کے خداؤں کا انکار کرتا ہے اور اپنے آباؤ اجداد کے دین کو کفر قرار دیتا ہے۔ گویا وہ سب کے سب گمراہ تھے۔ میری بات غور سے سنو میں تمہارے سامنے ایک پرکشش پیش کش کر رہا ہوں شاید تم اسے قبول کر لو اور مسائل حل ہو جائیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عتبہ کی بات غور سے سنی اور فرمایا: قل یا ابا الولید اسمع۔ اے ابو الولید! جو کہنا چاہتے ہو کہیے میں ضرور تمہاری بات سنوں گا۔ عتبہ نے کہا: اے بھتیجے! تیری قوم نے مجھے تیرے پاس بھیجا ہے کہ اگر تو کثرت مال چاہتا ہے تو ہم تیرے لیے اتنا مال فراہم کر دیتے ہیں کہ تو سب سے زیادہ امیر ہو جائے، اگر تو سرداری چاہتا ہے تو ہم تجھے سردار مان لیتے ہیں اور اگر تو محسوس کرتا ہے کہ تجھے کوئی بیماری لاحق ہوگئی ہے یا کسی جن نے تمہارے اوپر کوئی اثر ڈالا ہے تو ہم تیرے علاج معالجے کا اہتمام کرتے ہیں اور اس میں جتنا مال خرچ ہوگا ہم لگا دیں گے، یہاں تک کہ تو شفا پا جائے۔ اگر تو کسی بھی خاتون سے شادی کرنا چاہتا ہے تو ہم اس کا اہتمام کیے دیتے ہیں۔ اس کے بدلے میں ہم تم سے توقع رکھتے ہیں کہ تم اس کام کو چھوڑ دو۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ابو الولید! تم نے اپنی پوری بات کر لی ہے یا کچھ مزید بھی کہنا ہے؟ اس نے کہا: بس میں نے اپنی بات پہنچا دی۔ آپ نے فرمایا: میرا جواب سنو۔ یہ کہہ کر آپ نے سورۃ حم: سجده کی تلاوت شروع کی۔ (سیرۃ ابن ہشام، القسم الاول، ص ۲۹۳-۲۹۴، السیرۃ الحلبیۃ، ج ۱، دارالکتب علمیہ بیروت، ص ۴۲۸-۴۲۹، البدایۃ والنہایۃ، ج ۱، طبع دار ابن حزم، بیروت، ص ۴۹۳-۴۹۴)

نبی رحمت ﷺ کا جواب

سید مودودی نے سورۃ حم السجدہ کے دیباچے میں اس پورے واقعہ کو نہایت موثر انداز میں بیان فرمایا ہے۔ وہ تحریر فرماتے ہیں:

آپ نے بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھ کر تلاوت شروع کی اور عتبہ اپنے دونوں ہاتھ پیچھے زمین پر ٹیکے غور سے سنتا رہا۔ آیت سجدہ (آیت ۳۸) پر پہنچ کر آپ نے سجدہ کیا، پھر



سراٹھا کر فرمایا: اے ابوالولید! میرا جواب آپ نے سن لیا، اب آپ جانیں اور آپ کا کام۔ عتبہ اٹھ کر سردارانِ قریش کی مجلس کی طرف چلا تو لوگوں نے دور سے اس کو دیکھتے ہی کہا: خدا کی قسم عتبہ کا چہرہ بدلا ہوا ہے، یہ وہ صورت نہیں جسے وہ لے کر گیا تھا۔ پھر جب وہ آ کر بیٹھا تو لوگوں نے کہا: کیا سن آئے؟ اس نے کہا: بخدا! میں نے ایسا کلام سنا کہ کبھی اس سے پہلے نہ سنا تھا۔ خدا کی قسم! نہ یہ شعر ہے، نہ سحر ہے نہ کہانت۔ اے سردارانِ قریش! میری بات مانو اور اس شخص کو اس کے حال پر چھوڑ دو۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ کلام کچھ رنگ لا کر رہے گا۔ فرض کرو، اگر عرب اس پر غالب آگئے تو اپنے بھائی کے خلاف ہاتھ اٹھانے سے تم بچ جاؤ گے اور دوسرے اس سے نمٹ لیں گے۔ لیکن اگر وہ عرب پر غالب آ گیا تو اس کی بادشاہی تمہاری بادشاہی اور اس کی عزت تمہاری عزت ہوگی۔ سردارانِ قریش اس کی یہ بات سنتے ہی بول اٹھے: ولید کے ابا! آخر اس کا جادو تم پر بھی چل گیا۔ عتبہ نے کہا: میری جو رائے تھی وہ میں نے تمہیں بتادی، اب تمہارا جو جی چاہے کرتے رہو۔ (ابن ہشام، ج ۱، ص ۳۱۳، ۳۱۴)

### صداقت کا اعتراف

اس قصے کو متعدد دوسرے محدثین نے حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے بھی مختلف طریقوں سے نقل کیا ہے، جن میں تھوڑا بہت لفظی اختلاف ہے۔ ان میں سے بعض روایتوں میں یہ بھی آیا ہے کہ جب حضور تلاوت کرتے ہوئے اس آیت پر پہنچے: فَإِنْ أَعْرَضُوا فَقُلْ أَنْذَرْتُكُمْ صَاعِقَةً مِثْلَ صَاعِقَةِ عَادٍ وَثَمُودَ ﴿۱۳﴾ [حم السجدة ۴۱: ۱۳] (اب اگر لوگ منہ موڑتے ہیں تو ان سے کہہ دو کہ میں تمہیں عاد اور ثمود کے عذاب جیسے ایک اچانک ٹوٹ پڑنے والے عذاب سے ڈراتا ہوں) تو عتبہ نے بے اختیار آپ کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا اور کہا: خدا کے لیے اپنی قوم پر رحم کرو۔ بعد میں اس نے سردارانِ قریش کے سامنے اپنے اس فعل کی وجہ یہ بیان کی کہ آپ لوگ جانتے ہیں محمد کی زبان سے جو بات نکلتی ہے پوری



ہو کر رہتی ہے، اس لیے میں ڈر گیا کہ کہیں ہم پر عذاب نازل نہ ہو جائے۔ [تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو تفسیر ابن کثیر، ج ۴، ص ۹۰-۹۱] (تفہیم القرآن، ج ۴، دیباچہ سورہ حم السجدہ، ص ۴۳۴-۴۳۵) گویا بدترین دشمن کو بھی یہ اعتراف تھا کہ محمد ﷺ جو بات زبان سے نکالتے ہیں وہ بے وزن اور بے بنیاد نہیں ہوتی، بلکہ سچی اور محکم ہوتی ہے۔

بعض روایات کے مطابق نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عتبہ بن ربیعہ نے بھی سجدہ کیا۔ جب اسے قریش کے سرداروں نے اس پر عار دلائی تو اس نے کہا: ”یامعشر قریش قد سمعت قولاً واللہ ما سمعت مثله قط واللہ ما هو بالشعر ولا بالسحر ولا بالكھانہ۔ اے سردارانِ قریش! خدا کی قسم آج جو میں نے کلام سنا ہے اس جیسا کلام اس سے قبل میں نے کبھی نہیں سنا۔ خدا کی قسم! وہ شعر نہیں، نہ ہی جادو گری ہے اور نہ ہی کہانت۔“ یعنی وہ اس بات کو بیان کر رہا تھا کہ اس کلام کے اندر اتنی تاثیر ہے کہ یہ کسی انسان کا کلام نہیں اور اس کی تاثیر سے اس نے بلا سوچے سمجھے اپنا سر سجدے میں رکھ دیا۔

### پیش کش کا جواب

عتبہ کی پیش کش کے جواب میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو آیات پڑھی ہیں ان میں واضح طور پر اللہ کی طرف سے یہ اعلان کیا گیا ہے کہ اسلام کے اس دعوتی کام میں کوئی سودے بازی ممکن نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلَائِكَةُ أَلَّا تَخَافُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَبْشِرُوا بِالْجَنَّةِ الَّتِي كُنتُمْ تُوعَدُونَ ﴿۳۰﴾ نَحْنُ أَوْلِيُّكُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ ۗ وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَشْتَهَىٰ أَنفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَدَّعُونَ ﴿۳۱﴾ نَزَّلَا مِنْ غَفُورٍ رَحِيمٍ ﴿۳۲﴾ (حم السجدہ ۴۱: ۳۰-۳۲)

جن لوگوں نے کہا: اللہ ہمارا رب ہے اور وہ پھر اس پر ثابت قدم رہے، یقیناً ان پر



فرشتے نازل ہوتے ہیں اور ان سے کہتے ہیں کہ نہ ڈرو، نہ غم کرو اور خوش ہو جاؤ اس جنت کی بشارت سے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے۔ ہم اس دنیا کی زندگی میں بھی تمہارے ساتھی ہیں اور آخرت میں بھی۔ وہاں جو کچھ تم چاہو گے تمہیں ملے گا اور ہر چیز جس کی تم تمنا کرو گے وہ تمہاری ہوگی، یہ ہے سامان ضیافت اس ہستی کی طرف سے جو غفور اور رحیم ہے۔

اہل ایمان کی استقامت پر ملنے والے انعامات کا تذکرہ ایمان افروز کرنے کے بعد داعی، دعوت اور اس دعوت کو لوگوں تک پہنچانے کے لیے طریقہ کار پوری جامعیت کے ساتھ واضح کیا گیا ہے۔ یہ کام بڑا صبر آزما ہے، مگر جو اس راستے کا راہی بن جائے اس کی خوش قسمتی پر خود قرآن گواہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَمَنْ أَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَا إِلَى اللَّهِ وَ عَيْلٍ صَالِحًا وَقَالَ إِنِّي مِنَ الْمُسْلِمِينَ ﴿۳۳﴾ وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ۗ ادْفَعْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ فَإِذَا الَّذِي بَيْنَكَ وَ بَيْنَهُ عَدَاوَةٌ كَأَنَّهُ وَلِيٌّ حَمِيمٌ ﴿۳۴﴾ وَمَا يُلْقُهَا إِلَّا الَّذِينَ صَبَرُوا ۗ وَمَا يُلْقُهَا إِلَّا ذُو حِظٍّ عَظِيمٍ ﴿۳۵﴾ (حم السجدہ ۳۱: ۳۳-۳۵)

اور اس شخص کی بات سے اچھی بات اور کس کی ہوگی جس نے اللہ کی طرف بلایا اور نیک عمل کیا اور کہا کہ میں مسلمان ہوں۔ اور اے نبی! نیکی اور بدی یکساں نہیں ہیں۔ تم بدی کو اس نیکی سے دفع کرو جو بہترین ہو۔ تم دیکھو گے کہ تمہارے ساتھ جس کی عداوت پڑی ہوئی تھی وہ جگری دوست بن گیا ہے۔ یہ صفت نصیب نہیں ہوتی، مگر ان لوگوں کو جو صبر کرتے ہیں اور یہ مقام حاصل نہیں ہوتا مگر ان لوگوں کو جو بڑے نصیب والے ہیں۔ اور اگر تم شیطان کی طرف سے کوئی اکساہٹ محسوس کرو تو اللہ کی پناہ مانگو، وہ سب کچھ سنتا اور جانتا ہے۔

مشیت الہی

اللہ تعالیٰ کی حکمتیں وہی جانتا ہے۔ عتبہ نے کئی مواقع پر ایسی باتیں کہیں، جس سے اس کی



عقل و دانش بھی ظاہر ہوتی ہے اور صلح جوئی وصلہ رحمی کا بھی احساس ہوتا ہے، مثلاً اوپر جو واقعہ بیان ہوا ہے اس میں عتبہ کا مشورہ کتنا صائب تھا۔ اسی طرح بدر کے میدان میں جب یہ سب لوگ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلے پر آئے تو آپ نے لشکر کفار کی طرف دیکھا۔ عتبہ نے اپنے سر پر سرخ عمامہ پہن رکھا تھا اور اس وقت وہ ایک قیمتی سرخ اونٹ پر سوار تھا۔ آپ نے فرمایا: ان یکن فی احد من القوم خیر فعند صاحب الجمل الأحمر ان یطیعوہ یرشدوا۔ یعنی اس سارے لشکر میں اگر کسی کے اندر کوئی خیر اور بھلائی ہے تو سرخ اونٹ والے کے پاس ہی ہو سکتی ہے۔ اگر یہ لوگ اس کی بات مان لیں تو راہِ راست پر آجائیں۔ (سیرۃ ابن ہشام، القسم الاول، ص ۶۲۱)

### حکیمانہ تجویز، جاہلانہ جواب

اس موقع پر حکیم بن حزام نے بھی عتبہ سے بات کی اور کہا کہ عمرو بن الحضرمی جو قتل ہوا ہے تیرا حلیف تھا۔ کیا ہی اچھا ہو کہ تو اس کا خون اپنے ذمے لے لے اور سب لوگوں کو مشورہ دے کہ لڑے بغیر واپس چلے جائیں۔ عتبہ نے اس کی بات سنی تو اس نے کہا: یہ بات درست ہے۔ اس لیے میں سوچ رہا ہوں کہ اگر ہمارے اور ان کے درمیان لڑائی ہوگی تو ہمیشہ کے لیے باہمی نفرت و کراہت دلوں کے اندر رہے گی۔ ہر شخص کہے گا کہ فلاں نے میرے بھائی، باپ، بیٹے، بھتیجے یا بھانجے کو قتل کیا ہے، میں اسے کیونکر معاف کر سکتا ہوں۔ اس لیے عقل مندی اور سلامتی کا راستہ یہی ہے کہ جنگ نہ کی جائے۔ ابو جہل تک جب یہ بات پہنچی تو وہ آگ بگولا ہو گیا اور اس نے جل بھن کر کہا کہ عتبہ کی بزدلی کھل کر سامنے آگئی ہے۔ وہ راہِ فرار اختیار کرنا چاہتا ہے۔ اس کا بیٹا (ابو حذیفہ) دوسری صف میں ہے اور وہ اس کی وجہ سے بھی کمزوری دکھا رہا ہے۔ اس کے علاوہ میں سمجھتا ہوں کہ اس پر محمدؐ کا جادو کام کر گیا ہے، مگر ہم تو اس گروہ کا خاتمہ کیے بغیر واپس نہیں جائیں گے۔ ساتھ ہی اس نے پر جوش انداز میں کہا: کلا واللہ لا نرجع حتی یحکم اللہ بیننا و بین محمد۔ خدا کی قسم! ہم واپس نہیں جائیں گے جب تک ہمارے اور محمدؐ کے درمیان اللہ



فیصلہ نہ کر دے۔ (سیرۃ ابن ہشام، القسم الاول، ص ۶۲۲-۶۲۳) حکیمانہ تجویز کا جواب جس جہالت کے ساتھ دیا گیا، بد بخت قوم نے اسی کو قبول کیا اور حکمت و دانائی کو مسترد کر دیا۔

### حمیت جاہلیہ

جب عتبہ نے ابو جہل کی یہ بات سنی تو اس کی بھی حمیت جاہلیہ پھڑک اٹھی۔ اس نے کہا: حنظلہ کا بیٹا اپنے آپ کو کیا سمجھتا ہے۔ جب لڑائی شروع ہوگی تو قوم دیکھے گی کہ کس نے اپنی تلوار کے جوہر دکھائے ہیں۔ حنظلہ ابو جہل کی والدہ کا نام ہے۔ اس کا نام اسماء بنت محرز بہ تھا اور اس کے آباؤ اجداد میں دارم بن مالک بن حنظلہ کا نام آتا ہے۔ اسی حنظلہ کی طرف نسبت سے ابو جہل کی ماں حنظلہ بھی مشہور تھی۔ پھر جب جنگ شروع ہوئی تو اپنے بھائی شیبہ بن ربیعہ اور بیٹے ولید بن عتبہ کے ساتھ سب سے پہلے عتبہ ہی میدان جنگ میں اترا۔ بے چارہ بدنصیب تھا اور نہ اس نے کئی مواقع پر جو باتیں کہیں انھیں پڑھتے ہوئے دل میں خیال گزرتا ہے کہ وہ ہدایت کے بہت قریب پہنچ گیا تھا۔ حکیم بن حزام تو خوش نصیب تھا کہ عتبہ سے بات کرنے کے بعد اس نے کہا: میں تو اس لڑائی کا حصہ نہیں بنوں گا۔ پھر وہ واپس مکہ چلا گیا اور فتح مکہ کے وقت اسے اسلام کی توفیق اور درجہ صحابیت کی سعادت مل گئی۔ وہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا بھتیجا اور حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ کا چچیرا بھائی تھا۔ (ایضاً)





## کفارِ مکہ کی عصبیت جاہلیہ

### معاندینِ حق کو چیلنج

حدیث اور تاریخ کی کتابوں میں بہت سے ایسے واقعات منقول ہیں جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ قریش کے بڑے بڑے سردار قرآن سن کر لاجواب ہو جاتے تھے، مگر عصبیت جاہلیہ انہیں حقیقت کو قبول کرنے کی بجائے انکار کے راستے پر ڈال دیتی تھی۔ قرآن پاک میں مختلف مقامات پر ان معاندینِ حق کو چیلنج کیا گیا ہے کہ اگر تم سمجھتے ہو کہ یہ انسانی کلام ہے تو پھر اس جیسا کلام بنا کر لے آؤ اور اپنے تمام مددگاروں کو اپنے ساتھ شامل کر لو۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ انسان ہی نہیں جن بھی ان کے ساتھ شامل ہو جائیں تو اس قرآن کی مثل ایک چھوٹی سی سورت بھی نہیں لاسکتے۔ سورہ بنی اسرائیل میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

قُلْ لِّمَنِ اجْتَمَعَتِ الْإِنْسُ وَالْجِنُّ عَلَىٰ أَنْ يَأْتُوا بِمِثْلِ هَذَا الْقُرْآنِ لَا يَأْتُونَ بِمِثْلِهِ وَلَا  
لَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيرًا ۝۸۸ (بنی اسرائیل ۱۷: ۸۸)

کہہ دو کہ اگر انسان اور جن سب کے سب مل کر اس قرآن جیسی کوئی چیز لانے کی کوشش کریں تو نہ لاسکیں گے، چاہے وہ سب ایک دوسرے کے مددگار ہی کیوں نہ ہوں۔  
سورہ ہود میں فرمایا:

أَمْ يَقُولُونَ افْتَرَاهُ ۗ قُلْ فَأْتُوا بِعَشْرِ سُوْرٍ مِّثْلِهِ مُفْتَرِيَاتٍ ۚ وَادْعُوا مَنِ اسْتَعْظَمْتُمْ  
مِّنْ دُونِ اللَّهِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ۝۱۳۰ فَاَلَمْ يَسْتَجِيبُوا لَكُمْ فَاعْلَمُوا أَنَّهُمْ أَنزَلُ بِعِلْمِ اللَّهِ  
وَأَن لَّا إِلَهَ إِلَّا هُوَ ۗ فَهَلْ أَنْتُمْ مُّسْلِمُونَ ۝۱۳۱ (ہود ۱۳: ۱۳۰-۱۳۱)

کیا یہ کہتے ہیں کہ پیغمبر نے یہ کتاب خود گھڑ لی ہے؟ کہو، اچھا یہ بات ہے تو اس جیسی گھڑی



ہوئی دس سورتیں تم بنالاول اور اللہ کے سوا اور جو جو (تمہارے معبود) ہیں ان کو مدد کے لیے بلا سکتے ہو تو بلا لو، اگر تم (انہیں معبود سمجھنے میں) سچے ہو۔ اب اگر وہ (تمہارے معبود) تمہاری مدد کو نہیں پہنچتے تو جان لو کہ یہ اللہ کے علم سے نازل ہوئی ہے اور یہ کہ اللہ کے سوا کوئی حقیقی معبود نہیں ہے۔ پھر کیا تم (اس امر حق کے آگے) سر تسلیم خم کرتے ہو؟

یہاں دس سورتوں کا چیلنج دیا گیا ہے جس کے جواب میں منکرین حق بے بس ہو گئے۔ سورہ یونس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ چلو دس نہیں تو اس جیسی ایک ہی سورت لے آؤ۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

أَمْ يَقُولُونَ افْتَرَاهُ قُلْ فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِّثْلِهِ وَادْعُوا مَنِ اسْتَعْتَمْتُمْ مِّنْ دُونِ اللَّهِ  
إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿۳۸﴾ (یونس: ۱۰)

کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ پیغمبر نے اسے خود تصنیف کر لیا ہے؟ کہو، اگر تم اپنے اس الزام میں سچے ہو تو ایک سورت اس جیسی تصنیف کر لاؤ اور ایک خدا کو چھوڑ کر جس جس کو بلا سکتے ہو مدد کے لیے بلا لو۔

کلام اللہ کا مقابلہ خلق کے بس میں کہاں

مندرجہ بالا تینوں سورتیں مکی ہیں۔ مدنی سورتوں میں بھی اللہ تبارک و تعالیٰ نے مشرکین اور اہل کتاب کو چیلنج کیا ہے کہ وہ سب مل کر اس سوال کا جواب دے دیں۔ ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ وہ ہرگز کبھی اس کا جواب نہیں دے پائیں گے۔ یہ چیلنج قیامت کے دن تک ہے۔ ارشاد باری ہے:

وَإِنْ كُنْتُمْ فِي رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلَىٰ عَبْدِنَا فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِّثْلِهِ ۚ وَادْعُوا  
شُهَدَاءَكُمْ مِّنْ دُونِ اللَّهِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿۳۹﴾ فَإِنْ لَّمْ تَفْعَلُوا وَلَنْ تَفْعَلُوا فَأْتُوا  
النَّارَ الَّتِي وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ ۗ أُعِدَّتْ لِلْكَافِرِينَ ﴿۴۰﴾ (البقرة: ۲۳-۲۴)

اور اگر تمہیں اس امر میں شک ہے کہ یہ کتاب جو ہم نے اپنے بندے پر اتاری ہے، یہ ہماری ہے یا نہیں، تو اس کے مانند ایک ہی سورت بنالاول، اپنے سارے ہم نواؤں کو بلا لو،



ایک اللہ کو چھوڑ کر باقی جس جس کی چاہو، مدد لے لو، اگر تم سچے ہو تو یہ کام کر کے دکھاؤ۔ لیکن اگر تم نے ایسا نہ کیا، اور یقیناً کبھی نہیں کر سکتے تو ڈرو اس آگ سے، جس کا ایندھن بنیں گے انسان اور پتھر، جو مہیا کی گئی ہے منکرین حق کے لیے۔

عجمی اور عربی مبین؟

جب یہ لوگ بے بس ہو گئے تو اپنا جھوٹا پراپیگنڈہ پھر بھی نہ چھوڑا۔ کبھی کہتے کہ محمد بن عبد اللہ پر جن حاوی ہو گئے ہیں جو اس کی زبان سے یہ کلام ادا کراتے ہیں۔ کبھی کسی انسان کی طرف یہ کلام منسوب کر دیتے اور بڑی بے شرمی کے ساتھ بعض غیر عرب شخصیتوں کا نام لیتے کہ وہ محمد کو یہ پٹی پڑھاتے ہیں۔ قرآن نے ان کے اس لغو الزام کی طرف بھی اشارہ فرمایا ہے۔ سورہ النحل میں ارشاد ربانی ہے:

وَإِذَا بَدَّلْنَا آيَةً مَّكَانَ آيَةٍ ۗ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا يُنَزِّلُ قَالُوا إِنَّا آنَبَأَ أَنْتَ مُفْتَرٍ ۗ  
بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۱۰۳﴾ قُلْ نَزَّلَهُ رُوحُ الْقُدُسِ مِنْ رَبِّكَ بِالْحَقِّ لِيُثَبِّتَ الَّذِينَ آمَنُوا وَهُدًى وَبُشْرَى لِلْمُسْلِمِينَ ﴿۱۰۴﴾ وَ لَقَدْ نَعَلْنَا أَنَّهُمْ  
يَقُولُونَ إِنَّا نَعْلَمُهُ بَشَرٌ ۗ لِسَانُ الَّذِي يُلْحِدُونَ إِلَيْهِ أَعْجِبِي ۗ وَهَذَا  
لِسَانٌ عَرَبِيٌّ مُبِينٌ ﴿۱۰۵﴾ (النحل: ۱۰۱-۱۰۳)

جب ہم ایک آیت کی جگہ دوسری آیت نازل کرتے ہیں..... اور اللہ بہتر جانتا ہے کہ وہ کیا نازل کرے..... تو یہ لوگ کہتے ہیں کہ تم یہ قرآن خود گھڑتے ہو۔ اصل بات یہ ہے کہ ان میں سے اکثر لوگ حقیقت سے ناواقف ہیں۔ ان سے کہو کہ اسے تو روح القدس نے ٹھیک ٹھیک میرے رب کی طرف سے بتدریج نازل کیا ہے تاکہ ایمان لانے والوں کے ایمان کو پختہ کرے اور فرمان برداروں کو زندگی کے معاملات میں سیدھی راہ بتائے اور انہیں فلاح و سعادت کی خوش خبری دے۔ ہمیں معلوم ہے یہ لوگ تمہارے متعلق کہتے ہیں کہ اس شخص کو ایک آدمی سکھاتا پڑھاتا ہے، حالانکہ ان کا اشارہ جس آدمی کی طرف ہے



اس کی زبان عجمی ہے اور یہ صاف عربی زبان ہے۔

جھوٹ کی کوئی بنیاد نہیں ہوتی اس لیے وہ پینترے بدلتا رہتا ہے۔ یہ غیر عرب کون تھا جو مشرکین کے خیال میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن سکھاتا تھا، اس کے بارے میں بھی وہ مختلف اوقات میں مختلف اشخاص کے نام لیتے تھے۔ ابن کثیر، ابن ہشام اور ابن سعد سبھی نے اس واقعہ کو نقل کیا ہے اور سب نے ان ناموں کا تذکرہ کیا ہے۔ سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ اس آیت کی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں:

عجمی کون تھا؟

روایات میں مختلف اشخاص کے متعلق بیان کیا گیا ہے کہ کفار مکہ ان میں سے کسی پر یہ گمان کرتے تھے۔ ایک روایت میں اس کا نام جبر بیان کیا گیا ہے جو عامر بن الحضرمی کا ایک رومی غلام تھا۔ دوسری روایت میں حویطب بن عبدالعزیٰ کے ایک غلام کا نام لیا گیا ہے جسے عائش یا عیش کہتے تھے۔ ایک اور روایت میں یسار کا نام لیا گیا ہے جس کی کنیت ابو فکیہہ تھی اور جو مکہ کی ایک عورت کا یہودی غلام تھا۔ ایک اور روایت بلعان یا بلعام نامی ایک رومی غلام سے متعلق ہے۔ بہر حال ان میں سے جو بھی ہو، کفار مکہ نے محض یہ دیکھ کر کہ ایک شخص توراہ و انجیل پڑھا ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اس سے ملاقات ہے، بے تکلف یہ الزام گھڑ دیا کہ اس قرآن کو دراصل وہ تصنیف کر رہا ہے اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اسے اپنی طرف سے خدا کا نام لے لے کر پیش کر رہے ہیں۔ اس سے نہ صرف یہ اندازہ ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مخالفین آپ کے خلاف افترا پردازیاں کرنے میں کس قدر بے باک تھے، بلکہ یہ سبق بھی ملتا ہے کہ لوگ اپنے ہم عصروں کی قدر و قیمت پہچاننے میں کتنے بے انصاف ہوتے ہیں۔ ان لوگوں کے سامنے تاریخ انسانی کی ایک ایسی عظیم شخصیت تھی جس کی نظیر نہ اس وقت دنیا بھر میں کہیں موجود تھی اور نہ آج تک پائی گئی ہے۔ مگر ان عقل کے اندھوں کو اس کے مقابلے میں ایک عجمی غلام، جو کچھ



توراة و انجیل پڑھ لیتا تھا، قابل نظر آ رہا تھا اور وہ گمان کر رہے تھے کہ یہ گوہر نایاب اس کوئلے سے چمک حاصل کر رہا ہے۔ (تفہیم القرآن، ج ۲ ص ۵۷۳-۵۷۴)

### قرآن کی اثر آفرینی

اخس بن شریق مکہ میں مقیم تھا، مگر نسلاً بنو ثقیف میں سے تھا اور بنو زہرہ کا حلیف تھا۔ مکہ کے بااثر لوگوں میں اس کا شمار ہوتا تھا۔ اس کے ساتھ عمرو بن ہشام (ابو جہل) اور ابوسفیان کی دوستی تھی۔ یہ تینوں اسلام کے خلاف تھے۔ لیکن عجیب بات ہے کہ رات کے وقت جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر میں تہجد کے لیے اٹھتے اور قدرے بلند آواز میں قرآن کی تلاوت فرماتے تو یہ تینوں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاوت باہر بیٹھ کر سنتے۔ مورخ ابن ہشام کے بقول تینوں الگ الگ مقامات پر بیٹھ کر تلاوت سنا کرتے تھے اور کسی ایک کو بھی معلوم نہیں تھا کہ اس کے علاوہ بھی کوئی تلاوت سن رہا ہے۔ فاخذ کل رجل منهم مجلساً يستمع فيه، وکل لا يعلم بمكان صاحبه، فباتوا يستمعون له، حتى اذا طلع الفجر تفرقوا..... یعنی یہ سب لوگ اپنی اپنی جگہ پر قرآن سنتے تھے اور کسی کو بھی دوسرے کے بارے میں معلوم نہیں ہوتا تھا۔ طلوع فجر کے قریب یہ اٹھ کے چلے جاتے..... پس ایک دن راستے میں ایک دوسرے سے ملے اور ہر ایک نے دوسرے کو ملامت کی اور کہا یہ کام بالکل نہیں کرنا چاہیے۔ اگر ہمارے بے وقوف لوگوں کو اس کا علم ہو گیا تو وہ دیوانہ وار اسلام قبول کر لیں گے۔ (سیرۃ ابن ہشام، القسم الاول، ص ۳۱۵)

یہ عہد و پیمان کرنے کے باوجود اگلی رات پھر ہر ایک قرآن سننے کے لیے نکلا۔ تین راتیں اسی طرح سے گزریں۔ تیسرے دن آپس میں انہوں نے کہا: لانبرح حتى نتعاہد الا نعود: فتعاہدوا علی ذالک، ثم تفرقوا۔ یعنی اب ہم ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوں گے جب تک یہ معاہدہ نہ کر لیں کہ آئندہ یہ حرکت نہیں کریں گے۔ چنانچہ انہوں نے آپس میں معاہدہ کیا کہ آج کے بعد ہم میں سے کوئی بھی قرآن سننے کے لیے نہیں آئے گا۔ (ایضاً، ص ۳۱۵)



## خاندانی عصبیت و حسد

یہ سب کچھ ہو گیا تو اگلے دن احنس بن شریق نے اپنا عصا پکڑا، ابوسفیان کے پاس آیا اور اس سے کہا: اے ابوحنظلہ! مجھے ٹھیک ٹھیک بتاؤ کہ محمدؐ سے جو کچھ تم نے سنا اس کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟ اس نے جواب دیا: ابو ثعلبہ! مجھے تو کچھ سمجھ نہیں آیا کہ اس کلام میں کیا کہا گیا ہے۔ یہ سن کر احنس بن شریق نے کہا: خدا لگتی کہو یہ تو بے مثل کلام ہے۔ اس کے بعد یہ دونوں ابو جہل کے گھر گئے۔ احنس نے اس سے بھی وہی سوال کیا جو ابوسفیان سے کیا تھا۔ اصل سوال کا جواب دینے کی بجائے ابو جہل نے غصے میں آ کر کہا: ہم نے بنی عبدمناف کا ہر میدان میں مقابلہ کیا ہے اگر انہوں نے بہادری کے کارنامے سرانجام دیے ہیں تو ہم اس میدان میں ان سے آگے نکل گئے ہیں۔ حاجیوں کی خدمت اور مہمانوں کی ضیافت اگر انہوں نے کی تو ہم نے ان سے بڑھ کر کی۔ اگر انہوں نے لوگوں کو سواریاں فراہم کیں تو ہم نے بھی یہ کام کیا۔ اب وہ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ان کے درمیان ایک نبی آ گیا ہے۔ ہم ہرگز اس بات کو قبول نہیں کریں گے۔ اگر ہم اسے نبی مان لیں تو پھر ہماری سرداری کہاں رہے گی۔ (البدایة والنہایة، ج ۱، طبع دار ابن حزم،

بیروت، ص ۴۹۴-۴۹۵)

## پہلی نظر

حضرت مغیرہ بن شعبہ جو طائف کے رہنے والے ثقفی تھے، مکہ آئے اور ابو جہل کے ساتھ ملاقات کی۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ میں ابو جہل کے ساتھ ایک راستے پر جا رہا تھا کہ سامنے سے ایک نوجوان آتا ہوا مجھے نظر آیا۔ قریب آ کر اس نے کہا: یا اباالحکم، ہلم الی اللہ والی رسولہ، ادعوک الی اللہ۔ یعنی اے ابوالحکم! اللہ اور اس کے رسول کی طرف آ جاؤ میں تمہیں اللہ ہی کی طرف دعوت دیتا ہوں۔ یہ سن کر ابو جہل غصے سے تلملا اٹھا اور اس نے کہا: اے محمد! تم وہی تو ہو جو ہمارے معبودوں کو برا بھلا کہتے ہو، تم مجھ سے توقع رکھتے ہو کہ میں تمہاری تصدیق کروں۔ سن لو ایسا ہرگز نہیں ہوگا۔ مغیرہ بن شعبہ کہتے ہیں کہ میں نے پہلی مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی



موقع پر دیکھا تھا۔ وہ پہلی نظر اتنی متاثر کن تھی کہ یہ ثقفی سردار زندگی بھر اسے فراموش نہ کر سکا۔  
(ایضاً، ص ۴۹۵)

### احتمانہ تمسخر

ایک اور واقعہ یوں بیان کیا گیا ہے کہ مکہ میں کسی مقام پر ابو جہل اور ابوسفیان بیٹھے ہوئے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ادھر سے گزر ہوا۔ آپ کو دیکھ کر ابو جہل نے ازراہ تمسخر ابوسفیان سے کہا: اے بنو عبد شمس! کیا یہ نوجوان، تم میں سے نبی مبعوث ہوا ہے؟ چونکہ ابوسفیان کا نسب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عبد مناف پر مل جاتا تھا۔ اس لیے ابو جہل نے اس سے یہ بات کی۔ ابوسفیان بھی ابو جہل کی طرح اس وقت تک منکر حق تھا، لیکن اس موقع پر اس کی رگ حمیت جاگ اٹھی اور اس نے کہا: تمہیں ہمارے درمیان نبی کے مبعوث ہونے پر کیوں تعجب ہے؟ کیا تمہارے خیال میں نبی ان لوگوں کے درمیان آنا چاہیے تھا جو ہم سے کم تر درجے اور مقام کے حامل ہیں؟ ابو جہل نے کہا: واہ ابوسفیان! سب بزرگوں کو چھوڑ کر ایک لڑکے کو اس مقام پر فائز کیا گیا ہے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی باتیں سنیں اور فرمایا: اے ابوسفیان! تم نے یہ بات اللہ اور اس کے رسول سے محبت کی وجہ سے نہیں کہی بلکہ اپنی غیرت و حمیت کی وجہ سے کہی ہے۔ پھر ابو جہل سے کہا: اے ابوالحکم! خدا کی قسم عن قریب وہ وقت آئے گا کہ تو بہت کم ہنسے گا اور بہت زیادہ روئے گا۔ (ایضاً، ص ۴۹۵)۔

سورۃ الفرقان کی آیت ۴۱، ۴۲ میں ابو جہل اور اس کے دیگر ساتھیوں ہی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے:

وَإِذَا سَأَلَكَ عَنْ آيَاتِنَا لَوْلَا أَنْ صَبَرْنَا عَلَيْهَا وَسَوْفَ يَعْلَمُونَ حِينَ يَرُونَ الْعَذَابَ مَنْ أَضَلَّ سَبِيلًا ﴿٤١﴾ (الفرقان ۲۵: ۴۱-۴۲)

یہ لوگ جب تمہیں دیکھتے ہیں تو تمہارا مذاق بنا لیتے ہیں۔ (کہتے ہیں) کیا یہ شخص ہے جسے



خدا نے رسول بنا کر بھیجا ہے؟ اس نے تو ہمیں گمراہ کر کے ہمارے معبودوں سے برگشتہ ہی کر دیا ہوتا اگر ہم ان کی عقیدت پر جم نہ گئے ہوتے۔ اچھا، وہ وقت دور نہیں ہے جب عذاب دیکھ کر انہیں خود معلوم ہو جائے گا کہ کون گمراہی میں دور نکل گیا ہے۔

اسی کشمکش میں اسلام کے قدم مسلسل آگے بڑھ رہے تھے، مگر اس کے ساتھ ساتھ ظلم و ستم کی چکی بھی چل رہی تھی۔ جادہ حق پر قدم رکھنے والوں کی استقامت نے سب کو یہ پیغام دے دیا تھا کہ حق مغلوب ہونے کے لیے نہیں بلکہ غالب ہونے کے لیے آیا ہے۔ **الاسلام یعلو ولا یعلیٰ** کا منظر پوری دنیا نے دیکھا، مگر آغازِ وحی کے زمانے میں حالات اتنے کٹھن تھے کہ اللہ کے بندے بھی پکاراٹھے: **مَتَى نَصْرُ اللَّهِ**۔ یعنی اللہ کی مدد کب آئے گی اور اللہ تعالیٰ کا جواب آیا: **آلَا إِنَّ نَصْرَ اللَّهِ قَرِيبٌ**۔ یعنی ہاں اللہ کی مدد قریب ہے۔





## آنحضور ﷺ کی رکانہ سے کشتی

دعوتِ اسلام

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان کا ایک نوجوان پورے عرب میں اپنی طاقت اور کشتی میں مہارت کی وجہ سے معروف تھا۔ اس کے مقابلے پر کشتی کے میدان میں جو بھی اترا، اس نے اسے چاروں شانے چت گرا دیا۔ اس کا نام تاریخ میں رکانہ بن عبد یزید بن ہاشم بن مطلب بن عبد مناف بیان ہوا ہے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کی قوت و طاقت سے بخوبی واقف تھے اور آپؐ چاہتے تھے کہ یہ نوجوان ہدایت سے بہرہ ور ہو جائے۔ ایک دن آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ کے قریب ایک گھاٹی میں اسے دیکھا۔ آپؐ نے فرمایا: یا رکانہ، الا تتقی اللہ وتقبل ما ادعوك الیہ؟ یعنی اے رکانہ! کیا تو اللہ سے نہیں ڈرتا اور میں جو دعوت دیتا ہوں اسے قبول نہیں کرتا؟ رکانہ نے جواب دیا کہ اگر مجھے یقین ہوتا کہ آپؐ جو کچھ کہہ رہے ہیں وہ حق ہے تو میں آپؐ کی اتباع کرتا۔ آپؐ نے فرمایا: اے رکانہ! میں نے اپنی دعوت تو واضح طور پر آپؐ لوگوں کے سامنے پیش کر دی ہے۔ اب کیا میں تم سے کشتی لڑوں اور اگر تمہیں پچھاڑ دوں تو تب مانو گے کہ میں جو دعوت دیتا ہوں وہ حق ہے؟

پہلوان سے مقابلہ

رکانہ نے آپؐ کی بات سنی تو سوچ میں پڑ گیا۔ پھر کہنے لگا کہ ٹھیک ہے اگر تم کشتی میں مجھے پچھاڑ دو تو میں تم پر ایمان لے آؤں گا۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: فقم حتی اصدار عک۔ اچھا پھر اٹھو اور میرے ساتھ کشتی لڑو۔ رکانہ یہ بات سن کر حیران ہوا کہ میرے



مقابلے پر محمدؐ گیا کشتی لڑیں گے۔ آپؐ کا چیلنج سن کر وہ اٹھا۔ آپؐ نے اسے ایسا قابو کیا کہ وہ بے بس ہو گیا، پھر آپؐ نے اسے زمین پر گرا دیا۔ رکانہ اس ذلت ناک شکست پر بہت غصے میں آیا اور اپنے آپؐ میں نہ رہا۔ اس نے کہا: اے محمدؐ! ذرا پھر آؤ۔ آپؐ پھر میدان میں نکلے اور تین مرتبہ رکانہ کو چاروں شانے چت گرا دیا۔ اب اس نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: یا محمدؐ، واللہ ان هذا للعجب، اتصرنی۔ اے محمدؐ! خدا کی قسم یہ عجیب بات ہے کہ تم نے مجھے پچھاڑ دیا۔

### قبول حق

ابن حجر عسقلانی نے الاصابۃ میں حضرت رکانہ کی زبانی بھی یہ واقعہ بیان کیا ہے اور ان کے بیٹے یزید بن رکانہ کی روایت بھی لکھی ہے، جس کے مطابق خود رکانہ نے پورا واقعہ بیان کیا ہے۔ یزید بن رکانہ کہتے ہیں کہ میرے والد نے کشتی میں شکست کھانے کے بعد کہا: اے محمدؐ! آپؐ سے قبل مجھے کوئی پہلوان کبھی کشتی میں شکست نہ دے سکا اور میرے نزدیک آپؐ سے زیادہ ناپسندیدہ شخص کوئی بھی نہیں تھا، لیکن اب آپؐ مجھے سب سے زیادہ محبوب ہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ وحدہ لا شریک ہے اور آپؐ اللہ کے رسول ہیں۔ وہ یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ اس مقابلے کے وقت رکانہ اپنی بکریاں چرا رہا تھا جن کی تعداد تین سو تھی اور ہر مقابلے میں وہ ایک سو بکریوں کی شرط لگاتا تھا۔ تینوں مرتبہ ہار جانے کے بعد وہ تین سو بکریاں اپنی شرط کے مطابق کھو بیٹھا تھا۔ لیکن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے کلمہ پڑھنے پر فرمایا: اے رکانہ! یہ بکریاں تیری ہیں تجھے مبارک ہوں۔ (الاصابة فی تمیز الصحابة، لابن حجر العسقلانی، ج ۱، مطبوعہ دارصادر بیروت،

ص ۵۲۰-۵۲۱، ایضاً، ج ۳، ص ۶۵۵)

ہادی اعظم کی فکر عظیم

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم تو پہلوان بن کر دنیا میں نہیں آئے تھے۔ آپؐ تو ہادی تھے اور ہر وقت اس بات کی فکر میں رہتے تھے کہ راہِ حق سے بھٹکے ہوئے لوگ کسی طرح اللہ سے جڑ جائیں۔



لوگوں کی فکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر وقت پریشان کیے رکھتی تھی۔ اس جانب قرآن میں جگہ جگہ اللہ نے خود اشارے فرمائے ہیں۔ ارشاد باری ہے:

فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسِكَ عَلَىٰ آثَارِهِمْ إِن لَّمْ يُؤْمِنُوا بِهَذَا الْحَدِيثِ أَسَفًا ﴿۱﴾  
(الکہف ۶:۱۸) اچھا، تو اے نبی! شاید تم ان کے پیچھے غم کے مارے اپنی جان کھودینے والے ہو اگر یہ اس تعلیم پر ایمان نہ لائے۔

لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسِكَ أَلَّا يَكُونُوا مُؤْمِنِينَ ﴿۲﴾ (الشعراء ۲۶:۳) اے نبی! شاید تم اس غم میں اپنی جان کھودو گے کہ یہ لوگ ایمان نہیں لاتے۔

## معجزات رسول

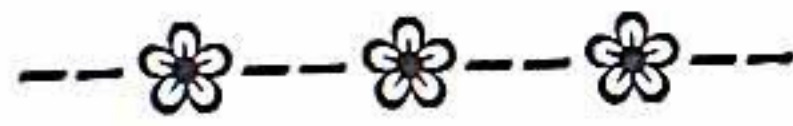
رسول رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کو امید بندھی کہ شاید ان کا عزیز راہ ہدایت سے ہم کنار ہو جائے۔ اسی موقع کا واقعہ ہے کہ آپ نے بڑی محبت کے ساتھ رکنا نہ کو کہا: اے رکنا نہ! اگر میں اس سے بھی زیادہ عجیب چیز تجھے دکھا دوں جو تو نے کبھی نہیں دیکھی ہوگی تو پھر میری اطاعت کرو گے؟ اس نے کہا: اس سے عجیب تر کون سی چیز ہے؟ آپ نے ایک درخت کی طرف اشارہ کر کے فرمایا: کیا تم اس درخت کو دیکھ رہے ہو؟ اس نے کہا: ہاں دیکھ رہا ہوں۔ آپ نے کہا کہ اگر میں اسے بلاؤں اور وہ آجائے تو تمہارا کیا خیال ہے؟ اس نے کہا: یہ کمال کر کے دکھا دو مان جاؤں گا۔ آپ نے اس درخت کو اپنی طرف بلایا تو وہ درخت چلتا ہوا آیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر رک گیا۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا: ارجعی الی مکانک۔ اے درخت! اپنی جگہ واپس چلے جاؤ۔ تو وہ درخت واپس اپنی جگہ پر چلا گیا۔

علامہ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ ابن اسحاق اس قصے کو بیان کر کے لکھتے ہیں کہ رکنا نہ نے کہا: یہ سب جادوگری ہے اور اپنے خاندان میں جا کر اعلان کیا کہ محمدؐ سے بڑا پوری دنیا کے اندر کوئی جادوگر نہیں ہے۔ امام ابن کثیر نے اس رائے سے اختلاف کرتے ہوئے ابو بکر الشافعی کی ایک روایت جس کی سند جید ہے، اپنی کتاب البدایة والنهاية میں لکھی ہے۔ ابو بکر شافعی، حضرت



عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بیان کرتے ہیں کہ رکانہ نے تین دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کشتی لڑی اور ہر مرتبہ یہ طے ہوتا تھا کہ جو جیت جائے گا اسے ہارنے والا سو بکریاں دے گا۔ جب تینوں مرتبہ رکانہ نے شکست کھائی تو اس نے اپنی زبان سے کہا: انا اشہدان لا الہ الا اللہ وانک رسول اللہ۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی الہ نہیں ہے اور آپ اللہ کے رسول ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے سینے سے لگا لیا اور بکریاں معاف فرمادیں۔ رکانہ بہت اچھا مسلمان ثابت ہوا۔ (البداية والنهاية، ج ۱، طبع دار ابن حزم، بیروت، ص ۵۱۸-۵۱۹، اسد الغابة فی معرفة الصحابة، اردو ترجمہ، ج ۱، حصہ سوم، مکتبہ خلیل، ص ۷۲۳)

یہ دونوں واقعات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات میں شامل ہیں اور کم و بیش سیرت کی ہر کتاب میں ان کے حوالے موجود ہیں۔ (دیکھیے: المعجزات المحمدیہ، از ولید الاعظمی، اردو ترجمہ: معجزات سرور عالم، ص ۲۵-۲۶)



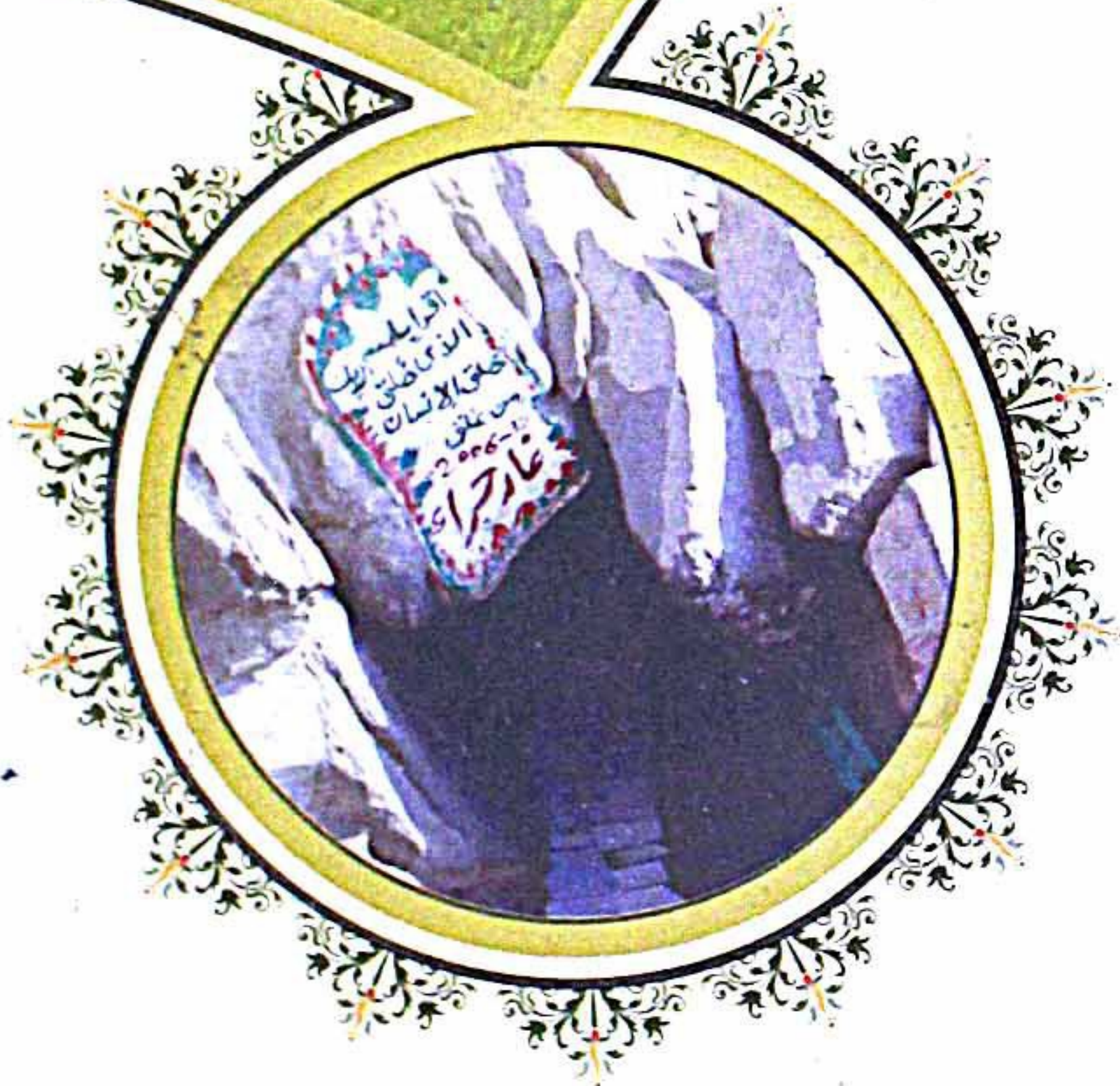


# سُؤَالَ اِحْتِکَاةٍ

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

## مَكَّةَ كِي وَاَدْيُوں ميں

جِلْدِ اَوَّل



حافظ محمد ادریس



ادارہ معارف اسلامی